قطرہ قطرہ سمندر

بنام

نگارشاتِ فلاحی

مختلف مواقع پر لکھے ہوئے پُر تاثیر
مضامین ومقالات اور انفعالاتی تحریریں

از:

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی دامت برکاتہم

استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم
اکل کوا نندوربار، مہاراشٹر

ناشر
مکتبہ السّلام جامعہ اکل کوا

ضابطہ:	رابطہ:
جملہ حقوق محفوظ ہیں	9595943457 / 9423494010

-:تفصیلات:-

نام کتاب........	:	قطرہ قطرہ سمندر بنام نگارشاتِ فلاحی
مؤلف..........	:	حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی دامت برکاتہم استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر
صفحات..........	:	416
تعداد............	:	1100
اشاعت باراول	:	ربیع الاول ۱۴۳۸ھ دسمبر ۲۰۱۶ء
کتابت وتصحیح.....	:	حسین احمد قاسمی معروفی (مئو، یوپی) شعبۂ تجوید جامعہ اکل کوا
ناشر............	:	**مکتبہ السلام جامعہ اکل کوا**
باہتمام..........	:	(مفتی) محمد ریحان رویدروی
قیمت..........	:	....

کتاب یہاں سے بھی دستیاب ہوسکتی ہے

(۱)مکتبہ السلام اکل کوا (دراحاطۂ جامعہ)

(۲)مکتبہ السعادہ، ھانسوٹ، بھروچ گجرات

(۳)قاضی بک ڈپو، سورت

پیشِ خدمت

یہ قلمی کاوش میرے والدین محترمین سے لے کر
ہراس کرم فرما کے نام جس جس نے قلم پکڑنا، جملہ بنانا،
خط لکھنا اور اپنی مافی الضمیر کو حسن تعبیر سے ادا کرنا سکھایا۔
اللہ تعالیٰ ایسے مرحومین کو جنت الخلد عطا فرمائے
اور ایسے موجودین کی حیات کو بافیض بنائے۔

☆ نیز ہراس مستفید کے نام جو اس کتاب کے ذریعہ
اپنی ذات کو قطرہ سے سمندر بنانے کا جذبہ رکھتا ہو۔

فقط عبد الرحیم فلاحی
جامعہ اکل کوا

……سمندر کی لہریں (فہرست عناوین)……

شمار	کیا……؟؟؟؟……کیا	صاحب قلم	کہاں؟
۱	انتساب (پیش خدمت)	……………………………	۳
۲	تشجیعی ودعائیہ کلمات	مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ……	۹
۳	حوصلہ افزاء بابرکت کلمات	مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم	۱۰
۴	ابتدائیہ…………	مولانا قاری حسین احمد صاحب قاسمی معروفی	۱۲
۵	حسن خیال وحسن تأثر…	مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری..	۱۵
۶	فلاحی نقوش………	مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستوی……	۱۷
۷	اپنی بات (دل کی آواز)	از: مؤلف……………………	

……انوارنبوی صلی اللہ علیہ وسلم……(۲۶..تا..۸۱)

۱	چار مؤثر محاسن…………………………	۲۷
۲	حِفْظُ أَمَانَةٍ…………………………	۲۸
۳	صِدْقُ حَدِيْثٍ…………………………	۳۰
۴	حُسْنُ خَلِيْقَةٍ…………………………	۳۲
۵	عِفَّةُ طُعْمَةٍ…………………………	۳۷
۶	حج محبوبِ حقیقی کے دربار کی ایک عاشقانہ حاضری…………	۴۰
۷	حج؛ مواسمِ عبادت میں سے ایک اہم ترین عبادت…………	۴۲
۸	قربانی کا جانور ایسا ہو؟…………………	۵۰
۹	محبوبِ خدا سے کیسی محبت مطلوب ہے؟…………………	۵۳

۱۰	اللہ کی نظر میں دو پسندیدہ خصلتیں..................	٦٠
۱۱	نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت تعلیمی میدان میں............	٦٣
۱۲	واقعۂ معراج..................	٦٨
۱۳	رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری..................	٧٣
۱۴	فلاحی اور رفاہی امور میں حضورؐ کا اسوہ، ہدایات اور خطوط..............	٧٦
۱۵	زمانۂ جاہلیت کی دو برائیاں..................	٧٩

تقاریظ وتحاریض ......(۸۲..تا..۱۸۴)

☆	اسمائے کتب	مصنف/مرتب	☆
۱	اللؤلؤ والمرجان فی لطائف القرآن	مولانا رضوان الدین صاحب معروفیؔ	۸۳
۲	قرآن کریم کی آیات مشکلہ اور.....	مولانا محمد عرفان آنندی مظاہری	۸۷
۳	قرآنی سورتیں وآیات فضائل کی روشنی میں	مولانا عبدالغفار صاحب اشاعتیؔ	۹۰
۴	رہبر متشابہات..............	مولانا محمد عیاض صاحب اشاعتیؔ	۹۲
۵	الخطب القرآنیۃ..............	قاری سید عارف الدین صاحب	۹۴
۶	المواہب الالٰہیۃ فی اصول الشاطبیۃ	قاری سید عارف الدین صاحب	۹۷
۷	تقاریر ربانی، قرآن کی زبانی......	مولانا اقبال احمد صاحب مکرانی	۱۰۲
۸	اسعاد القاری شرح بخاری.......	حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب	۱۰۴
۹	افشاء السّلام یعنی سلام کی اہمیت	مولانا عبدالرحمٰن صاحب ملّی ندوی	۱۱۱
۱۰	الاربعین للطالبین..........	مولانا عبدالرحمٰن صاحب رویدروی	۱۱۴
۱۱	منہاج الصالحین..............	حضرت مولانا محمد مجتبٰی صاحب	۱۱۷

۱۲	تعارف واحوال رواۃ ریاض الصالحین	مولانا عبدالرحمٰن صاحب ملّی ندوی	۱۲۰
۱۳	فقہ حنفی اور غیر مقلدیت........	مولانا محمد سلیمان صاحب شمسیؒ	۱۲۲
۱۴	الاصول والقواعد الفقہیہ	مفتی محمد جعفر صاحب ملّی رحمانی	۱۲۸
۱۵	مانگتا جا لیتا جا..........	حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب	۱۳۲
۱۶	باطن کا سفر مذہب اور سائنس	مولانا افتخار احمد صاحب سمستی پوری	۱۳۴
۱۷	لباسِ تقویٰ..........	مولانا شیر محمد صاحب مکرانی	۱۴۱
۱۸	مہمانان رسول کی خدمت میں (۱)	حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب	۱۴۴
۱۹	مہمانان رسول کی خدمت میں (۲)	حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب	۱۴۸
۲۰	تربیتی گلدستہ..........	مولانا محمد صادق صاحب تونڈاپوری	۱۵۱
۲۱	تحفۂ تعلیمات..........	مولانا مفتی عبداللہ صاحب مدظلہٗ	۱۵۳
۲۲	حج کریں، خدا سے مانگتے مانگتے	حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب	۱۵۴
۲۳	تیسیر التجوید..........	قاری سید عارف الدین صاحب	۱۵۵
۲۴	درر البیان فی توضیح خلاصۃ البیان	قاری سید عارف الدین صاحب	۱۵۷
۲۵	دبستانِ بلاغت..........	مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی	۱۵۹
۲۶	کتاب المنطق..........	مولانا حکیم فخر الاسلام الہ آبادی	۱۶۲
۲۷	منالِ اردو..........	مولانا محمد ناظم صاحب ملّی	۱۶۳
۲۸	تمرین المنطق..........	مولانا حسام الدین صاحب قاسمی	۱۶۴
۲۹	سعادت جنرل نالج..........	مولانا احمد صاحب ٹنکاروی مدظلہٗ	۱۶۶
۳۰	گوہرِ نایاب..........	مولانا محمد شہاب الدین صاحب	۱۶۸
۳۱	اشاعتی بیت بازی..........	مولانا ولی اللہ صاحب ولی قاسمی بستوی	۱۷۰

۳۲	گلبانگ عنادل...............	مولانا سید خلافت علی صاحب ملیؒ	۱۷۳
۳۳	تذکرہ اکابرینِ تبلیغ..............	مولانا نظام الدین صاحب قاسمیؒ	۱۷۸
۳۴	حیاتِ وستانوی (منظوم)........	مولانا ولی اللہ صاحب ولیؔ قاسمی بستوی	۱۸۲

ابتدائیہ (اپنی کہانی اپنی زبانی)(۱۸۵..تا..۲۱۰)

۱	تحفۂ تراویح..	۱۸۶
۲	المذکرات التفسیریۃ (سورۂ یونس، ہود، یوسف، رعد).............	۱۹۰
۳	المذکرات التفسیریۃ (سورۂ مؤمنون/نور).........................	۱۹۳
۴	المذکرات التفسیریۃ (سورۂ آل عمران).............................	۱۹۵
۵	المذکرات التفسیریۃ (سورۂ یاسین، صافات، ص)...................	۱۹۸
۶	ھدیۃ المتسابقین فی کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم..........	۲۰۱
۷	تحفۂ بیٹی..	۲۰۴

وفیات (۲۱۱..تا..۳۰۶)

شمار	عناوین	صاحبِ حالات	☆
۱	خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے	مولانا شاہ اطہر حسین صاحبؒ	۲۱۲
۲	وہ کیا گئے کہ چارسو منظر اداس ہے	مولانا سید ذوالفقار صاحبؒ	۲۱۶
۳	زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے.....	مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ	۲۳۵
۴	ایک پکا موحد؛ توحید کا علم بردار چل بسا	مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبریؒ	۲۴۱
۵	ملت؛ فدائے ملت سے محروم....	مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۲۴۶
۶	آہ! گجرات کے امیر شریعت نہ رہے	حضرت مولانا مفتی بیمات صاحبؒ	۲۵۴

۷	تیرے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو	مولانا محمد یعقوب صاحب خانپوریؒ	۲۶۲
۸	روح رواں جاتا رہا............	مولانا محمد یعقوب صاحب خانپوریؒ	۲۷۲
۹	آہ! وہ اجالو کا سفیر چل بسا......	مولانا محمد طاہر خان صاحب مالیگانویؒ	۲۷۴
۱۰	بڑی مدت میں ساقی............	مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ	۲۷۹
۱۱	میری جنت جاوداں ہوگئی........	قطرات انفعال بر وفات والدۂ مرحومہ	۲۸۷
۱۲	تعزیت نامے............	مختلف حضرات............	۲۹۶
۱۳	گلشن محمدی/ وادئ مریم.........	....	۳۰۱

مقالات ومضامین (۳۰۷..تا..۴۱۶)

☆	حضرت وستانوی کی لاڈلی بیٹی کی رخصتی پر ایک قلبی تأثر............	۳۰۸
۱	ساتویں کل ہند مسابقۃ القرآن کی اختتامی نشست............	۳۱۱
۲	قرآنی قسموں کا نادر اسلوب ایک اجمالی جائزہ............	۳۱۹
۳	خطابت واصولِ خطابت............	۳۲۹
۴	اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجودہ واقعات تعلیمات قرآنی کے تناظر میں	۳۳۶
۵	معذورین کے احکام............	۳۵۱
۶	امت مسلمہ کے اختلافی مسائل اوران کا حل............	۳۷۱
۷	کامیاب تدریس وانتظام کے کلیدی وبنیادی خطوط............	۳۹۵
۸	پیغامِ اخوت برائے برادرانِ ملت (مالیگاؤں)............	۴۱۱
۹	کلام منظوم............	۴۱۴
۱۰	جادو وہ جو سر چڑھ بولے (مولانا افتخار صاحب سمستی پوری کو ایوارڈ ملنے پر).....	۴۱۵

تشجیعی ودعائیہ کلمات

خادم القرآن، رہبر ملت، ہمدردقوم الحاج حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ ورعاہ
رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

الحمدللّٰہ وحدہٗ والصلاۃ علی من لا نبی بعدہ!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اسے بیان کی قوت عطا فرمائی اور اس قوت کے اظہار کے لیے زبان وقلم کی قوت عطا فرمائی، انسان ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ کرتا ہے اور اس کے لئے کبھی زبان اور کبھی قلم کو بطور ذریعہ اختیار کرتا ہے، زبان کی طرح قلم ایک خدائی عطیہ ہے، جس کی قدر کرنی چاہئے اور اسے علمی واصلاحی باتوں کی تبلیغ کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

ہمارے جامعہ میں بفضل الٰہی گوناگوں صفات کے اساتذہ موجود ہیں، جو اپنی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ کبھی تقریر کے ذریعے اور کبھی تحریر کے ذریعے امت کو دین کی باتیں پہونچاتے رہتے ہیں اور اس طرح تعلیم وتدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دیتے ہیں، ان ہی مؤقر اساتذہ میں عزیزم مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی سلمہٗ اللہ ایک قدیم اور تجربہ کار استاذ ہیں جن کی تدریسی خدمات کے ساتھ زبان وقلم کی صلاحیت کا موقع بموقع ظہور ہوتا رہتا ہے؛ انہوں نے جامعہ کے ماحول میں جامعہ کے ترجمان بن کر مختلف مناسبت سے متعدد مضامین لکھے اور آج ’’داشتہ بکار آید‘‘ کہ ان مضامین کا مجموعہ بنام ’’قطرہ قطرہ سمندر‘‘ زیور طبع سے آراستہ ہونے جا رہا ہے، واقعی مولانا نے اپنے فکر وخیال کا قطرہ قطرہ جمع فرمایا اور اسے سمندر بنا دیا، مجھے اس عظیم کارنامے پر بے انتہا خوشی ہے۔ فللہ الحمد

میں مولانا کو مبارک باد دیتا ہوں اور اہل علم حضرات سے مخلصانہ سفارش کرتا ہوں کہ وہ اس علمی سمندر میں غواصی کریں۔ ان شاء اللہ انہیں کام کے موتیاں دستیاب ہوں گے، خصوصاً طلبہ کو اس کتاب کے مطالعے کی دعوت دیتا ہوں کہ مطالعہ ہی سے لکھنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مضامین کے اس مجموعے کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور صاحب مضامین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین! (حضرت مولانا) غلام محمد وستانوی (صاحب)

......حوصلہ افزاء، بابرکت کلمات......

جامع المعقول والمنقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم
بانی ومہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا، امابعد!

جس طرح گفتگو کے مختلف اسلوب اور انداز ہوتے ہیں، یہی حال قلم کا بھی ہے اس لیے قلم بھی انسان کی خاموش زبان ہے، اور زبان کے ذریعہ نکلنے والے احساسات اور جذبات کا ترجمان بھی ہے، جیسے گفتگو کو مؤثر بنانے کے لیے اس کے آداب کی مکمل رعایت ضروری ہے، اسی طرح قلم سے نکلی ہوئی تحریر کو مؤثر بنانے کے لیے اس کے آداب وضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، صاحب قلم اپنے مضامین اور تحریرات کے ذریعہ دنیا کو عظیم پیغام دیتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے والے کو ترقیات کے بامِ عروج پر دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب ایک مؤثر مقرر اس کام کو بروئے کار لائے۔

فیاض ازل نے برادر محترم ''مولانا عبدالرحیم فلاحی (استاذ حدیث جامعہ اکل کوا) زیداقبالہٗ'' میں کئی غیر معمولی خوبیاں ودیعت کردی ہیں، عربی واردو کے ساتھ ساتھ میدان خطابت کے کامیاب فرد ہیں، آپ کے روح پرور وعملی خطابات تاہنوز نگاہوں کے سامنے ہیں، سلیقہ مندی، ہر عمل کو برتنے کا ایک مخصوص انداز اور تعلیم ومطالعہ وتدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیفی صلاحیت کا ذوق وغیرہ دسیوں ایسی خصوصیات کے حامل ہیں۔

اللھم زدفزد

اس وقت موصوف کی کاوش لطیف وجمیل اپنے خطوط، عمدہ مضامین ودیگر تحریرات

کا مجموعہ مسمیٰ ''**قطرہ قطرہ سمندر بنام نگارشاتِ فلاحی**'' نظر نواز ہوا، بے انتہا خوشی ومسرت کا باعث بنا جس میں مقصود ومطلوب تحریر کے ساتھ ساتھ خالص اسلامی معلومات ونصیحت آمیز کلمات بصورت انشاء، کثیر تعداد میں موجود ہیں، آپ کی باذوق نادر وانوکھی شاہ کار کاوش پر برجستہ دادِ تحسین پیش کر رہا ہوں، آں محترم نے انتھک جد وجہد سے ایک عمدہ مجموعہ جمع فرمایا ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمہ جہت قبولیت وکامیابی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین!

والسلام مع الاحترام

خادم (مفتی) عبداللہ مظاہری

بانی وناظم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

۷ر ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۷/۱۲/۲۰۱۶ء

......ابتدائیہ......

(کتاب اور صاحب کتاب)

از مولانا قاری حسین احمد صاحب قاسمی معروفی استاذ جامعہ اکل کوا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات میں حضرت انسان کو گونا گوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک واضح اور نمایاں ترین صلاحیت اظہار مافی الضمیر اور زبان و بیان کی صلاحیت ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنانے میں ایک اہم ترین رول ادا کیا ہے، پھر کسی کے مضمون یا کتاب پر اپنی رائے کا اظہار اور جچا تلا تبصرہ کرنا، اسی طرح کسی چیز کے بارے میں اپنی مثبت انفعالاتی کیفیت کا اظہار بہت ہی اہم اور نازک کام ہے، ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نوازنے پر آتا ہے تو مشکل سے مشکل کام کو آسان بنا دیتا ہے، پھر انسان اپنی لگن، تڑپ، دھن اور عملی محنت کے تسلسل ودوام میں ممارست سے اتنی مہارت حاصل کر لیتا ہے کہ اس کی آراء کو معرکۃ الآراء اور اس کی سند مستند مضمون کے طور پر پیش کی جانے لگتی ہے، بقول شاعر ؎

إذا قالت حذام فصدقوها

فان القول ماقالت حذام

ان ہی شخصیات میں زیر نظر کتاب کے مصنف بھی ہیں جنہوں نے نہ معلوم کتنے لوگوں کا اعتماد حاصل کیا ہے، کہ اپنے اپنے میدان کے سرخیل اور سر برآوردہ حضرات بھی اپنی کتابوں پر تقریضات، حوصلہ افزاء کلمات اور دعائیہ سخنہائے گفتنی لکھوانے اور تحریر کرانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تحریر میں ایسی سحر آفرینی اور جادوئی تاثیر رکھی ہے کہ جب منظر کشی یا جذبات کی ترجمانی کرنے پر آتے ہیں، خصوصاً انفعالاتی تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ قاری ایسا محسوس کرتا ہے جیسے یہ سارا منظر اس کے سامنے تجسیمی شکل میں لاکر حاضر کردیا گیا ہے اور وہ مضامین کی کشتی پر بیٹھا معلومات کے بحرِ بے کراں میں رواں دواں ہے۔

مصنف کتاب حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی مدظلہٗ، آپ ہندوستان کی علمی دانش گاہ، قدیم وجدید کا سنگم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے استاذ تفسیر و حدیث اور دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کے ایسے بے مثال فاضل ہیں کہ آپ نے ''فلاحِ دارین'' سے فراغت پاکر اپنی مادرِ علمی کا ایسا حق ادا کیا کہ اپنے نام سے زیادہ اپنی مادرِ علمی کی نسبت ''فلاحی'' سے متصف ہوکر، شیخ فلاحی یا مولانا فلاحی سے ایسے مشہور ہوئے کہ بعض حضرات کو ان کے نام سے بھی واقفیت نہیں رہی۔

بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے سارے صفحات قرآن وحدیث کا درس دینے کے ساتھ ساتھ لکھا ہے اور یہ سب اس لیے ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ فصاحت وبلاغت اور ادب کے پُرلطف گلشن میں متواضعانہ اور مستفیدانہ گذارا ہے، اللہ رب العزت نے ایسی قیمتی اور بے نظیر صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کردیتے ہیں۔

اسی طرح اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانا، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو نکھارنا اور ان میں ''اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی'' کا حوصلہ بیدار کرنا، موصوف کی خاص عادت اور طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نظامت اور اناؤنسری کا ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ سننے والے معمور و محظوظ ہونے کے ساتھ مسحور بھی ہو جاتے ہیں، مولانا موصوف جب نظامت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو اس شعر کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ ؎

لکھنے جو رات بیٹھا غزل تیرے نام کی
الفاظ سامنے تھے کھڑے ہاتھ جوڑ کر

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

یہ کتاب ایسے ہی دل چسپ مضامین کا مجموعہ اور مرقع ہے جس میں انفعالاتی کیفیات بڑے ہی ادبی اور اچھوتے انداز میں نذر قارئین کی گئی ہیں اسی طرح تقاریظ و تبصروں کے باب میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ اپنی کتاب پر لکھوانے والا مولانا موصوف کا گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بل کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی تقریظ کے بعد مؤلف کو اپنی کتاب کے معیارِ وزن اور قدر و قیمت میں خاصا اضافہ محسوس ہوتا ہے۔

ناچیز سراپا تقصیر بارگاہ الٰہی میں دعا کناں ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف محترم کی رونق و تابش، مقبولیت و عزت میں مزید اضافہ فرمائے، کتاب ہذا مغفرت کا ذریعہ بن جائے اور موصوف کی زندگی کا لمحہ لمحہ مرضی مولیٰ کے لیے وقف ہو جائے۔ آمین!

حسین احمد قاسمی معروفی استاذ جامعہ اکل کوا
یکم محرم الحرام ۱۴۳۸ھ ۳/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

حسن خیال وحسن تأثر

از حضرت مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستوی پوری حفظہُ اللہ
استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دنیائے رنگ و بو میں ہر لمحہ تخلیق و ایجاد کا عمل ہوتا رہتا ہے، دن بہ دن نت نئی چیزیں وجود میں آتی رہتی ہیں، کہیں تنکا تنکا جوڑ کر کشتی بنائی جاتی ہے اور کہیں پرزہ پرزہ ملا کر جہاز تیار کیا جاتا ہے۔

انسان عدم سے وجود میں آیا ہے اور وجود میں لانے کی صلاحیت سے معمور کیا گیا ہے، وہ محسوسات کی حسی دنیا میں بھی اپنی صلاحیت کا جوہر دکھاتا رہتا ہے اور فکر و خیال کی باطنی دنیا میں بھی کچھ نئی نئی چیزیں گڑھتا رہتا ہے اور انہیں الفاظ و تعبیرات کے پیرایے میں پیش کرتا رہتا ہے۔

حرف حرف جوڑ کر لفظ بنتا ہے، لفظ لفظ جوڑ کر جملہ بنتا ہے اور جملہ جملہ سے مل کر کوئی مضمون یا مقالہ تیار ہوتا ہے، پھر مقالہ نگار اگر اپنے مقالے میں خونِ جگر شامل کردے تو اس کا مقالہ محض مقالہ نہیں، بل کہ تحریر و انشاء کا شاہ کار بن جاتا ہے۔

قلم ایک خاموش زبان ہے، مگر بسا اوقات بولتی زبان سے کہیں زیادہ افادیت اور اثر آفرینی کا حامل ثابت ہوتا ہے، زبان کی افادیت محدود ہے اور قلم کا دائرۂ کار وسیع، زبان صرف سامع کو متأثر کرتی ہے اور قلم کا اثر دور و دراز تک پھیلا ہوتا ہے، زبان کا بول خواہ کتنا ہی انمول ہو، اسے محفوظ کر لینے کا اگر معقول انتظام نہ ہو تو وہ بولنے والے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، مگر قلم سے نکلی ہوئی تحریر انمٹ نقوش بن کر سدا کے لیے زندہ اور پائندہ

رہتی ہے۔

"قطرہ قطرہ سمندر" میرے مخلص دوست حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی زید مجدہٗ کی تخلیقی صلاحیت کا مظہر، فکری کاوش کا ثمر، حروف وکلمات کا خوب صورت مجسمہ اور الفاظ وتعبیرات کا حسین پیکر ہے۔

موصوف جہاں مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوکر اپنے شاگردوں میں انوکھی تدریس کا جوہر دکھاتے رہتے ہیں، وہیں عوام وخواص کے بڑے بڑے پروگراموں میں اپنی زبان کا جادو جگاتے ہیں اور ہمہ جہت مشغولیتوں کے باوجود خلوت وتنہائی میں اپنے رواں قلم سے صفحۂ قرطاس پر فکر وخیال کے انمٹ نقوش ثبت فرماتے رہتے ہیں۔

مولانا کی طبیعت اور مزاج میں ہوش کے ساتھ جوش اور ٹھہراؤ کے ساتھ تلاطم ہے، ان کا قلم ہوش مندی کے ساتھ جولانیٔ طبع کو مہمیز دیتا ہے اور ان کی تحریر شستگی وشگفتگی کے ساتھ فکر کی دنیا میں ہلچل مچا دیتی ہے۔

پیشِ نظر کتاب مولانا کی فکر انگیز قلمی کاوش اور پر اثر اسلوبِ نگارش کا شفاف آئینہ، مختلف اوقات میں مختلف مواقع پر مختلف عناوین سے لکھے گئے مختلف مضامین کا حسین مجموعہ اور خوش نما گلہائے رنگارنگ سے سجا ہوا خوب صورت گلدستہ ہے۔

خدا کرے نظر کرنے والے کو اس کی دل کشی کا ادراک اور اس سے اپنی تر و تازگی کا احساس ہو۔ آمین! والسلام

افتخار احمد قاسمی

۱؍ اکتوبر ۲۰۱۶ء

......فلاحی نقوش......

از: مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستوی مدظلہٗ
استاذ عربی وانگلش جامعہ اکل کوا

اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت اور شیریں بیانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی یاددہانی سورۂ رحمٰن میں، الرَّحمٰن علم القراٰن خلق الانسان، علَّمه البیان سے کرائی ہے۔

اپنے اندر موج زن معانی کا اظہار اور اپنے اندرون میں اٹھتے ہوئے جذبات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا ایک مستقل فن اور خداداد نعمت تو ہے ہی، ان جذبات اور خیالات کو دیدہ زیب پیرہن دینا اور شیریں سخن بن کر من موہ لینا، یہ علاحدہ اور مستقل فن ہے، برجستہ کلامی، بدیہہ گوئی، نرم روئی، شستہ بیانی، موثر اسلوب کلام میں تنوع، تفنن پھر اسے تحریر وتقریر کے حوالے سے منظرِ عام پر لانا، ایک ایسی نعمت ہے جس پر ہزار ہا ہزار نعمتیں قربان۔

عربی زبان وادب کے حوالے قرآن کریم تو اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے، جس کو اللہ نے جہاں اعلیٰ وارفع مقاصدِ زیست اور عرضِ حیات کے لئے اتارا ہے، وہیں اس کلام میں جو بلا کی فصاحت وبلاغت اور غضب کی چاشنی اور شیرینی اور نادر الوقوع نغمہ سنجی اور قلیل الوقوع دلربائی ودلکشی ہے اس کا کیا کہنا!؟!

اسی قرآنی زبان کو جب دوسری زبانوں میں منتقل کیا گیا تو وہ زبان بھی سلاست وشیرینی کے ساتھ سلامتی وچاشنی کی حامل بن گئی اور ان زبانوں نے بھی ایسے ایسے فصحا وبلغا کی ٹیم تیار کی جو اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے علاقے کے لئے ضرب المثل بن گئے۔

انھیں زبانوں میں اردو زبان کا نام بھی ایک بڑا اور وسیع الاثر نام ہے، یہ وہی

زبان ہے، جس میں اسلامی اثاثے کا، کہنا چاہئے، تمام تر ذخیرہ تقریباً آ ہی گیا ہے، پھر اس ادب و چاشنی کے ساتھ اور فصاحت و بلاغت کی سحر آفرینی اور سلاست روی کے ساتھ کہ ع

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

کہنا چاہئے کہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں تو اردو زبان و ادب کو بڑی بڑی کانفرنسوں اور بڑے بڑے عوامی جلسوں میں جگہ ملتی ہی ہے، دنیا کے دیگر ممالک میں بھی اردو زبان و ادب ہی کو میڈیم بنا کر صحیح اسلام کی روح اور درست دینی فکر کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ ترجمہ کی مدد سے اس علاقے کے حلقۂ افادہ اور استفادہ کو مزید کمک پہونچائی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی ادبی و فنی زبان کا بہت زیادہ اثر فصاحت و بلاغت کے پہلو سے اردو زبان و ادب میں منتقل ہوا ہے، اور عربی مضامین کو جس تاثیر و سحر انگیزی بل کہ شعلہ بیانی سے اردو زبان میں بیان کیا گیا ہے، شاید نہیں یقیناً دوسری زبانوں کو اس کا حصہ اگر ملا ہے، تو کم یا بہت کم ملا، یا کہہ سکتے ہیں کہ بہت زیادہ نہیں ملا۔ علامہ اقبال مرحوم کو بھی دیکھئے حالات حاضرہ کو صحابۂ کرام کے حالات سے جوڑ کر کس فصاحت مآب زبان میں ادا کرتے ہیں، کہتے ہیں ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تم نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تمدن آفریں آئین خلاق جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کر ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

ان اشعار کو ایک بار پھر پڑھیں اور قرآن کریم کی آیت ''وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ھوناواذاخاطبھم الجاھلون قالوا سلاما'' اور ''الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ '' اور ان جیسی آیاتِ قرآنیہ کے مضامین کا ذرا دور ہی سے صحیح ایک ادبی شہ پارے کی شکل میں مفہوم ومطلب ادا کرنے کی سعی محمود کی گئی ہے۔اور ''محمدرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم '' کو تو علامہ اقبال نے یہ کہہ کر بیان ہی کر دیا ہے ؂

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اردو کے شعراء نے ادب وسلیقہ مندی کے ساتھ قرآن وحدیث کے مفاہیم کو بڑی خوش اسلوبی والی زبان عطا کی ہے ''لقد خلقنا الانسان فی کبد '' کو کلیم عاجز پٹنوی نے تو یوں کہا ہے ؂

غم تو متاعِ زیست ہے اس سے گریز کیا
جس سے ملے جہاں سے ملے ،جس قدر ملے

آپ دور نہ جائیں ہندوستان کی ایک مایۂ ناز درس گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے استاذ حدیث اور گجرات کی مشہور درس گاہ فلاح دارین ترکیسر کے بے بدل فاضل حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی مدظلہٗ انھیں ادبی ودینی، اسلامی وایمانی حلقوں کے ایک مایۂ ناز اور ممتاز فرد ہیں جنھوں نے قرآن وحدیث کا درس دینے میں اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ گذارنے کے ساتھ فصاحت وبلاغت وادب کی پر پیچ مگر

پُرلطف وادی میں ایک عرصے تک سیاحی کی ہے۔

آپ کی زبانِ قلم سے بھی بڑے اچھے اچھے ادبی شہ پارے، مختلف موضوعات سے متعلق کتابوں پر تقریظات اور اظہار رائے کی شکل میں نکل چکے ہیں جن کو واقعی اگر یکجا کرنے کی ہمت و کوششیں کی جائے تو ایک اہم دینی و ادبی کام منظر عام آجائے گا، جس سے ادبی و دینی حلقے اپنی تشنگی بجھائیں گے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ العالی نے دیر ہی سہی اکٹھا کر کے کتابی شکل میں جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، جسے ''قطرہ قطرہ سمندر'' کے البیلے نام سے موسوم کر کے، انشائے ماجدی جیسا فائدہ عام وتام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہو آپ کی تحریر میں سحر آفرینی، جادو بیانی، انفعالی تاثیر، شستگی و شائستگی، حالات کی منظر کشی، جذبات کی راست ترجمانی، مافی الضمیر کی سچی ادائیگی اور کھرے کھوٹے کی امتیازی شناخت پائی جاتی ہے، جو آپ کی تمام تحریروں میں اچھی طرح پیوست ہے، غم وخوشی ہر موقع کی سچی اور اچھی ترجمانی نظم ونثر دونوں میں کرنے پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ مثلاً: ؎

کچھ لوگ زمانے میں ایسے بھی ہوتے ہیں-- محفل میں جو ہنستے ہیں تنہائی میں روتے ہیں

اسی طرح خوشی وغمی دونوں موقعوں پر آپ کے نثر ونظم کے شہ پاروں سے استفادہ کرنا ہو تو ''قطرہ قطرہ سمندر'' کے ورق ورق سے فائدہ اٹھائیں کہ ؎

ورق ورق پہ یہ ابھرے ہوئے نقوشِ حیات
قدم قدم پہ پتہ زندگی کا دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس ادبی کاوش کو قبول فرمائے اور موصوف کا قلم کبھی تعب آشنا نہ ہو۔ (آمین)

افتخار احمد قاسمی بستوی

۶؍شعبان ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴؍مئی ۲۰۱۶ء

دل کی آواز

کچھ نہ کچھ لکھتے رہو تم وقت کے صفحات پر
نسلِ نو سے اک یہی تو رابطے رہ جائیں گے

ساری مخلوق؛ خالق کی دست قدرت کا نتیجہ ہے، اس خدائے ذوالجلال نے آسمان کو چھت، زمین کو فرش، پہاڑوں کو میخ، سمندروں کو بہتا اور بادلوں سے پانی برسا کر، بنجر زمین کو آباد کر کے چرند و پرند کے لیے قسماقسمی غذا مہیا کیا اور جہاں اشیائے کائنات کو اپنی اپنی خدمات اور ڈیوٹی پر مامور کیا، اس نیلگوں آسمان کے نیچے اس فرش خاکی پر آدم اور ابنائے آدم کی شکل میں اشرف المخلوقات کو پیدا کر کے "نحن نسبح بحمدك و نقدس لك" کے نیازمندانہ عرض وگذارش کے باوجود حاکمانہ اور عادلانہ بل کہ آمرانہ فیصلہ بایں الفاظ فرمایا کہ "انی اعلم مالا تعلمون "نیز اس اشرف المخلوقات کو مخدوم کائنات بنایا، مختلف صلاحیتوں اور خوبیوں سے نواز کر یہ احساس دلایا کہ تمہاری تخلیق، آخرت کے لیے کی گئی ہے، چناں چہ آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "الدنیا خلقت لکم و انتم خلقتم للآخرۃ"۔

بہر حال اشیائے کائنات اگر خدمت گذار ہے تو حضرت انسان مخدومِ اشیائے کائنات، اس اعتبار سے اس مخدوم کو بارگاہِ الٰہی میں شکر گذاری دائمی اور استمراری کیفیت سے حسب موقع استحضارِ نعمت کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے۔

قوت تقریر وتحریر بھی اللہ جل شانہٗ کے انعامات میں سے ایک بڑی نعمت ہے، ان دونوں صلاحیتوں سے انسان اپنے مافی الضمیر اور من کی بات کبھی الفاظ وکلمات کی شکل میں تو کبھی حروف ونقوش کے روپ میں پیش کرتا رہتا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت اور سچائی ہے کہ کوئی بھی فرد اور شخص اپنی مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے کسی ہموار اور سازگار

ماحول کا محتاج ہوتا ہے، اگر ماحول پر سکون، حوصلہ افزاء اور قدر شناس ہو تو گونگا بولتا، ناخواندہ خواندہ اور تعبیرات ومحاورات کے پیچ وخم سے ناواقف، واقف کار ہو جاتا ہے۔

باری تعالیٰ کے بے پناہ فضل واحسان کے ساتھ ساتھ والدین محترمین اور اساتذہ ومشائخ بافیض کے بعد، محسن مکرم، سراپا اخلاص، مدارس ہند کی زینت ووقار، بزرگوں اور خصوصاً حضرت باندویؒ کے معتمد، خادم القرآن، حضرت وستانوی کے بے پناہ احسانات کی شکر گذاری کے لیے میرا قلم بے چین وبے قرار ہے کہ اگر ان کی توجہاتِ عالیہ، مربیانہ نگاہ اور بے کار کو کام میں لگانے کا مخلصانہ جذبہ نہ ہوتا تو شاید یہ ''قطرہ قطرہ، سمندر'' کی شکل اختیار نہ کر پاتا۔

اسی طرح میں کیسے فراموش کروں اپنے محسن (جامعہ اکل کوا کے شیخِ اول) شمس المشائخ حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی اعظمیؒ کو، جنہوں نے جامعہ کے پر سکون ماحول میں اعلانات، سرکیولر، امتحانی خاکے اور تعلیمی نقشوں سے لے کر خوشی، غمی تعزیتی اور سالانہ رپورٹ تک کی نوک وپلک سنوارنے اور اس کو تعبیرات کے سانچے میں ڈھالنے، صحیح قالب میں اتارنے کی ایسی شفقت فرمائی جو آج بھی قدم قدم پر رہنمائی اور رہبری کا کام کرتی ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا سید ذوالفقار صاحبؒ کی روحِ پرنور کو سلام عقیدت، جنہوں نے فلاحِ دارین کے کمرہ نمبر ۱۶ رمیں بیٹھ کر ایسے ایسے تشجیعی، تعزیتی پروگرام اور تجاویز ترتیب دلوائی، کہ نہ صرف اس ہیچمداں نے اس کو اخذ کیا بل کہ جامعہ فلاحِ دارین سے وابستہ ہر فرد، اس عبقری اور مثالی شخصیت کا مرہونِ منت ہے، سیکڑوں کو بولتا، دسیوں کو لکھتا اور کتنوں کو تنظیم وتدریس سے وابستہ کر کے ربِ حقیقی سے جاملا، اللہ تعالیٰ ان قبر کو نور سے منور کرے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

میری زندگی کے ایسے دو عبداللہ ہیں، جن کو باری تعالیٰ نے حقیقت میں وصف عبدیت کے ساتھ مرتبۂ کمال کو پہونچایا ہے، ایک تو میری فلاح دارین کی زندگی کے حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل کاپودروی حفظہ اللہ ہیں، جو حسن انتظام میں لاثانی، تربیت طلباء ان کی طبیعت ثانیہ، طلباء کو اساتذہ سے مربوط رکھ کر ان سے اکتساب فیض کرانے، طلباء میں صفائی ستھرائی، نماز اور درس کی پابندی جیسے اوصاف کے ساتھ طلباء میں لکھنے کا ذوق، مضمون نگاری کا سلیقہ پیدا کرنے کے لیے ہر وقت فکر مسلسل میں مستغرق رکھتے اور طلباء کے مناسب حوصلہ افزائی فرماتے، خدا ان کے سائے کو امت مسلمہ کے حق میں عافیت کے ساتھ دائم وقائم فرمائے۔

دوسرے میرے بڑے بھائی ہیں جو صرف میرے بھائی اور استاذ ہی نہیں بل کہ بچپن سے لے کر آج تک جن کے روحانی اور مادی احسانات تلے جی رہا ہوں اور تمام تر لسانی اور قلمی خدمات کا سہرا ان ہی کے سر باندھا جاسکتا ہے، کیوں کہ انھوں نے بچپن مظاہر علوم کی روحانی فضا میں قرآنی بہاریں دکھلانے کے لیے حضرت ناظم صاحبؒ سے وابستہ کیا تو فارسی دوم سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک اپنی کڑی نگرانی میں رکھا اور دعوت و تبلیغ اور تدریسی زمانہ میں بھی ہر قسمی نگرانی فرمائی اور تاہنوز خلوص وللہیت اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فرمارہے ہیں، جس سے میری مراد میرے حق میں بمنزلہٗ والد، محدث کبیر جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری بانی وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہیں، اللہ تعالیٰ مظہر سعادت کو ''اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء'' کا مصداق بنائے اور حضرت کے سایہ کو اپنے خرد وکلاں کے لیے ابرِ رحمت بنا کر سایہ افگن رکھے۔ آمین!

مزید برآں میرا ہر محسن چاہے ہمارے جامعہ کی جمعیت کے اساتذہ ہوں یا ہمارے

طلبائے باوفا، جنھوں نے اس کتاب کے مشمولات کو جب بھی پڑھا بنظر استحسان دیکھا اوراس پر مناسب و مستحسن کلمات کہے۔ بالخصوص میں شعبۂ تجوید وعربی کے مخلص استاذ جناب قاری حسین احمد صاحب قاسمی معروفی حفظہ اللہ کا شکر گذار ہوں، کہ اگر ان کی سعیٔ مشکور، جہد مسلسل اور خلوص پیہم کارفرمانہ ہوتا تو شاید یہ گلدستۂ مضامین جو کئی کتابوں کے اوراق میں منتشر طور پر پھیلے ہوئے تھے ؛ کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو پاتا، موصوف نے بڑی اپنائیت کے ساتھ جہاں جہاں احقر کے مضامین تھے، ان کو فراہم کر کے مرتب کیا اور کمپوز کیا، جب تیار ہو گیا تو مجھے پیش کیا، نیز ابتدائیہ کے نام سے کتاب اور صاحب کتاب کا مفصل تعارف بھی کرایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش اور کوشش کو قبول فرمائے اور ان کی نسلوں کو کار خیر اور خدماتِ قرآنی کے لیے قبول فرمائے۔

اسی طرح جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستوی دامت برکاتہم نے مسودہ کو دیکھ کر بہت ہی زیادہ وسعت ظرفی اور ہم عصری کے مقام سے بلند ہو کر کتاب کی افادیت واہمیت پر بہت ہی مناسب تقریظ تحریر فرمائی۔

ایسے ہی ہمارے مخلص وکرم فرما دوست جامعہ کے استاذ تفسیر وحدیث جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری دامت برکاتہم بھی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کتاب کے سلسلہ میں بھی بھرپور دلچسپی لے کر کتاب کی ہر ہر سطر کو ادبی میزان میں پرکھنے کی ممکنہ سعی جمیل فرمائی، نیز ان کا خلوص یہیں پر نہیں رکا بل کہ اس مجموعۂ مضامین کو کس نام سے موسوم کیا جائے، اس سلسلہ میں بھی ان کی قوت فکریہ گردش کرتی رہی، راقم نے کچھ نام پیش کئے لیکن ان پر ان کو اطمنان نہ ہوا تو ایک دن فرمانے لگے کہ آپ کی کتاب کے لیے ایک بہت اچھا اور مناسب نام ذہن میں آرہا ہے اور فرمانے لگے کہ ''قطرہ قطرہ سمندر بنام نگارشات فلاحی'' ناچیز یہ نام سن کر اچھل پڑا، 1

اللہ تعالیٰ نے اسی نام پر شرح صدر فرمایا، پھر کچھ دنوں بعد عربی کا ایک شعر بھی اسی مضمون کو لیے ہوئے مل گیا جس نے اطمنان مزید کا کام دیا۔

قَطْرٌ قَطْرٌ إِذَا اجْتَمَعَتْ نَهْرٌ

نَهْرٌ نَهْرٌ إِذَا اجْتَمَعَتْ بَحْرٌ

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر جناب قاری نثار احمد صاحب مظاہری کرالوی (صدر شعبۂ تحفیظ القرآن جامعہ اکل کوا) کا شکریہ نہ ادا کیا جائے کہ آں محترم نے ہمہ قسمی تعاون سے نواز کر دوستانہ کا حق ادا کیا۔

اب یہ مجموعۂ مضامین فرزندار جمند مفتی محمد ریحان سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی توجہ اور اہتمام سے شایع ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

بہر حال اللہ پاک میرے تمام کرم فرماؤں کو اجر جزیل عطا فرمائے ان کی محبتوں کا اپنی شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے اور اس کتاب کو طلباء کے لیے مفید اور کارآمد بنائے میرے والدین، جملہ اساتذہ اور معاونین و محسنین کے لیے نجات اخرویہ اور سعادت و فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین!

عبدالرحیم فلاحی

خادم جامعہ اکل کوا

۲۵ / صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

مطابق: ۲۶ / نومبر ۲۰۱۶ء

بروز سنیچر بوقت بعد ظہر

3

انوارنبوی صلی اللہ علیہ وسلم

موقع کی مناسبت سے احادیث نبویہ کی توضیحات وتشریحات

چار مؤثر محاسن

حفظ امانۃٍ صدقُ حدیثٍ حسن خلیقۃٍ عفۃ طعمۃٍ

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال:قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم، اربع اذا کن فیک فلا علیک مافاتک من الدنیا:حفظ امانۃ وصدق حدیث وحسن خلیقۃ وعفۃ طعمۃ۔(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان،مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرقاق)

قبل اس کے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے زرین اور سنہرے جواہر پارے کو اقوال شراح کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

راویٔ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مختصر مگر جامع احوال،نظر نواز کرتے چلیں۔

آپ کا اسم گرامی مع نسب عالی:عبد اللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم القرشی،کنیت ابواحمد اور ابوعبد الرحمٰن بتلائی جاتی ہے۔

آپ اپنے والد محترم عمرو بن عاص سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے،آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کتابتِ حدیث فرمایا کرتے تھے،بڑے تہجد گزار تھے،راتوں کو چراغ بجھا کر لمبی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے،کثرتِ بکاء کی وجہ سے آپ کی آنکھیں متاثر ہوگئی تھیں،دنیائے حدیث میں آپ سے ۷۰۰/روایات مروی ہیں،آپ کی وفات علی اختلاف الاقوال ۵۵،۶۳اور ۷۳/ھ بتلائی جاتی ہے۔

آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پوری امت کے لیے کائنات کی انمول،گراں مایہ نعمتِ عظمیٰ ہیں،اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیائے تعبیرات کا جوہر گوہر بار بھی عطا فرمایا تھا،آپ علوم کا گنجینہ اور خزانہ تھے،چند جملوں میں ارشاد فرمایا کرتے تھے اور خود تشکر کے جذبۂ صادقہ سے یوں گویا ہوتے کہ"اعطیت جوامع الکلم"۔

4

زیرِ نظر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں جن کا ترجمہ ماقبل میں گذرا، ارشاد فرماتے ہیں: اربع اذا کن فیك فلاعلیك مافا تك من الدنیا: حفظ امانۃ وصدق حدیث وحسن خلیقۃ وعفۃ طعمۃ کہ چار صفات، چار خوبیاں اور چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تمہارے اندر پیدا ہو جائیں، تو دنیا کی کوئی نعمت تمہیں نہ ملی ہو تو تب بھی اس کا کوئی ہم اور غم نہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ ان چار صفتوں کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ضرورت نہیں۔ گویا یہ صفاتِ اربعہ دنیا کی ساری دولت سے اعلیٰ اور بالا و برتر ہیں۔ وہ چار صفات کون کون سی ہیں؟

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(۱)......حفظ امانۃ: حفاظتِ امانت۔

امانت یہ خیانت کی ضد ہے، جب یہ لفظ سامعہ سے ٹکراتا ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی آدمی ہمارے پاس پیسے یا کوئی شئ لا کر رکھ دے، ہم اس کو کسی صندوق یا لاکر میں بند کر دیں اور جب وہ مطالبہ کرے تو واپس کر دیں، اس کو امانت اور اس میں کمی بیشی یا قطع و برید وغیرہ کو خیانت سمجھتے ہیں، حالاں کہ لفظ امانت اپنے اندر ایک ایسا وسیع مفہوم رکھتا ہے، جس میں امانتِ جانی، مالی، جاہی، مجلسی، تدریسی، معاشرتی، سماجی سب کو شامل ہے۔

اسی لیے تو مطلوب قرآنی ہے کہ ﴿ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الأمٰنٰتِ الیٰ اَھلِھا﴾

امانت کا مفہوم:

کسی شخص یا کسی ذات کا کسی معاملہ میں کسی پر مکمل اعتماد و بھروسہ کرنا اور اس بندے کا اس پر پورا پورا اترنا، یہ امانت ہے۔ اس کے بالمقابل کسی شخص یا کسی ذات کا کسی معاملہ یا کردار میں کسی پر مکمل اعتماد کرنا اور معتمد علیہ کا اس پر پورا نہ اترنا، یہ خیانت ہے۔

حیاتِ انسانی بھی اللہ کی طرف سے ایک امانت ہے، گویا اللہ نے بندے کو زندگی

دے کر یہ کہا کہ میں تمہارا خالق بھی، رب بھی، ہر طرح کی صلاحیتوں اور نعمتوں کو نوازنے والا بھی اور تمہیں قوتِ کسب واخذ عطا کرنے والا بھی لیکن یہ سارے عطایا تمہارے پاس امانت ہیں، ان کو میری مرضی کے مطابق استعمال کیا، تو تم میری نظر میں امین اور ان میں من مانی، یا نفس کی پیروی کی، تو تم ہماری نظر میں خائن قرار پاؤ گے۔

اسی کو اقرب الی الفہم کرنے کے لیے یوں سمجھیں کہ کسی شہر میں یا ملک میں، آپ سفر کر کے پہنچے اور وہاں پر اپنی سہولت کے لیے کوئی گاڑی کرایہ پر لی، اس کا کرایہ طے ہوا، آپ نے خود گاڑی چلانے کی بھی اجازت لے لی، لیکن کچھ دیر بعد اس کی سیٹ آپ نے اپنی مرضی کے مطابق، اس کا اسٹیرینگ اپنی چاہت کے مطابق، اس کا کام اپنی پسند کے مطابق کرالیا، تو مالک آپ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کو نہ صرف ناپسند کرے گا بل کہ نقصان کا تاوان بھی دینا پڑے گا۔

ہمارا جسم بل کہ زندگی کا لمحہ لمحہ ہمارے پاس امانت ہے۔

ہم طالب علم ہیں، اور نوجوان ہیں تو لمحاتِ درسیات وشباب امانت ہیں، مدرسہ کی سہولتیں امانت ہیں، اساتذہ کی ہدایات بھی امانت ہیں، انتظامیہ کی تربیت ہمارے پاس امانت ہیں۔

ہم استاذ ہیں تو طلبہ ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں، ان کے والدین کی امانت ہیں، ان کے وطن اور ملک کی امانت ہیں۔

ہم شوہر ہیں تو بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک، حسنِ اخلاق، حقوق کی ادائیگی امانت ہیں۔ ہم بیوی ہیں تو معاشرے کی درستگی، گھر، اولاد یہ سب امانت ہیں۔

اسی طرح مجالس امانت ہیں، غرض پوری زندگی اور زندگی کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل ہمارے پاس بطور امانت ہے۔

انسان کو چاہئے کہ اپنی استعداد و صلاحیت کو مرضیِ مولیٰ کے مطابق استعمال کر کے رضاء مولیٰ کی حصولیابی کے لیے کوشاں رہے، اس کی ہر ادا نشست و برخاست، ہر گفت وشنید میں پاس امانت ملحوظ رہے اور ایسی کیفیت سے زندگی گذارے کہ ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ
مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیرے فکر سے
تیری یاد سے تیرے نام سے

الغرض کسی نے اچھوتی اور دل کو لگنے بل کہ بھا جانے والی بات کہی کہ اپنے لمحاتِ شباب، حیاء سازی، خوش اخلاقی، خوش گفتاری اور خداترسی کے جوہر سے سنواریں بڑھاپے کی مایوسی، اداسی، حواس باختگی اور برائی سے نجات مل جائے گی۔

اللہ ہم سب کو وصفِ امانت سے مستفیض فرمائیں، ہر طرح کی خیانت سے حفاظت فرمائیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(۲)……صدقُ حدیث: بات کی سچائی۔

یعنی آدمی جھوٹ نہ بولے، غلط بیانی سے حتی الامکان احتیاط وحفاظت کرے۔ دیکھئے! ایک ہے کھلا جھوٹ، جس کو ہر ایک گناہ سمجھتا ہے، پاپ گردانتا ہے، لیکن ایک ہوتا ہے پوشیدہ قسم کا جھوٹ، خفیہ جھوٹ، اللہ کا فضل وکرم جس کے شامل حال ہو اور جھوٹ سے بچنے کا تھوڑا بہت دھیان رہے، وہ عام طور پر کھلے جھوٹ سے تو پرہیز کرتا ہے اور ارتکابِ جھوٹ سے ڈرتا بھی ہے۔

لیکن جھوٹ کی کچھ ایسی شکلیں ہمارے معاشرے میں سرایت کرگئی ہیں کہ بسا

اوقات ان کے جھوٹے ہونے اور گناہ ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

بالخصوص ایک کی بات دوسرے تک نقل کرنے میں بے احتیاطی، لاپرواہی اور غفلت، یہ بھی معاشرے کی وباء ہے کہ دوستوں کی دوستی، دشمنوں کی دشمنی، رشتہ داروں کی رشتہ داری، عداوتوں میں تبدیلی ہوجاتی ہے، پڑوسی، پڑوسی کے مابین نفرت، ہم منصب، ہم پیشہ لوگوں میں بُعد اور دوری، فتنہ وفساد، خانہ جنگی، یہ سب دو ہی چیزوں کا نتیجہ ہے، جس میں ایک بدگمانی اور دوسری نقلِ کلام میں بداحتیاطی۔

ہم تک قرآن مقدس اور احادیثِ نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچیں، اور اس سلسلہ میں تقریباً امتِ مسلمہ کو جس انداز کا اعتراف واعتماد ہے اس کا راز، اس کا پس منظر اگر آپ ناقلین کے اندازِ نقل اور سلسلہ رواۃ کے حد درجہ احتیاط کو مدنظر رکھیں تو اندازہ ہوگا کہ ''الصدق ينجي والكذب يهلك'' کا کیسا استحضار اور ''من كذب على متعمدًا'' کا کس قدر دھیان ان حضرات محدثین کو رہا۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں یہ التزام کیا کہ اگر کوئی حدیث پاک کسی شیخ یا استاذ سے حاصل کرتے ہوئے تن تنہا، فرد فرید تھے، تو اس روایت کو حدثنی سے تعبیر کیا اور اگر کسی روایت کو کسی شیخِ وقت کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر، دیگر رفقاء کے ساتھ اخذ کیا تو اس روایت کو ''حدثنا'' سے تعبیر فرمایا۔

اسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''الکفایۃ'' میں ایک محدث کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب وہ ایک خاص حدیث سنایا کرتے تھے، تو ''حدثنا'' کے بجائے ''ثنا'' کے ذریعہ نقل فرماتے، تو ان کے تلامذہ نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت اس مقام پر پہنچ کر آپ ''حدثنا'' کے بجائے ''ثنا'' کا تکلم وتلفظ کیوں فرماتے ہیں؟ تو استاذ نے فرمایا: کہ جب میں میرے شیخ کے درس میں پہنچا، تو استاذ نے درس شروع کردیا تھا اور میری

حاضری سے پہلے شیخ ''حَدَّ'' کا تلفظ فرما چکے تھے اور میری سامعہ نے صرف ''ثنا'' کا لفظ سنا، تو میں بھی احتیاطِ نقل کے پیش نظر ''ثنا'' کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔

بہر حال دوسرا وصفِ مستحسن جس کا حدیث مذکور میں ذکر ہے، وہ ہے ''صدقِ حدیث'' یعنی بات کی سچائی! اور بات کی سچائی یہ ہے کہ جو لفظ منہ سے نکلے، وہ تُلا ہوا نکلے، وہ سو فیصد صحیح ہو، اس میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ وہ جھوٹ کی سرحدوں کو چھو رہا ہو اور اتنا احتیاط نہ ہو کہ حقیقت کو چھپانے کی کوشش ہو رہی ہو اور ہر وقت یہ خیال رہے کہ رب کائنات کے یہاں میرا ہر بول، ہر لفظ، ہر کلمہ، ہر مجلس ریکارڈ ہو رہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ'' کا استحضار ہو، اللہ ہم کو وصفِ امانت کے ساتھ ساتھ وصفِ صدق گوئی سے بھی متصف فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(۳)......حسن خلیقة: خوش اخلاقی۔

تیسرا وصف، جو اس حدیث پاک میں بیان فرمایا گیا ہے، وہ ہے خوش اخلاقی۔

ایک روایت رسول پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا ہے، ہر قسم کی بدسلوکی اور بدزبانی سے احتیاط کرتا ہے'' اب دو چیزیں اس مقام پر قابل توجہ ہیں: (۱) خوش اخلاقی کیا چیز ہے؟ (۲) خوش اخلاقی پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

اولاً خوش خلقی کی اہمیت کا اندازہ لگایئے!

ہمارے اکابرین میں سے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب ؒ فتح پوری (الہ آبادی) کا ارشاد ہے کہ اس دور میں اسلام کا تعارف ہمارے اخلاق و کردار ہی سے ممکن ہے۔

نہایت ہی افسوس کے ساتھ اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سے جس طرح دین

کے تمام ابواب میں کوتاہی ہوئی ہے، اخلاق کے معاملہ میں کچھ زیادہ ہی کوتاہی ہوتی چلی گئی اور ستم بالائے ستم یہ بھی ہوا کہ اخلاق نبوی کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے اقوام یورپ کے دجل وفریب سے ملمع کئے ہوئے اخلاق کو معیار ترقی اور نمونہ زندگی بنایا گیا ہے اور اسلام کے حقیقی اخلاق کو نہ صرف متروک بل کہ سبب تنزل قرار دیا جاتا ہے، ہماری حالت تو گویا اس شعر کے مصداق ہونے لگی کہ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

بہر حال حسن اخلاق یعنی خوش خلقی شریعت کی نگاہ میں بہت اہمیت کی حامل ہے، شریعت نے اخلاق کو وہ درجہ دیا ہے جو بعض حیثیات سے عبادات پر بھی فوقیت رکھتا ہے چناں چہ ایک عورت صوم وصلاۃ کی پابند تھی، لیکن بد خلقی کی بنا پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلسلے میں فرمایا کہ جہنم میں جائے گی، اس کے بالمقابل وہ عورت جو زیادہ نوافل وغیرہ کی پابند نہ تھی لیکن خوش خلق تھی تو ارشاد فرمایا کہ جنت میں جائے گی۔

خوش اخلاقی کی اہمیت اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ آپؐ نے خود اپنی زبانی ارشاد فرمایا ’’انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق ‘‘ کہ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں، لیکن ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ اول تو ہم اخلاق کی اہمیت سے غافل بل کہ ناواقف اور اگر کچھ اہمیت ذہن میں ہے بھی تو معیار اخلاق یہ بنا رکھا ہے کہ کسی کے چہرے پر مصنوعی تبسم وانبساط دیکھتا ہے اس کی چکنی چپڑی بات سن لیتا ہے تو اس کو خوش خلقی سمجھ لیتا ہے خواہ دل کے اعتبار سے خیالات وارادے کیسے ہی برے کیوں نہ ہوں اور اگر کسی میں خشونت اور خشکی ہو تو اس کو بد خلق کہہ دیتا ہے خواہ اس کی یہ ترش روئی خشونت اور سختی کسی مصلحت کی بنا پر ہی کیوں نہ ہو، ہم نے اخلاق کا یہ ایسا معیار بنا رکھا ہے

7

جس کی وجہ سے اخلاق کی حقیقت نظروں سے اوجھل ہے، ہمیں معلوم ہی نہیں کہ خوش خلقی کیا چیز ہے اور بد خلقی کس کو کہتے ہیں۔

تو آیئے! سب سے پہلے اخلاق کی تعریف اور اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔

احیاء العلوم جلد ثالث ''کتاب حسن الخلق ''میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں جو ایک ساتھ مستعمل ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ''فُلَانٌ حَسَنُ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ '' یعنی فلاں ظاہر و باطن کے اعتبار سے اچھا ہے، خَلق بالفتح سے مراد ظاہری صورت اور خُلق سے مراد باطنی صورت ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک وہ ظاہری جسم جو نظر آتا ہے، دوسری چیز روح ہے جو ظاہر سے پوشیدہ ہے، لیکن بصیرت، یعنی قلبی نگاہ سے اس کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

اما غزالیؒ کے ارشاد بالا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی انسان کی ظاہری شکل و صورت اچھی ہو تو اس کو حسن الخَلق کہا جائے گا اور جس کی باطنی شکل اچھی ہو تو اس کو حسن الخُلق کہا جائے گا۔

امام غزالیؒ کی عبارت یوں ہے'' فَالْخُلُقُ عِبَارَةٌ عَنْ هَيْئَةٍ فِيْ النَّفْسِ رَاسِخَةٌ عَنْهَاتَصْدُرُالْأَفْعَالُ بِسُهُوْلَةٍ وَ كَثِيْرٌمِنْ غَيْرِحَاجَةٍإِلىٰ فِكْرٍوَرُؤْيَةٍ ''یعنی خلق ایک ایسی ہیئت کا نام ہے جو طبیعت میں اس طور پر راسخ ہو جائے کہ اس سے افعال سہولت و بلا تکلف صادر ہوتے ہوں، فکر و اہتمام کی ضرورت پڑتی ہو، لہٰذا وہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے عقلاً و شرعاً پسندیدہ افعال ہی صادر ہوتے ہیں تو اس ہیئت کو خلق حسن سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اگر برے افعال صادر ہوتے ہوں تو اسے بد خلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن اس دور کے فقیہ النفس حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے امام غزالیؒ کی بیان فرمودہ اخلاقی تعریف کو آج کل کی ذہنیت کو مد نظر رکھ کر نہایت سہل اور آسان

اندازمیں بیان کی کہ اخلاق درحقیقت دل کی کیفیات کا نام ہے، دل میں جوجذبات ابھرتے اور جوخواہشات پیدا ہوتی ہیں اس کا نام اخلاق ہے، حسن اخلاق کے معنی، انسان کے جذبات میں اچھی اورخوشگوار باتیں پیدا ہوں اور برے اخلاق کے معنی اس کے دل میں خراب جذبات اور غلط خواہشات پیدا ہوتی ہوں۔

حسن اخلاق میں کمال کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جس طرح ظاہری صورت کا حسن صرف آنکھوں کے حسین ہونے سے پورا نہیں ہوتا بل کہ ناک، منہ، رخسار، رفتار، گفتار، نشست و برخاست سب حسین ہوں تو ظاہری حسن میں کمال سمجھا جاتا ہے، کسی نے اس کو یوں تعبیر کیا کہ ؎

حسن پر مرتا نہیں، مرتا ہوں میں تو چار پر
ناز پر ، انداز پر ، رفتار پر ، گفتار پر

اسی طرح باطن میں بھی چار قوتیں ایسی ہیں جن میں ہر ایک کا خوبصورت اور حسین ہونا ضروری ہے تا کہ باطنی حسن مکمل ہو، ان چاروں کے معتدل ہونے اور ایک دوسرے کے مناسب ہونے سے حسن خلق حاصل ہوتا ہے، وہ قوتیں یہ ہیں۔

(۱) قوت علم (۲) قوت غضب (۳) قوت شہوت (۴) قوت عدل

(۱) قوت علم کا حسن یہ ہے کہ علم اس مقدار اور کیفیت کا ہو جس کے ذریعہ اقوال مختلفہ، صدق و کذب کا فرق کر سکے، مسائل اعتقاد، حق و باطل کی تمیز ہو سکے، اور اعمال و افعال میں صحیح غلط کے مابین امتیاز کر سکے۔ جب قوت علمیہ میں کمال ہو تو اس کا ثمرہ حکمت بھی حاصل ہوتا ہے اور حکمت سارے اخلاق حسنہ کا سرچشمہ ہے۔

(۲) قوت غضب کا حسن یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی علم و حکمت کے مقاصد کے مطابق ہو۔

8

(۳) قوت شہوت کا حسن یہ ہے کہ شہوت انسانی شریعت وعقل کے فیصلہ کے تقاضہ کے مطابق ہو۔

(۴) قوت عدل کا مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو شریعت کی لگام دے اور عقل تشکیل دے۔ حاصل یہ ہے کہ ان قوات اربعہ کو کمال تک پہنچانے سے حسن اخلاق کا کمال پیدا ہوتا ہے۔

کمالِ حسنِ اخلاق کے چار اصول ہیں:

حکمت، شجاعت، عفت و پاکدامنی، عدل وانصاف، پھر ان اصول کی تعریفات مختلف ہیں، علامہ اقبالؒ نے امت کے اخلاقی انحطاط واخلاقی زوال کو کسی موقع سے بڑے اچھے انداز میں تعبیر کیا اور امت کو تلقین کی کہ ؎

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بہر حال حسن اخلاق ایک ایسی تعلیم اسلام ہے کہ نہ صرف تعلیم بل کہ آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اخلاق عظیمہ کا حامل بنا کر مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾ اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میزان میں جو سب سے بھاری خیر رکھی جائے گی وہ اللہ کا تقویٰ اور حسن خلق ہوگا۔

حسن اخلاق جیسا کہ عرض کیا گیا کسی مخصوص عدد میں محصور نہیں کیا جاسکتا، دل میں جو بھی جذباتِ خیر، جذبہ رضائے الٰہی اور شفقت علی الخلق کے جذبہ سے پیدا ہو رہے ہوں وہ سب اخلاقِ حسنہ ہیں، چاہے وہ صدق گوئی وسخاوت، پاک دامنی، شرم وحیاء، دیانت داری، رحم وترحم، عدل وانصاف، عہد وپیمان کی پابندی، احسان، عفو ودرگذر، حلم و

بردباری، تواضع وخاکساری، خودداری وخوش کلامی، ایثار واستقامت، مداومت علی العمل، حق گوئی۔ یہ سب کے سب اخلاق حسنہ کی فروعات ہیں۔

ایک بہت اچھی اور سچی بات حضرت مولانا انعام الحسن صاحب حضرت جی ثالثؒ نے فرمائی کہ ''ہر وہ فکر وعمل جو مخلوقِ خدا کو راحت پہونچانے یا اذیت سے بچانے کے لیے ہو وہ سب اخلاق حسنہ کا حاصل ہیں۔

ناظم مظاہر علوم سہارن پور حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ نے حسنِ صورت وحسن اخلاق وسیرت کا موازنہ بڑے خوب صورت انداز میں یوں تعبیر فرمایا کہ ؎

حسن صورت چند روزہ حسن سیرت مستقل
اس سے خوش ہوتی ہے آنکھیں اس سے خوش ہوتا ہے دل

اللہ ہم سب کو اخلاق کی بلندی، فکر کی پاکیزگی نصیب فرمائے، اس کے لیے ہم دربارِ الٰہی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین فرمودہ دعاء کا اہتمام بھی کریں۔

أَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَایَهْدِیْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ
وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ سَیِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(٤)......عفة طعمة: لقمہ کی پاکیزگی۔

یعنی آدمی جو کچھ کھا رہا ہے جو رزق اس کو ملا ہوا ہے، وہ پاکیزہ ہو، پاکیزہ ہونے سے مراد یہ نہیں کہ محض دیکھنے میں صاف ستھرا ہو، جراثیم سے پاک ہو، تعفن سے وہ صاف ہو، یہ چیزیں تو ہونی ہی چاہئے، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ وہ حلال ہو، ناجائز اور حرام کھانے سے انسان پرہیز کرے، بل کہ رزقِ حلال کو حاصل کرنا اور اپنے رزق میں حلال ہونے کا اہتمام کرنا، یہ ایمان کے بنیادی ستونوں میں سے ہے، کیوں کہ ترمذی شریف کی روایت ہے، جس میں

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلَىٰ بِهِ'' کہ انسان کے جسم پر جو گوشت حرام کھا کر بنا ہوگا، وہ جہنم کا ایندھن ہے، اسی واسطے ہر مومن کو اس بات کا اہتمام لازم ہے کہ جو کچھ وہ کھا رہا ہے، اس کے حلال ہونے کا پورا اطمینان حاصل کرلے کہ کوئی حرام چیز اپنے حلق سے پیٹ میں نہ جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حرام طریقے سے کمائے ہوئے پیسہ کو دنیا میں بھی عذاب بنا دیتے ہیں، مثلاً کبھی جائداد اور بینک بیلنس بہت ہوگیا لیکن مصیبتیں آرہی ہیں، آفتیں آرہی ہیں، ڈاکے پڑ رہے ہیں، اغوا ہو رہا ہے کبھی طرح طرح کی بیماریاں لگ رہی ہیں، یہ ساری بے برکتی رزقِ حرام اور مالِ حرام کی پاداش میں ہے، حرام مال کا سب سے بڑا اور خطرناک نقصان بے برکتی کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ انسان کے اندر سے ایمان کی حس سلب ہوجاتی ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی، عقل ایسی ہوجاتی ہے کہ حق کو ناحق اور ناحق کو حق سمجھنے لگتا ہے، دل کے اندر ایک تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے، جس کا احساس ہر کس و ناکس کو نہیں ہوتا۔

حکیم الامت، مجدد ملت، حضرت تھانویؒ اپنے استاذ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں، کہ ''میرے استاذ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایک دعوت میں چلا گیا اور وہاں جا کر کھانا کھالیا بعد میں پتہ چلا اس شخص کی آمدنی مشکوک ہے، فرماتے ہیں کہ میں مہینوں تک ان چند لقموں کی ظلمت محسوس کرتا رہا اور میرے دل میں گناہ کے جذبات پیدا ہوتے رہے، حرام مال سے یہ ظلمت پیدا ہوجاتی ہے، اسی لیے تو قرآن کا مطالبہ ہے یاایھا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحا اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو'' یعنی کہ اچھے اعمال کا صدور موقوف ہے رزق حلال پر اس حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے یوں آشکارا کیا ہے۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کسی نے ابواسیدؒ سے سوال کیا، تم کہاں سے کھاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے، تو اس نے پھر سوال کیا کہ کیا اللہ تم پر آسمان سے درہم و دینار برساتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سنو! یہ زمین اسی کی ہے، یہ آسمان اسی کا، اگر میرا رزق آسمان سے نہ آئے تو وہ مجھے زمین سے ضرور دے گا، پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

كَيفَ أخَافُ الرِّزقَ وَاللّٰهُ رَازِقِيُ
وَرَزَّاقُ هٰذَاالُخَلُقِ فِيُ الُعُسُرِوَالُيُسُرِ
تَكَفَّلَ بِالرِّزقِ لِلُخَلُقِ كُلِّهِمِ
لِلضَّبِّ فِيُ الُبُيُدَاءِ وَالُحُوتِ فِيُ الُبَحُرِ

مجھے رزق کا ڈر کیوں ہو جب کہ مجھے اللہ رزق دینے والا ہے اور وہ اس مخلوق کو تنگی اور کشادگی میں رزق دینے والا ہے، اس نے تمام مخلوق کے رزق کی ضمانت لے رکھی ہے، گوہ کے لیے اس کے بل میں اور مچھلی کے لیے دریا میں۔ (تفسیر قرطبی)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، تو رزق کو تلاش کرنا معیوب نہیں، ہاں البتہ غلط طریقہ سے حصولِ رزق معیوب ہے، اسی کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے کہ

ع تلاش رزق تو ہو مگر رزاق کو بھلا کے نہیں

اور ایسا بھی نہ ہو کہ دیکھنے والا یہ کہنے لگے ؎

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں خیال رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

اللہ تعالیٰ مذکورہ تمام صفات پر ہم سب کو عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿......حج محبوبِ حقیقی کے دربار کی ایک عاشقانہ حاضری......﴾

عن ابن عمررضی اللہ عنھماقال،قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"بنی الاسلام علی خمس،شھادۃان لاالہ الااللہ وأن محمداعبدہ ورسولہ، واقام الصلاۃ وایتاء الزکاۃ والحج وصوم رمضان(متفق علیہ)

جب مندرجہ ذیل سطور نظر قارئین ہوگی،تب دربارالٰہی کی حاضری جن کے مقدر ہے وہ رخت سفر باندھ کر مستانہ وار مولیٰ کے دربار میں حاضر ہوگئے ہوں گے،اور کچھ احباب دھڑکتے دل،بےقرار جذبات کے ساتھ حتی المقدور سعی مسلسل میں مصروف ہوں گے،اور ایک وہ طبقہ بھی ہوگا جوتمنائے حرمین اور سعادتِ حج بیت اللہ کا سچا جذبہ چھپائے اللہ سے آہ وزاری میں مصروف ہوگا،اللہ سب کی حاضری صفات مقبولیت کے ساتھ مقدر فرمائے۔آمین

یہ ایک حقیقت ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ کتاب وسنت سے اس کا مطالبہ ہے،جہاں قرآن نے ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ کے حکم سے ہر صاحب استطاعت سے اس کا مطالبہ کیا ہے،وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ دلشاد بواسطہ حضرت ابن عمر صحیحین میں موجود ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

(۱)اقرارشہادتین (۲)اقامتِ صلاۃ (۳)زکوۃ کی ادائیگی (۴)حج بیت اللہ (۵)رمضان کا روزہ۔

آج ہم موسم حج کی مناسبت سے حج کیا ہے؟اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

حج ایک معین اور مقرر وقت پر دیوانوں کی طرح اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور حضرت خلیل،ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں اور طور طریقوں کی نقل کرکے ان کے

سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات میں حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگ دینا، یہ حج ہے۔

بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب صفاتِ باری تعالیٰ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک ہے صفات جلالیہ: قہار ہونا، جبار ہونا، احکم الحاکمین ہونا، تو دوسری طرف ہے صفاتِ جمالیہ، یعنی رحمٰن ہونا، رحیم ہونا، ستار ہونا، غفار ہونا، رزاق ہونا، تو گویا اللہ کی صفاتِ جلالی کے پیشِ نظر ''معبودیت'' حقیقی ہے، اور اللہ کی شان صفاتِ جمالی کے پیش نظر ''محبوبیت'' حقیقی ہے۔ حاکمانہ شان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بندہ ہر طرح سے اس کے سامنے عاجز و مجبور بن کر اپنی عبدیت کا اظہار معبود حقیقی کے حضور ادب و نیاز مندی کی تصویر بن کر کرتا ہے ان ارکان خمسہ میں یہی رنگ نماز میں غالب ہے اور صفاتِ جمال یعنی شان محبوبیت کا تقاضا ہے کہ بندوں کا تعلق اللہ کے ساتھ عشق و محبت کا ہو اور بندے دربارِ الٰہی میں اس کی چاہت و محبت اور اس پر فدائیت کا اظہار کریں۔

چناں چہ روزہ میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے کہ بندہ خدا کے ایک حکم پر اشیاءِ ثلاثہ (اکل و شرب وبعال) کو چھوڑ دیتا ہے، اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لیتا ہے، جیسا کہ عشق و محبت کے منزلوں میں ہوتا ہے، مگر حج اس کی پوری پوری غمازی کرتا ہے، بندہ اس میں مکمل طور پر اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتا ہے کہ غیر سلے ہوئے کفن نما لباس پہننا، ننگے سر رہنا، جسم کی صفائی کا کوئی خاص لحاظ نہ ہونا، محبوب کی ذات میں کھو جانا اور چیخ چیخ کر لبیک کہنا، اس کے گھر کا طواف کرنا، حجر اسود کو چومنا، صفا مروہ کے چکر لگایا کرنا، پھر مکہ سے باہر عرفات و مزدلفہ کے صحراؤں میں دیوانوں کی طرح گھومنا اور آہ وزاری کرنا، پھر بے چینی کے عالم میں مکہ آنا۔ محبوب کے نام پر جانور ذبح کرنا یہ سارے اعمال دیوانہ پن اور محبوب سے اعلیٰ درجہ کے عشق و محبت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اللہ حجاج کو محبوب کے در کی عاشقانہ حاضری نصیب فرما کر کیفیت حج سے لطف اندوز کرے۔ ☆☆☆☆☆

...حج؛ مواسمِ عبادت میں سے ایک اہم ترین عبادت...

اللہ رب العزت کی ایک صفت حکیم ہے، چناں چہ اس کا ہر کام حکمت سے لبریز ہوتا ہے، انسان کی کم علمی وکم عقلی اسے سمجھنے سے قاصر ہے، سارا کا سارا نظام عالم اس کی حکمت کا پرتو ہے، اور اس کی صفتِ حکمت پر دال ہے، اللہ نے جو نظام عالم بنایا ہے، اگر انسان غور کرے تو ہر نظام انسان کی اصلاح ابدان یا اصلاح قلوب سے متعلق ہے، یا تو اس میں اس کی ظاہری اصلاح مضمر ہے یا باطنی۔ آیئے غور کریں!

اللہ تعالیٰ نے مواسم العالم بنائے مواسم الاثمار بنائے مواسم العمر بنائے اور اسی طرح مواسم العبادات۔

مواسم العام: سال میں مختلف مواسم گردش کرتے رہتے ہیں، کبھی سردی تو کبھی گرمی کبھی بارش تو کبھی بہار ہر ایک موسم کی اپنی جگہ ایک خاص خصوصیت ہے، جو انسان کے اجسام وابدان کی اصلاح اور اس کی صحت کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مواسم الاثمار: اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسم کے لحاظ سے غذائیں اور پھلوں کو پیدا کیا جس موسم کے مناسب جو غذا اور پھلوں کی ضرورت ہے وہ انھی موسم میں پیدا ہوتے ہیں، اور ان کا خاطر خواہ فائدہ اسی وقت استعمال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

مواسم العمر: اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے عمر اور اس کی زندگی کی مختلف مراحل رکھے ہیں، ہر مرحلے میں اس کی کیفیت اس کی خواہشات تقاضۂ نفس مختلف ہوتے ہیں، بچپنے کی عمر عجیب ہی بادشاہت کی عمر ہوتی ہے، انسان تمام فکروں سے آزاد دنیا کے جھمیلوں سے پاک صاف ہوتا ہے، کھیلنا کودنا، کھانا پینا ہی اس کا مشغلہ ہوتا ہے، اور اس کی یہی حالت اس وقت اس کے لیے مفید ومناسب ہوتی ہے، کیوں کہ یہ چیزیں

اس کے جسم کی نشو ونما کے لیے ازحد ضروری ہیں، اور پھر کچھ عمر بڑھتی ہے، تو کھیل کود کے ساتھ تعلیم کی طرف رغبت اس وقت کا تقاضا ہوتا ہے، پھر جب جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے، تو اس وقت کا عالم کچھ اور ہوتا ہے، اس کے جذبات وخواہشات مال وجاہ اور ایک بڑی خواہشِ نفسانی وضروریاتِ انسانی جس کے حصول کا جائز اور صحیح طریقہ صرف اور صرف نکاح ہے اس سے بروقت منسلک نہیں کیا جاتا ہے تو پھر وہ اس کے حصول کے لیے ناجائز راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور عمر بڑھتی ہے تو پھر اولاد کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور ضعیفی اور پیری کی عمر تو عجیب ہی ہوتی ہے، انسان بوڑھا ہو جاتا ہے، لیکن امنگیں جوان ہوتی ہیں، ہاں اگر نوجوانی مرضیات خداوندی کے مطابق گزارا ہوتا ہے، تو پھر اس کے بڑھاپے کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

الغرض مواسم العام مواسم الاثمار وغیرہ کا تعلق انسان کے ظاہر اور اس کے ابدان واجسام سے متعلق ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مواسم العبادات بھی رکھے ہیں، جو انسان کی باطنی اصلاح اور اسے انسان باقی رکھنے بل کہ صفت عبدیت تک پہنچانے کے لیے شرط کا درجہ رکھتی ہے، اسی لیے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سال کے مختلف مہینوں اور ایام میں مختلف عبادات رکھی ہیں، ان کی قربِ الٰہی اور اصلاحِ باطنی میں کلیدی حیثیت ہے اور انسان کو اس کے نفس اور شیطان کے چال اور دنیا کے جنجال سے محفوظ رکھنے میں بڑے ہی موثر ہیں، اور بندے کو اپنے رب کی معرفت کرانے میں بڑے ہی معاون ہیں۔

ابھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کو متقی بنانے کے لیے اپنا قرب عطا کرنے کے لیے ماہ رمضان کا مبارک مہینہ عطا کیا، ابھی یہ مبارک مہینہ ختم نہیں ہونے پایا کہ شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ کو مواسم حج بنا کر اپنے گھر کی دعوت دی اور حرمین کی زیارت

اور وہاں کے نورانی ماحول اور اپنی عاشقانہ کیفیت کا ایک بڑا ہی سنہرا موقع عنایت فرمایا۔

الغرض حج بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ عبادات میں سے ایک نہایت ہی اہم عبادت ہے، جس کا ہر فعل بندے کو اس کی عبدیت کا احساس دلاتا ہے، اور خالق کی عظمت کو دلوں میں بٹھاتا ہے، چنانچہ ذیل میں اسی اہم عبادت کی فرضیت اور افضلیت پر فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مع کچھ تشریحات پیش خدمت ہے، جو مفتی عاشق الٰہی صاحب مدنیؒ کی چہل حدیث سے ماخوذ ہیں۔

حج کی فرضیت اور افضلیت:

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ”اے لوگو! بلاشبہ تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کیا کرو“۔
(صحیح مسلم)

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ختم کر دیتا ہے ان گناہوں کو جو اسلام لانے سے پہلے کیے ہوتے ہیں اور ہجرت ختم کر دیتی ہے ان گناہوں کو جو اس سے پہلے کئے ہوتے ہیں اور حج ختم کر دیتا ہے ان گناہوں کو جو اس سے پہلے کئے ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

حج مبرور:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا“۔ عرض کیا گیا اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ فرمایا ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا“۔ عرض کیا گیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا ”وہ حج مبرور ہے“۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں حج مبرور کا درجہ جہاد کے بعد بیان فرمایا ہے، حج مبرور کی تشریح حضرات علمائے کرام نے کئی طرح سے کی ہے۔
بعض حضرات نے فرمایا کہ:
حج مبرور وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ (جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے)
اور بعض حضرات نے فرمایا کہ:
جو حج مقبول ہو جائے، وہ حج مبرور ہے۔
اور بعض اکابر نے فرمایا کہ:
حج مبرور وہ ہے جو حلال مال سے ہو اور جس میں ریا اور نام و نمود نہ ہو۔
حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:
حج مبرور وہ ہے جس کے بعد دنیا کی جانب سے قلب بے رغبت ہو جائے اور آخرت کی طرف راغب ہو جائے۔
اسی کو بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ:
جس حج کے بعد گناہ نہ ہو وہ حج مبرور ہے۔
حجاج کرام کو چاہیے کہ اپنے مال اور نیت کا احتساب کریں کہ ان کا حج قبول ہونے کے درجے میں آسکتا ہے یا نہیں؟ حلال مال سے حج کیا جائے اور حج کے زمانہ میں گناہوں سے بچنے اور حج کے بعد بھی گناہوں سے پرہیز کرنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور عورتوں کے سامنے وہ باتیں نہ کیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کیے تو وہ (پچھلے گناہوں سے پاک ہو کر اپنے گھر کو) ایسا لوٹے گا جیسا کہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے حج کیا جائے اور حج بھی ایسا ہو کہ جس میں گناہ نہ کئے جائیں اور عورتوں کے سامنے وہ باتیں نہ کی جائیں جو مرد و عورت کے درمیان خاص ہوتی ہیں، تو ایسا حج گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حجاج کرام کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم حج کرنے والے سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ: وہ تمہارے لیے استغفار کرے، اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو جائے، کیوں کہ وہ بخشا ہوا ہے''۔ (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادے سے نکلے، پھر اس کو اس راستے میں موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مجاہد اور حاجی اور عمرہ کرنے والے کا اجر لکھ دیں گے''۔

(بیہقی شعب الایمان)

حجاج کی دعا کی اہمیت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد (مہمان خصوصی) ہیں، اگر وہ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، استغفار کریں تو ان کی مغفرت فرمادے''۔ (ابن ماجہ)

گناہوں سے معافی اور تنگ دستی سے خلاصی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''یکے بعد دیگرے حج وعمرہ کیا کرو، کیوں کہ وہ دونوں یقیناً تنگ دستی اور گناہوں کو ختم کردیتے ہیں، جیسا کہ آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے زنگ اور میل کچیل

کو دُور کر دیتی ہے اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں ہے''۔(ترمذی، نسائی)

حج عورتوں کا جہاد ہے:

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا (یعنی عورتوں کا) جہاد، حج ہے''۔(بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیّدہ عائشہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے، کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں؟ اس کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے لیے افضل جہاد حج مقبول ہے''۔(الترغیب)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ''بچوں، بوڑھوں، ضعیفوں اور عورتوں کا جہاد حج وعمرہ ہے۔(کنز العمال)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں چوں کہ جہاد نہیں کرسکتیں، اس لیے وہ بہت بڑے ثواب کے لیے حج اور عمرہ کرلیا کریں۔

واضح رہے کہ عورت کا بغیر محرم کے حج یا عمرہ کے لیے سفر کرنا گناہ ہے اور پردے کا اہتمام بھی واجب ہے، اگر بغیر محرم کے جائے گی یا بے پردہ مردوں کے سامنے آئے گی تو اس کا وبال بہت زیادہ ہے، یہ بھی واضح رہے کہ نفل حج کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں، اگرچہ محرم بھی ساتھ ہو۔(محرم کے بارے میں اگلی حدیث غور سے پڑھیں)

عورت کے لیے محرم کی شرط:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ہرگز کوئی مرد کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے اور کوئی عورت سفر نہ کرے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ!

میرا نام فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا اور میری بیوی حج کے لیے گھر سے نکل چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ! اپنی عورت کے ساتھ حج کرو''۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کو خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی محرم یا شوہر کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

مَحْرَم اسے کہتے ہیں جس سے عمر بھر کبھی بھی کسی حال میں نکاح درست نہ ہو جیسے باپ، بھائی، بیٹا، چچا، ماموں وغیرہ۔ اور جس سے کبھی بھی نکاح درست ہو جیسے جیٹھ، دیور یا ماموں، چچا، پھوپھی اور خالہ کے بیٹے اسی طرح بہنوئی وغیرہ، یہ لوگ محرم نہیں ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ سفر حج یا دوسرا کوئی سفر جائز نہیں، تو جو لوگ بالکل رشتے دار نہیں ان کے ہمراہ سفر کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

بہت سی عورتیں محض شوق اور ذوق کو دیکھتی ہیں، شریعت کے قانون کو نہیں دیکھتیں اور غیر محرم کے ساتھ حج کے لیے چل دیتی ہیں، یہ سراسر حرام ہے، بھلا جس حج میں شروع سے آخر تک شریعت کی خلاف ورزی کی گئی ہو وہ کیسے مبرور اور مقبول ہوسکتا ہے۔

بغیر محرم کے ۴۸ میل اور اس سے زیادہ کا سفر عورتوں کے لیے جائز نہیں، اگر چہ وہ ہوائی جہاز یا ریل سے ہی ہو۔

حج نہ کرنے پر وعید:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا دے، پھر حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں، اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مرجائے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا'' زادِ راہ سے سفر خرچ مراد ہے۔

جو شخص کھانے پینے اور دوسری ضروری حاجات کے پورا کرتے ہوئے مکہ معظّمہ تک پہنچنے کی مالی استطاعت رکھتا ہو اور سواری کا انتظام ہو اور بیوی بچوں کے ضروری اخراجات کا بھی انتظام ہو اس شخص پر حج فرض ہے۔

حضرت ابورزینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد بہت بوڑھے ہیں حج اور عمرہ کی استطاعت ان میں نہیں اور وہ سفر بھی نہیں کر سکتے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرلو''۔ (مشکوٰۃ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اتنا بوڑھا ہو گیا کہ خود حج یا عمرہ کے لیے نہیں جا سکتا اور اس کی طرف سے کسی نے حج یا عمرہ کیا تو جس کی طرف سے حج یا عمرہ کیا گیا اُسے ثواب مل جائے گا۔ (اور جس نے حج یا عمرہ کیا ہے وہ بھی ثواب سے محروم نہ رہے گا)

حج بدل: فرض کی ادائیگی کے لیے بہت سی شرطیں ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں اور کوئی شخص خود اپنے مال سے زندہ یا مردہ ماں باپ یا دوسرے رشتے داروں کی طرف سے حج بدل کرلے، جس سے ثواب پہونچانا مقصود ہو تو اس میں کوئی شرط نہیں، جس میقات سے چاہے جا کر حج کرلے یا کسی دوسرے شخص سے حج کروا دے، مرد عورت کی طرف سے اور عورت، مرد کی طرف سے حج و عمرہ کر سکتے ہیں۔

ذوالحجۃ

……قربانی کا جانور ایسا ہو……

عن ابی الاشدالسلمی عن ابیہ عن جدہ قال کنت سابع سبعة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرنا،نجمع لکل رجل منادرھمافاشترینااضحیةبسبع الدارھم،فقلنایارسول اللہ!لقداغلینابہافقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ''اِنَّ أَفْضَلَ الضَّحَایَاأَغْلَاھَاوَأَسْمَنِهَا'' وأمررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأخذ رجل برِجْلٍ،ورجل برِجلٍ،ورجل بیدٍ،ورجل بیدٍ،ورجل بقرنٍ،ورجل بقرنٍ،و ذبحہاالسابع و کبرناعلیہاجمیعًا۔(مسند احمد)

حضرت ابوالاشد اسلمی اپنے دادا سے نقل فرماتے ہیں کہ ہم سات آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے،آپ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہر ایک،ایک ایک درہم قربانی کے جانور کے لیے جمع کرے،چناں چہ سات درہم میں جانور خریدلیا،مگر ہم نے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے گرانی کی شکایت کی،آپؐ نے فرمایا کہ ''قربانی کا سب سے بہتر جانور وہی ہے،جوگراں قیمت اور موٹا تازہ ہو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرنے کا حکم فرمایا،تو دوساتھیوں نے ایک ایک پاؤں پکڑااوردونے ایک ایک ہاتھ پکڑا اور دوسرے دوساتھیوں نے ایک ایک سینگ تھامااورساتویں نے ذبح کرتے ہوئے چھری چلائی اورہم سب نے اس وقت تکبیر پڑھی۔

تعلیمات نبوی اور ہدایاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امتیاز رہاہے کہ وہ جہاں مُسکّن اورمفید ہیں،وہیں ہر موقع ومحل کے لیے محیط بھی ہیں،چناں چہ آج کے دور کا مسلمان رسم ورواج کی رو میں بہ کر بے دریغ و بے حساب فضول خرچی واسراف سے ہچکچاتا نہیں،لیکن عبادات میں حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں سوچ سوچ کر اور تول تول کر دیتا ہے،حتیٰ کہ کہنے والے اسے یوں کہہ دیتے ہیں کہ:

ارے صاحب! نیکی اور وہ بھی پوچھ پوچھ۔

ان ہی مطلوبات بل کہ تقرباتِ خداوندی کے ذرائع اور اسباب میں ایک سبب اور ایک عبادت ہے، جسے قربانی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کی بابت ارشاد ربانی ہے کہ:

”لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ“ (الحج/۳۷)

اللہ کے یہاں نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون، بل کہ وہاں جذبۂ دروں کی رسائی ہوتی ہے، جس کے اندر جس قدر جذبۂ رضاء الٰہی اور جذبۂ تقربِ خداوندی ہوگا، وہ اسی قدر قربانی کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرے گا۔

زیرِ نظر حدیث پاک کے ترجمہ پر ایک مرتبہ اور نظر کر لیجیے، تو اندازہ ہوگا کہ قربانی شعائر اللہ سمجھ کر، جانور کو کس اہتمام والتزام سے خریدنا چاہیے اور اس کی تروتازگی کا کتنا خیال رکھنا چاہیے۔

دیکھیے! یہ حدیث پاک کس قدر مفید ہدایات ودروس پر مشتمل ہے:

(۱)......فَامَرَنَا نَجْمَعُ: اس سے پتہ چلتا ہے، بڑوں کو ہر موقع اور محل کے مناسب اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کو توجہ دلانا، فکر دلانا چاہیے تا کہ وہ بھی اس کارِ خیر میں شریک ہوں۔

(۲)......لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَّا دِرْهَمًا: اشتراکیت میں مساوات مطلوب ہے۔

فائدہ: سات درہم کا جانور اس دور میں فراہم ہوتا تھا اور ہر شریک نے ایک ایک درہم نکالا، معلوم ہوا کہ اشتراکیت میں مساوات مطلوب ہے۔

(۳)...... بڑے جانور کو خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ہونی چاہیے۔

(٤)...... قربانی دہندگان، ذبح کے وقت حاضر ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

(٥)...... قربانی کا جانور خریدنے میں فراخ دلی سے کام لینا چاہیے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”أفضل الضحايا أغلاها وأسمنها“۔

(٦)…… قربانی کے جانور کو چھ آدمیوں نے پکڑا اور ایک آدمی نے ذبح کیا، معلوم ہوا کہ شرکاء، قربانی کو مل جل کر ذبح کریں تو بہتر ہے۔

(٧)…… ذبح ایک نے کیا، بقیہ افراد نے تعاون کیا، معلوم ہوا کہ ذابح سے تسمیہ مطلوب ہے، البتہ تکبیر میں سب شرکت کرسکتے ہیں۔

چناں چہ ”ولتکبروا اللّٰہ علی ماھداکم “ اور” وکبرناعلیھاجمیعا “ سے یہی سبق ملتا ہے۔

☆……☆……☆

......محبوبِ خدا سے کیسی محبت مطلوب ہے؟......

عن انس رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم **لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والنا س أجمعین**۔(متفق علیہ)

حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا ہوجاؤں''۔

ماہ ربیع الاول ایک ایسا اہم مہینہ ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ولادت ووفات دونوں کی نسبت حاصل ہے اس لیے امتِ مسلمہ کے عوام وخواص بالخصوص اس ماہ میں اہتمامِ ذکرِ رسول کر کے اپنے جذبۂ محبت کو تسکین دینے کے لیے کہیں اجلاسِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کہیں محفلِ نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کر کے اور کہیں عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مضامین لکھ کر عشقِ رسول اور محبتِ رسول کو جتلاتے ہیں تمام عشاقِ رسولؐ کے جذبات کی قدردانی اور ان کی حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ صادقہ کی تصدیق کرتے ہوئے رسولِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت مطلوب ہے؟

(۱) وقتی یا دائمی (۲) جذباتی یا ہوش بھری

(۳) طبعی یا عقلی (۴) اتباعی یا لسانی

زیرِ نظر مضمون کے ذریعہ حدیثِ پاک کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے قارئین کو محبتِ نبوی کی شاہ راہ پر لگانے کی ایک ادنیٰ کوشش کی گئی ہے، اللہ سے دعاء ہے کہ اللہ ہم سب کو دائمی محبتِ نبی سے سرفراز فرمائے۔

تو آیئے! اس حدیثِ پاک کے راوی مشہور صحابی حضرت انسؓ ہیں، سب سے پہلے راوی حدیث حضرت انسؓ کے مختصر حالات پڑھتے چلیں۔

نام نامی انس بن مالکؓ، کنیت ابوحمزہ، خادمِ رسول ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے، دس سال کی عمر میں ان کی والدہ محترمہ امِ سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، موصوفؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس طویل عرصہ میں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے نہیں کہا کہ یہ کام کیوں کیا، ایسا کیوں ہوا، آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مزاج شناس، موقع شناس خادم کو چار قیمتی انمول دعاؤں کی سوغات سے نوازا جو حسب ذیل ہیں:

(۱)......پہلی برکتِ عمر۔

(۲)......دوسری اولاد میں برکت۔

(۳)......تیسری برکتِ رزق۔

(۴)......چوتھی مغفرتِ ذنوب۔

چاروں دعائیں بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئیں کہ آپ کی عمر مبارک سو برس کی ہوئی۔

اولاد کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں نے سو سے زائد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔

رزق میں برکت کا یہ حال تھا کہ آپ کا مدینہ میں باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا، اس باغ میں ایک پھول تھا "رِیحُہٗ کَرِیحِ الْمِسْکِ"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے مخدوم ومحبوب کی تین دعائیں بارگاہِ

الٰہی میں قبول ہوئیں، مجھے امید ہی نہیں بل کہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ چوتھی دعاء بھی ضرور قبول فرمائیں گے۔

بہرحال حدیثِ پاک جوامع الکلم کی قبیل سے ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں کامل معیار پر اترنا چاہتے ہو، تو جب تک تمہارے دل میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر چیز پر غالب نہ آ جائے، حتی کہ ان پر بھی جن سے تمہارا محبتِ طبعی کا تعلق ہے یعنی تمہارے اصول والدین اور تمہارے فروع اولاد پر بھی، وہاں تک تم اپنے دعویٔ ایمان میں صادق نہیں۔

محبت نام ہے "مَیْلَانُ الْقَلْبِ إِلٰی شَئٍ" کا، یعنی کسی چیز کی طرف دل کا میلان ہونا۔

محدثِ کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ بڑی عمدہ اور دل لگتی بات فیض الباری جلد ا ص ۱۸ میں رقم طراز ہیں کہ محبت کی تقسیم درحقیقت فلسفیانہ موشگافی ہے البتہ تعلقات وحیثیات کے اختلاف سے اس کے نام مختلف ہو سکتے ہیں:

اگر قلب کا میلان امورِ طبعیہ کی طرف ہو، تو محبتِ طبعی۔

اگر قلب کا میلان عقلیات سے ہو، تو محبتِ عقلی۔

اور اگر قلب کا میلان امورِ شرعیہ ایمانیہ کی طرف ہو، تو محبتِ ایمانی اور شرعی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ روایتِ بالا میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا مطالبہ کیا ہے اور محبت نام ہے قلبی میلان کا اور یہ میلانِ قلبی غیر اختیاری ہے، تو محبت بھی غیر اختیاری ہوئی لہٰذا محبت کا مکلّف بنانا از قبیل تکلیف مالا یطاق ہے؟

علماء اور شراح حدیث نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(ا) پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ محبتِ طبعی، غیر اختیاری ہے جب کہ محبتِ عقلی اس

محبت کو کہا جاتا ہے جو کسی کے کمالات، محاسن اور خوبیاں سوچ سوچ کر ہوئی ہو، حدیث میں جس محبت کا مطالبہ ہے وہ محبتِ عقلی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور منشاء کو تعارض وتقابل کے وقت ترجیح دینا مثلاً:

ایک طرف شادی کی رسم ورواج، لڑکی کے یہاں دعوت، لڑکے کو جوڑا دینا، شادی کارڈ کی طباعت، دوسری طرف منشاء رسول ''أیسرھامؤنة'' شادی کم خرچ والی اور سادی ہو، اس وقت مؤمن کے ایمان کا اور حب رسول کا اندازہ ہوگا۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی کو کسی سے محبت کے چار اسباب ہیں اور چوں کہ چاروں اسباب محبوبِ رب العالمین میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، اس لیے تقاضۂ عقل یہی ہے کہ آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی محبت ساری مخلوق سے راجح اور غالب ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ اسبابِ محبت کیا کیا ہیں؟ تو آیئے دیکھتے ہیں۔

مشہور قول کے مطابق اسبابِ محبت چار ہیں، جمال، کمال، احسان اور قرابت۔

اگر غور کیا جائے تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں چاروں اسباب علی وجہ الاتم واکمل موجود تھے۔

آپ کے حسن وجمال کا یہ عالم تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کے عقیدت سے لبریز یہ اشعار ہی اس کی عکاسی کے لیے کافی ہیں کہ ؎

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِی
وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِالنِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْخُلِقْتَ كَمَاتَشَآءُ

(دیوان حسان بن ثابتؓ)

دوسرا اسبابِ محبت، کمال ہے۔اور معیارِ کمال صرف دو چیزیں ہیں:

ایک ہے علمِ وسیع اور دوسری چیز ہے عقلِ سلیم۔

جہاں تک علم کا تعلق ہے خود لسانِ رسالت، سراپا صداقت کے یہ الفاظ ہیں کہ "اُوتِیتُ عِلمَ الاَوَّلِینَ وَالاٰخِرِینَ"۔

اور عقل کے متعلق شیخ شہاب الدین کبرودی نے عوارف المعارف میں نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے تخلیقِ عقل کے بعد عقل کے سو حصے کئے، ننانوے حصے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے اور ایک حصہ بقیہ تمام انسانوں پر تقسیم ہوا، کسی نے سچ کہا

ع..........بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تیسرا اسبابِ محبت احسان ہے، انسانی فطرت ہے کہ اپنے محبّ کے احسان سے متاثر ہو کر محبت کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان معنوی بھی ہے اور مادی بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم محسن ہدایت بھی ہیں اور محسن انسانیت بھی کہ آپؐ نے انسانیت کو جہنم کے قعرِ عمیق سے نکال کر صراطِ مستقیم کی شاہ راہِ نجات پر لگایا، ادھر عطائے ظاہری کا یہ حال تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے کبھی "لا" کا تلفظ نہ ہو سکا، فرزدق کا یہ شعر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریا دلی پر بالکل صحیح صادق آتا ہے۔ ؎

مَــــاقَــــالَ لَاقَــطُّ، اِلَّافِــیْ تَشَهُّــدِہٖ
لَــوْلَاالتَّشَهُّــدُ لَـكَــانَــتْ لَاءُهٗ نَـعَــمٗ

(دیوان فرزدق)

بہر حال تیسرا اسبابِ محبت، احسان ہے۔اور علیٰ وجہ الکمال آپ کے اندر موجود تھا، کسی نے کہا "الانسان عبد الاحسان" اس پر ہمارے استاذ محترم مفسر قرآن محدثِ شہیر حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیویؒ کا حاشیہ تھا، فرماتے تھے کہ الانسان عبد

الاحسان، والاحسان یقطع اللسان۔

چوتھا سببِ محبت، قرابت ورشتہ داری ہے۔

بوجہ نسب ورشتہ، آپس میں جو محبت ہوتی ہے اس کو قرابت کہتے ہیں، قرآنِ مقدس نے کہا کہ ''النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم '' (الاحزاب ۳۳ر) کہ نسبی رشتہ کی بنیاد پر جتنی محبت ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ محبت ہونی چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نام ہے جسم وروح کا، جسم میں جب تک روح ہے اس میں حس وحرکت ہے، جسم سڑنے سے محفوظ رہتا ہے، روح نکلتے ہی جسم سڑ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ روح اصل ہے اور جسم اس کے تابع ہے، اس سے معلوم ہوا کہ روحانی تعلق جسمانی تعلق کے مقابلہ میں اعلیٰ وارفع ہے، والدین مربیِ جسمانی ہیں اور نبی مربیِ جسم وروح دونوں ہیں، لہٰذا رسول کی قرابت تمام مخلوق کی قرابت سے زیادہ ہوگی، اس لحاظ سے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہئے۔

مضمونِ محبتِ رسول کو طوالت سے بچاتے ہوئے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ رسو ل کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ساری بنیادیں قرابت، احسان، کمال، جمال آپ میں موجود ہیں، حسن وجمال کا تعلق صورت سے ہو یا سیرت سے، فصاحت وبلاغت اور حسنِ کلام سے ہو یا حسنِ تعبیر سے ہر اعتبار سے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے۔

آپ کے چہرۂ انور کی دل ربائی، لب ولہجہ کی شیرینی، تبسم کی گل افشانی، گفتار کی رعنائی رنگ ورنگت کی دلکشی اور قد وقامت کی دل فریبی نے آپ کی ذاتِ گرامی کو کائنا ت میں سب سے عمدہ حسن وجمال کا پیکر بنا دیا تھا، جس کو کسی شاعر نے عشق ومحبتِ نبی میں ڈوب کر یوں تعبیر کیا کہ ؂

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ ہیں بے تاب دل ایک

لیکن اے عشق نبی کے دعویدارو! محبتِ نبی کے دم بھرنے والو! کتاب وسنت کے تمام پہلو پر غور کرو اور نصوص آثار کا ہر زاویہ سے جائزہ لو! ''لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنة '' (الاحزاب) کی حسین تعبیر پر غور کرو اور ''من تمسك بسنتي '' کے پرکشش مطالبہ پر بنظرِ عمیق نظر ڈالو! تو اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ ہم سے لسانی محبت کے بجائے عملی محبت کا مطالبہ ہے، ہمیں صورتِ نبی کا نہیں سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکلّف بنایا گیا ہے، گفتار کا نہیں کردار کا ہم سے تقاضہ ہے، جلوس واجلاس کے مظاہرہ کا نہیں، بل کہ عملی کارکردگی ہم سے مطلوب ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی عظیم شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے بہا سنت کو اپنی زندگی کا آئیڈیل بنائیں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے منہ موڑ کر محبت کا صرف زبانی دعویٰ ہمیں کامیابی کی منزل سے کبھی ہم کنار نہ کر سکے گا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

……اللہ کی نظر میں دو پسندیدہ خصلتیں……

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا،اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: ''اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ،الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ'' (اخرجه مسلم:١/٣٥)

(١) ترجمۂ حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے سردار (جن کا نام منذر بن عائذ یا منذر بن حارث تھا) سے ارشاد فرمایا کہ ''تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہیں، ایک ''حلم''یعنی بردباری، دوسری ''اناۃ''یعنی انجام پر نظر۔

(٢) ترجمہ راوی:

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کے راوی ہیں ''حِبرُالاُمَّۃُ اور ترجمان القرآن'' کے القاب سے مشہور ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل مکۃ المکرّمہ میں اس وقت ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان، معاندینِ اسلام کے ظلم وستم کے شکار ہوکر ایک گھاٹی ''شعب ابی طالب'' میں محصور تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل میں وہ مرتبہ دیا تھا کہ آپ ''بحرالعلوم'' کے لقب سے بھی ملقب کیے گئے تھے، اجلۂ صحابہ میں کوئی اختلاف ہوتا، تو آپ ہی کو مرجع بنایا جاتا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مجلس شوریٰ میں آپ کی رائے کو وقیع سمجھا جاتا تھا۔

حضرت مسروق تابعی نے بھی دیگر تابعین کی طرح آپ سے استفادہ کیا ہے، وہ اپنے اس باکمال استاذ کی شانِ عالی کو کس محبت وعقیدت سے اجاگر فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں: ''إذا رأيتُ إبنَ عباس قلتُ أجملَ الناس،وإذاأنطق قلتُ أفصحَ

الناس، وإذا حدَّثَ قلتُ أعلمَ الناس"۔(مرعاۃ المفاتیح)

تعداد روایات: راویٔ حدیث سے دنیائے حدیث میں ۱۶۶۰/روایات مروی ہیں جن میں ۷۵/روایات متفق علیہ ۲۸/میں بخاری منفرد اور ۴۹/روایات ایسی ہیں جن میں امام مسلم منفرد ہیں۔ابونعیم کی تحقیق کے مطابق آپ کا انتقال ٦٨ھ میں بمقام طائف ہوا۔

سعودی حکومت نے طائف میں "جامع ابن عباس" بنوائی ہے، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کے قریب ہے۔

(۳) لغات:

أَشَجّ عَبْدُ الْقَيْسُ: قبیلہ عبدالقیس کا لقب ہوا کرتا تھا یہ منذر بن عائذ یا منذر بن حارث تھے۔

خصلتين: خصلة کا تثنیہ ہے، دو عاتیں۔

يحبهما: يحب فعل مضارع از افعال۔محبت کا معنیٰ "ميلان القلب الى الشئ" کے ہیں؛ لیکن یہاں مراد مقتضائے محبت ہے۔

حلم: مصدر ہے از کرم "ضبط النفس عندهيجان الغضب" کو حلم کہتے ہیں۔

الاناة: انجام بینی، جلد بازی نہ کرنا۔

(٤) شانِ ورودِ حدیث:

اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ وفد عبدالقیس جب مدینہ منورہ پہنچا تو وفد کے سب لوگ بعجلت شوقِ لقاءِ رسولؐ میں مسجد نبوی پہنچ کر دیدارِ نبوی سے اپنے آپ کو تسکین دینے لگے، مگر قافلے کے سالار اشج نے سارے رفقاء کے سامان اور سواری کو مرتب کیا، اپنی اونٹنی کو باندھا، پھر بہتر لباس زیب تن کیا، اس کے بعد رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضری دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بٹھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانوں

سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ بیعت اپنی طرف سے اور اپنی قوم کے ان لوگوں کی طرف سے، جو یہاں پہنچے نہیں کرلیں گے؟

وفد کے سب لوگوں نے سوائے اشج کے اثبات میں جواب دیا، مگر سردار قوم اشج نے کہا "یارسول اللہ! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آدمی کے لیے اپنا دین چھوڑنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، ہم اپنی طرف سے تو آپ سے بیعت کرلیں گے اور اپنی قوم کے لوگوں کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے آدمی بھیجیں گے، جو ہمارا پیغام مان لے گا اسے اپنا سمجھیں گے اور جو لوگ انکار کریں گے ان سے جنگ کریں گے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "صدقت ان فيك لخصلتين يحبهما الله "الحلم و الاناة"۔

(٥) فقه الحديث:

(١) عدمِ خوف فتنہ کے وقت کسی انسان کے سامنے، اس کی تعریف کی جاسکتی ہے۔

(٢) تحمل مزاجی اور دوراندیشی، دانشمندی، ہوشمندی، امر مستحسن ہے۔

(٣) عجلت، جلد بازی، عدم تحمل، مذموم اور غیر مستحسن ہے۔

(٤) اس روایت میں اصالۃً اشج عبدالقیس کی تعریف، ضمناً انسانیت کو اس طرح کے اوصاف حسنہ سے متصف ہونے کی ترغیب ہے۔

(٥) انسان طاعات وافعال میں وقار وتمکنت کے ساتھ جمارہے اور عواقب وانجام پر نظر رکھے۔

(٦) اس روایت سے بڑے بننے کے دو اصول کلی کو بیان کیا گیا:

(١) مزاج میں حلم (٢) انجام پر نظر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت تعلیمی میدان میں﴾

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
''أَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ،إِرْحَمُوْا مَنْ فِيْ الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِيْ السَّمَاءِ'' (سنن ابو داؤد كتاب الادب،جامع ترمذی ابواب البر والصلة)

حق جل مجدہ کا شکر واحسان ہے کہ مدارس اسلامیہ کا تعلیمی سال شروع ہو چکا ہے، ہر ہر ادارے نے اپنے اپنے ظرف وہمت کے مطابق امت مسلمہ کے نونہالوں کو صیقل کرنے، تہذیب وتمدن سے آراستہ کرنے کے جذبہ سے اور انسانیت کو زیورِ تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنے اور معرفت رب ورضاء رب سے ہمکنار کرنے کرانے کے لیے طلباء کی ایک معتد بہ تعداد کو اپنی آغوشِ تربیت میں لیا ہے، اللہ سب کی تربیت کرے اور خود شناسی اور خدا شناسی کے جوہر سے آشنا کرے۔

یہ شمارہ ''شاہراہ علم'' اسم با مسمی جب آپ کے ہاتھ میں ہوگا تب اسباق شروع ہو کر طلباء اپنے مقصد کی طرف گامزن ہو رہے ہوں گے۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر رسولِ رحمت سراپا شفقت کی حدیثِ رحمت کو موضوعِ بحث بنا کر حاضر خدمت ہوں، یہ حدیث دنیائے علم میں دو ناموں سے موسوم ہے۔ باعتبار سند اس حدیث کو مسلسل بالاوّلیت سے اور باعتبار متن و مضمون اس روایت کو حدیثِ رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وابستگانِ علم پر حدیث مسلسل کی تعریف واضح اور آشکارا ہے کہ لغۃً: مسلسل رباعی مجرد سے اسم مفعول ہے پے در پے ہونا، اور اصطلاحِ حدیث میں مسلسل اس حدیث کو کہا جاتا ہے: جس میں ہر راوی کسی فعل یا قول کو مروی منہ سے ایک ہی انداز واسلوب میں بیان کرے۔

چنانچہ حدیثِ مسلسل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مسلسل قولی (۲) مسلسل فعلی

کسی شیخ نے اپنے تلامذہ کو کوئی قول ایک ہی اسلوب وانداز سے سنایا ہو تو یہ تسلسل قولی ہے، جیسے: حدیثِ مسلسل ''بقرآۃِ سورۃ الصّف'' میں ہر استاذ نے اپنے طلبہ کو سورۂ صف پڑھ کر سنائی۔

اور ایک ہے مسلسل فعلی، جیسے: ''حدیث مصافحہ'' میں ہر استاذ نے مخصوص انداز میں مصافحہ فرمایا، کسی نے ضیافتِ اسودین کی روایت سنا کر اپنے تلامذہ کی اسودین سے ضیافت فرمائی۔

ہم نے جس روایت کو آج موضوعِ بحث بنایا ہے، یہ دنیاء حدیث میں مسلسل بالاولیت سے مشہور ہے۔

ہر استاذ و شیخ نے اپنے متعلق طلبہ کو آغازِ کتبِ حدیث میں اس روایت کو سنا کر یوں کہا کہ ''اول ماسمعتہ'' میں نے اس کو اپنے شیخ سے سب سے پہلے سنا، الغرض جیسا تسلسل ہوتا ہے ویسا لقب ہوتا ہے۔

مذکورہ روایت کی تخریج امام ابوداؤد نے سنن میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں کی ہے۔

اس روایت پر حدیث مسلسل ہونے کا اطلاق تغلیباً ہے، یعنی حضرت سفیان بن عیینہ تک تو تسلسل ہے، لیکن اس کے اوپر یہ تسلسل باقی نہیں ہے، بہر حال للأکثر حکم الکل کی بنیاد پر اس روایت پر تسلسل کا اطلاق ہوا ہے۔

اس روایت کا دوسرا نام ہے حدیثِ رحمت باعتبار متن کے یعنی سنداً یہ روایت مسلسل ہے، تو متناً رحمت ہے۔ اس روایت کا مفہوم کسی نے منظوم یوں تعبیر کیا ہے کہ

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

رحمت کے معنی ہے: إيصال الخير الى الخير۔

رسول کریم کی شان تو سراپا رحمت، نہ صرف مؤمنین کے لیے رحمت، نہ صرف انسانیت کے لیے رحمت، نہ صرف کسی عمدہ جماعت یا طبقہ کے لیے رحمت، بلکہ کائنات اور اشیاء کائنات کے لیے رحمت، چنانچہ آیت قرآنیہ ناطق ہے﴿ وما أرسلنٰك الا رحمة للعٰلمين ﴾اسی طرح ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''أنا رحمةٌ مهداةٌ'' آپ کی شان اگر مردوں کے لیے رحمت ہے، تو عورتوں کے لیے بھی رحمت، آپ کی شان اگر مالک وآقا کے لیے رحمت ہے، تو مزدوروں کے لیے بھی رحمت، آپ کی شان اگر والدین کے لیے رحمت ہے، تو اولاد کے لیے بھی رحمت، آپ کی شان اگر مہمان کے لیے رحمت ہے، تو میزبان کے حق میں بھی رحمت، آپ کی شان اگر مقیم کے لیے رحمت ہے، تو مسافر کے لیے بھی رحمت، غرض جس زاویہ سے آپ کی شانِ رحمت کا جائزہ لیا جائے، ہر زاویہ سے آپ کی شان، رحمت ہے حتی کہ آپ کی شان معلم کی طرح متعلم کے لیے بھی رحمت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ایک طرف ارشاد فرمایا کہ ''إنما انا بعثت معلمًا'' (المسند المستخرج على صحيح الامام مسلم) تو دوسری طرف یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''انما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق''۔(مسند البزار)

آیئے! ذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کا جائزہ لیتے چلیں، ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل (جو عالم الحلال والحرام کے نام سے جانے گئے) کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رسول رحمت فرمانے لگے ''إني أحبك فقل اللهم اعني على ذكرك و شكرك وحسن عبادتك (ابو داؤد) اللهم اعني على تلاوة القرآن۔ (اتحاف:٣٥٥/٢)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک شاگرد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، اظہارِ محبت کرتے ہوئے، اس دعاء کی تلقین فرمائی کہ تلاوۃ قرآن، ذکرِ الٰہی، شکر باری اور حسن عبادت کی توفیق ہر نماز کے بعد مانگی جائے، یہ باب تعلیم میں آپ کی شان رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابوسعید بن معلٰی مصروف نماز تھے، آپ نے آواز لگائی یا اباسعید! فراغت صلوۃ کے بعد موصوف حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ ہم نے تم کو پکارا تم نہ آئے، تو ابوسعید نے نماز کا عذر کیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ آیت قرآنی نہیں پڑھی ﴿یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاکُمْ﴾ اس پر آئندہ ایسی گستاخی سرزد نہ ہونے کا وعدہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’ لَأُعَلِّمَنَّکَ أَعْظَمَ سُوْرَۃٍفِی الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ ‘‘۔

(بخاری کتاب التفسیر)

پھر آپ دوسری گفتگو میں مصروف ہوئے، حتی کہ موصوف کی طرف اظہار شوق وطلب ہوئی اس پر آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ یہاں بھی باب تعلیم میں آپ کی شان رحمت رہی ہے۔

اسی طرح ایک عجیب وغریب واقعہ تاریخ اسلامی نے اپنے صفحۂ تاریخ میں محفوظ کر رکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ثابت بنانیؒ (جو کہ خادم رسول، بل کہ مزاج شناس رسول حضرت انسؓ کے بہت چہیتے شاگرد تھے) اپنے استاذ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور بہت ہی نیازمندانہ انداز میں دریافت کرنے لگے کہ، آپ کی یہ آنکھیں نہ معلوم کتنی بار زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئی ہوں گی، اس پر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہاں ہاں مجھے بارہا ان آنکھوں سے زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے، یہ سن کر وہ

جذبات میں آگئے اور حضرت انسؓ کی آنکھوں کو چومنے چاٹنے لگے۔

پھر کچھ دیر بعد دریافت کیا کہ اے حضرت انسؓ! ان ہاتھوں نے نہ معلوم کتنی مرتبہ خدمت رسول کی سعادت حاصل کی ہوگی، حضرت انسؓ نے جب اثبات میں جواب دیا، تو پھر جذبات سے مغلوب ہوکر حضرت انسؓ کی دست بوسی کرنے لگے۔

پھر کچھ دیر بعد حضرت ثابت بنانیؒ مخاطب ہوکر فرمانے لگے ''اے استاذِ محترم! آپ کے ان پیروں نے نہ معلوم کہاں کہاں اور کب کب اپنے پیروں کو اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کھپایا ہوگا، اس پر حضرت انسؓ نے اثبات میں جواب دیا تو ثابت بنانیؒ قدم بوسی کرنے لگے۔

حضرت انسؓ نے اپنے اس شاگرد کی والہانہ اور عاشقانہ اداؤں کو دیکھ کر فرمایا ''آؤ! جب تم ان آنکھوں اور ہاتھوں اور پیروں کی اتنی قدر کرتے ہو، جس کو حضور پرنور سے نسبت ہے، تو ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے تین قیمتی جواہر پارے، جو کسی نے نہیں سنے ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ، ایک مرتبہ آقا مدنی نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا:

(۱) اپنے آپ کو اسباغ وضو یعنی اتمام وضو کا عادی بناؤ، عمر میں برکت ہوگی۔

(۲) سلام کو عام کرو، نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔

(۳) قرآن کی تلاوت کو اپنی طبیعتِ ثانیہ بنالو، جنت میں میری رفاقت نصیب ہوگی۔

ہم سب نبی رحمتؐ کی شانِ رحمت سے لبریز ہوکر، ان سطور کو پڑھیں اور جذبۂ عمل پیدا کر کے باوضو رہنے، سلام کو عام کرنے اور تلاوت قرآن کا عادی بننے کا ارادہ کریں، اللہ ہم سب کی مدد فرمائے۔ آمین!

واقعۂ معراج

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم

’’أن محمدًا رأی ربہ فی لیلۃ المعراج‘‘۔

حدیث معراج کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور پر مرتب نظر ڈالنا چاہیے۔

(۱)......اسراء اور معراج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲)......حدیث معراج کے رواۃ کی تعداد۔

(۳)......اسراء اور معراج کا وقوع ایک ہی شب میں ہوا یا الگ الگ راتوں میں۔

(۴)......اسراء و معراج جسمانی ہوئی یا روحانی۔

(۵)......معراج کا عقلی ثبوت۔

ماہِ رواں ماہِ رجب کہلاتا ہے، اور اربابِ علم کے درمیان واقعۂ معراج تو مسلم ہے، البتہ زمانۂ معراج ماہِ رجب ہے یا کوئی اور مہینہ، یہ ایک طویل بحث ہے، سرِ دست ہم اس موضوع کا تعرض نہ کرتے ہوئے، صرف اس حقیقت پر نظر ڈالنے کی کوشش کریں گے، جس کا اجمالی خاکہ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا۔

امر اول:

اسراء کہتے ہیں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا سفر، جو نصِ قطعی سے ثابت ہے اور اس حصہ کا منکر کافر ہے، البتہ معراج جو بیت المقدس سے آسمان دنیا کے سفر کو کہا جاتا ہے اس کا ثبوت خبر مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر نہیں، بلکہ فاسق کہلائے گا، اور ہاں آسمان سے عرش یا فوقِ عرش تک کا ثبوت خبر آحاد سے ہے، جو پہلے دونوں حصہ سے کمتر ہے اور اس کو بھی معراج کہا جاتا ہے۔

امر ثانی:

حدیثِ معراج کے رواۃ کی تعداد کیا ہے؟ خصائصِ کبریٰ میں اسراء اور معراج کی مختصر اور مفصل روایت کرنے والے تقریباً ۳۱ رصحابہ کا نام شمار کرایا گیا ہے، جن میں حضرت انس، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، ابن مسعود، ابو ہریرۃ، اسماء بنت ابی بکر، ام ہانی اور ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے نام قابل ذکر ہیں۔

امر ثالث:

یہ کہ اسراء و معراج کا وقوع ایک ہی شب میں پیش آیا، یا الگ الگ راتوں میں گرچہ ایک قولِ مرجوح یہ بھی ہے کہ دونوں دو رات میں پیش آئے، البتہ عام اور اکثر روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس رات آپ کو بیت المقدس کا سفر کرایا گیا وہیں سے آپ آسمان پر تشریف لے گئے۔

امر رابع:

یہ ہے کہ معراج؛ روحانی یا جسمانی؟ یہاں بھی محققین معراج روح مع الجسد کے قائل ہیں۔

البتہ کچھ حضرات جن میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں اور آپ سے مروی ہے کہ ''مافقدت جسدالنبی صلی اللہ علیہ و سلم قط'' یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر کبھی غائب نہیں پایا، اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ سے منقول ہے کہ ان سے معراج کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ایک سچا خواب تھا۔

اب اس سلسلے میں دو ہی راستے ہیں، یا تو تطبیق کی شکل اختیار کی جائے، یعنی ان کے اقوال کی توجیہ کی جائے، یا یہ کہ ترجیح کی صورت اختیار کی جائے کہ جمہور صحابہ معراج مع الجسد والروح کے قائل ہیں اور جمہور صحابہ کے مقابلہ میں یہ دونوں رائیں مرجوح

ہوں گی یا ان کا اپنا اجتہاد مانا جائے گا، یا یہ کہ حضرت عائشہؓ واقعہ معراج کے موقع پر یا تو نومولود تھیں یا پیدا ابھی نہ ہوئی تھیں، بہر حال اتنی بات تو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں نہ تھیں اور رہا حضرت معاویہؓ کا معاملہ تو اس وقت تک آپ مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔

اسی لیے حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں حضرت عائشہؓ کے مقولہ کی بڑی اچھی توجیہ فرمائی کہ مافقدت جسد النبی صلی اللہ علیہ و سلم کا مطلب یہ ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے اتنا جلد واپس آ گئے کہ ہمیں آپ کو تلاش کرنے کی نوبت نہ آئی۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ جس اسراء کا ذکر قرآن میں ہے اور معراج کا ذکر احادیث میں ہے اس کے سیاق وسباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سفر جسد مع الروح بیداری کی حالت میں ہوا ہے، قرآن پاک کی سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے ہی کئی قرائن اس پر دال ہیں۔

پہلا قرینہ:

''سبحان'' واقعہ کا آغاز لفظ سبحان سے یعنی اس حیرت ناک سفر کو سن کر لوگ محو حیرت اور دشمنوں کو خوب آواز کسنے کا موقع ملے گا، اس کی پیش بندی لفظ سبحان سے کی گئی۔

دوسرا قرینہ:

لفظ ''عبد'' ہے، اس لفظ کا استعمال قرآن کریم میں بدن اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہوا ہے، صرف روح پر عبد کا استعمال نہیں ہوا ہے، اس لیے لفظ عبد بھی جسمانی معراج پر دال ہے۔

تیسرا قرینہ:

واقعہ اسراء ومعراج پر مشرکین کا ہنگامہ برپا کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینا، بیت المقدس کا نقشہ بتانا یہ باتیں کھلی دلیل ہیں کہ معراج خواب کا واقعہ نہیں ہے اور واقعہ خواب ہوتو اس کی تکذیب وتردید کے لیے اس قدر سعی لاحاصل کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال معراج؛ اللہ کی قدرت کا شاہ کار ہے معجزۂ معراج آقائے نامدار سے کیوں ہوئی؟ مشیتِ ایزدی یہ تھی کہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ جتنا اس زمین سے عرش و کرسی اور آسمان بلند وبالا ہے اتنی ہی زمین والوں سے میرے محبوب کی شان رفیع ہے، ”ورفعنالك ذكرك“۔

بعض نے تو اسے یوں بھی تعبیر کیا کہ زلیخا نے عورتوں کو جمع کر کے یہ بتلایا کہ میرا یوسف دیکھو یہ ہے، گویا کہ یہ کہا کہ ؎

این است کہ دل بردہ و دل خوردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

اللہ نے پوری کائنات کے انبیاء کو اور فرشتوں کو جمع کر کے کہا کہ دیکھو! میرا محبوب محمد ہے اور معراج ہوئی بھی تو کس طرح سب انبیا کو جبرئیل کے واسطے سے عطیات ملے لیکن آج جبرئیل کو کھڑا رہنے دے کر واسطہ کو ختم فرما دیا کہ جو کچھ نبوت کے لائق تھا بلا واسطہ آج اپنے محبوب کو دے دیا، اسی کو حضرت شیخ سعدیؒ نے یوں بیان کیا ہے ؎

بد و گفت سالارِ بیت الحرام
کہ اے حاملِ وحی برتر خرام
چوں در دوستی مخلصم یافتی
عنانم زصحبت چرا تافتی

تو اس کے جواب میں حضرت جبرئیل نے مقام محمدی کو بایں الفاظ اجاگر کیا کہ ؎

اگر یک سر موئے بر تر پر م
فروغ تجلی بسوزد پر م

کسی اردو شاعر نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

سدرۃ المنتہیٰ پر جو پہنچے نبی
سر جھکا کر یہ جبریل کہنے لگے
اے حبیبِ خدا ، اب سوا آپ کے
اس سے آگے جو جائیگا جل جائیگا

بہر حال قرآن نے واقعہ اسراء کا آغاز سبحان سے کیا تا کہ لوگ خدا اور رسول کو ایک نہ بنا دیں۔

کسی نے فرمایا: لے جانے والے کی شان سبحان، جانے والا آخر الزماں، گواہی دینے والا قرآن، اسی میں محمد کی شان، کہ نبی گناہوں سے پاک، جبرئیل بھول سے محفوظ اور قرآن قیامت تک تحریف وتبدیل سے محفوظ۔ اس لیے اس امت محمدیہ کا صرف یہ کام ہے کہ واقعہ معراج کی غیر ضروری تحقیق کے بجائے تحفۂ معراجِ مومنین یعنی نمازوں کا اہتمام کرکے، ماہِ رجب کی من گھڑت رسومات ورواج سے اجتناب کرکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو ہر وقت مطمح نظر رکھے کہ اللهم بارك لنا في رجب وشعبان و بلغنا الى رمضان رمضان کی رحمت وبرکت کو حاصل کرنے کے لیے رجب وشعبان کے لمحات کو یادِ الٰہی میں بسر کرنا یہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شناخت ہے۔

☆......☆☆......☆......☆☆......☆......☆☆......☆

......رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری......

عن انس رضی الله عنه قال كان رسو ل الله صلى الله عليه اذادخل رجب قال ''اللهم بارك لنافى رجب و شعبان بلغنارمضان''۔(البيهقى فى الدعوات الكبير)

برادران عزیز! شعبان کا مہینہ چل رہا ہے، یہ مہینہ شرعی احکام کے اعتبار سے رمضان المبارک کا مقدمہ ہے، کیونکہ اس کے فوراًبعد رمضان کا مبارک مہینہ آنے والا ہے، اس ماہِ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خاص معمولات تھے، جو اس مہینہ میں آپ انجام دیا کرتے تھے، ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معمول یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:''اللهم بارك لنافى رجب وشعبان و بلغناالى رمضان '' اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجیے، یعنی ہماری عمر اتنی دراز کر دیجیے کہ ہم رمضان کا مہینہ اپنی زندگی میں پالیں، اور اس کی برکات سے بہرور ہوسکیں، ایک معمول تو آپ کا اس دعا کے کرنے کا تھا۔

ماہ شعبان میں روزوں کی کثرت:

دوسرا معمول روزوں کی کثرت کا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک حدیث میں روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، روزے رکھنے کو رمضان المبارک کی تیاری سمجھ لیں، یا اس کی مشق سمجھ لیں، اور اس کا استقبال سمجھ لیں۔

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، یہ روزے واجب وفرض نہیں، لیکن شعبان کے دنوں میں روزوں کی فضیلت دوسرے

دنوں کے روزوں سے زیادہ ہے اور اجر وثواب کا موجب ہے، کوئی تعداد مقرر نہیں، کوئی دن مقرر نہیں بل کہ جس دن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہو جائے، اس میں نفلی روزہ رکھ لینا چاہیے۔

رمضان سے دو دن پہلے روزہ نہ رکھنے کی علت:

رمضان سے دو دن پہلے روزہ رکھنا کیوں منع ہے، اس کی دو وجہ ہے:

(۱) تاکہ رمضان کا استقبال نشاط کے ساتھ کیا جا سکے۔

(۲) دوسرے اس لیے کہ دین؛ اتباع کا نام ہے، اپنا شوق پورا کرنے اور جذبات کی تسکین کا نام دین نہیں، بل کہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کے احکامات کی پیروی کرنا دین ہے، اس لیے جب رکھنے کا حکم ہو تو رکھنا اتباع، اور نہ رکھنے کا حکم ہو تو نہ رکھنا اتباع۔

رمضان میں فرض کا ثواب ستر گنا:

رمضان سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ استقبالِ رمضان میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی یہ خصوصیت رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس ماہِ مبارک میں کوئی نفلی عبادت انجام دیتا ہے، تو اس نفلی عبادت کا ثواب فرض عبادت کے برابر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی اس ماہ مبارک میں فرض عبادت انجام دیتا ہے، تو اس فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ہوگا، اور اگر ایک روزہ رکھا تو اس کا ثواب ستر روزوں کے برابر ہوگا، جتنی بھی فرض عبادتیں ہیں، ان کا ثواب اس مہینے میں ستر گنا بڑھ جاتا ہے، اس خطبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی تھی۔

رمضان؛ ہمدردی کا مہینہ:

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی تھی کہ رمضان المبارک ''شہر المواسات'' یعنی ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے، یعنی اس ماہ میں خصوصی طور پر مسلمانوں کو

اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کریں، یوں تو ایک مسلمان کی خصوصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں بھی یہ بتائی ہے کہا اَلْمُسْلِمُ مَـنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، نہ اپنی زبان سے کسی کو تکلیف پہونچائے، نہ اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہونچائے، لہٰذا اگر تمہاری زبان سے یا ہاتھ سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پھر تم صحیح معنوں میں مسلمان نہیں۔

جیسا کہ معلوم ہوا کہ اس مہینہ میں فرائض کا ثواب بڑھ کر ستر گنا ہو جاتا ہے، اسی لیے مسلمانوں کی اکثریت اپنے مالوں کی زکوٰۃ اسی مہینہ میں نکالتی ہے، اور یہ اسلام کا ایک اہم ستون ہے، جو ہر صاحبِ نصاب کو پائی پائی کا حساب کر کے نکالنا چاہیے، اس سے ہمارا مال پاک صاف ہو کر ہمارے لیے باعث خیر و برکت بن جاتا ہے اور اس کی ادائیگی کرنے والوں کے لیے بڑی فضیلتیں اور نہ کرنے والوں کے لیے بڑی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

فلاحی اور رفاہی امور میں حضورؐ کا اسوہ، ہدایات اور خطوط

عن سعدبن عبادة قال يارسول الله!إنَّ أمَّ سَعْدٍ ماتت فأى صدقةأفضل؟

قال ''أَلْمَاءُ'' فحفر بئرًاو قال هذه لأم سعد۔(رواہ ابو داؤد:٢٣٦)

حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے (ان کے ایصال ثواب کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟) ارشاد فرمایا ''پانی'' تو حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا کہ یہ کنواں ام سعد کے ایصال ثواب کے لیے ہے۔

یہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہے کہ دنیا میں انسانیت، ہمدردی، اور خدمت خلق سے متعلق جتنے اہم خیالات افکار اور تصورات گردش کر رہے ہیں، سب کے سب انبیاء اور رسل کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں، ان ہی گروہِ مقدسہ کے ذریعہ بھلائی اور خیر کی باتیں امتوں تک پہنچی ہیں، نیز یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے کہ، رسول اپنی اپنی حدود و دائرہ کار میں رہ کر سماجی مصلح، سوشل ورکر بھی ہوا کرتا ہے، اور عام انسانوں کی بہ نسبت خلقِ خدا کی محبت صاحبِ نبوت کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، بل کہ ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے۔

ربیع الاول کے مہینہ کو نبی امی سراپا رحمت سے ولادت، وفات، نبوت پر ہر جہتی مناسبت ہے، اس لیے آج شاہراہ علم کے صفحات کے ذریعہ سیرت کا ایک اہم پہلو خدمتِ خلق کے باب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کیا؟ اور موضوع بتایا گیا ہے۔

جب ہم آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وتعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت خلق کے انتہائی مقام پر فائز تھے، بلکہ آپ کے دامن وتربیت سے وابستہ عام رفقاء بھی، اس میدانِ خدمتِ خلق میں اپنی مثال آپ تھے۔

آج کے خود غرض، مفاد پرست، دور میں بے غرض ہو کر رضاء الٰہی کے جذبہ سے امن و امان، اطمینان، چین اور پر سکون ماحول قائم کرنا چاہیں، تو سیرتِ نبوی کا یہ پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔

بہر حال پانی انسانی زندگی کی ضرورتوں میں بہت اہم ضرورت ہے، اگر دستیاب نہ ہو تو، زندگی کی رفتار رک جائے، بل کہ زندگی کے لالے پڑ جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی شدید تشنہ لبی کی سیرابی کو حیات بخش قرار دیا ہے، بل کہ قرآن نے تو ہر شئ کی زندگی کو پانی سے وابستہ کیا ہے، اور فرمایا ''و جعلنامن الماء کل شئ حی ''(الانبیاء ۳۰/)

پانی کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپ نے کنویں کھدوانے اور نہریں جاری کرنے کو صدقہ جاریہ قرار دیا، کہ جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، پیاسوں کی پیاس بجھتی رہے گی، اس وقت تک اس شخص کو ثواب ملتا رہے گا، چاہے وہ مر بھی کیوں نہ چکا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواں کھدوانے اور لوگوں کو پانی فراہم کرنے پر زور دیا پانی کو احتیاط و کفایت شعاری سے خرچ کرنے کی بھی ہدایت کی، چنانچہ ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ اگر تم میں سے کوئی پانی کی نہر پر بھی کھڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ فضول خرچی سے اجتناب کرے۔

اسی طرح نظافت وطہارتِ ماء سے متعلق ہدایات ایسی دل پذیر اور اتنی کثیر ہیں کہ مستقلاً محدثین نے ''النھی عن البول فی الماء الراکد'' کے عناوین اپنی اپنی تصنیفات میں قائم فرماتے ہیں۔

اسی طرح رفاہی ہدایات کی دو اہم کڑی، گھروں کی اور جسموں کی صفائی بھی ہے۔

چناں نچہ عہد نبوی میں یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کیچڑ اور جانور کا فضلہ گوبر وغیرہ، اپنے اپنے گھر کے دروازے کے سامنے ڈال دیا کرتے تھے، جس سے راہ رو اور آنے جانے والوں کو تکلیف ہوا کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس طرح کرنے سے سخت منع فرمایا، اور صفائی ستھرائی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ ہے ''نظفو أفنيتكم'' (ترمذی) تم اپنے گھر کے صحنوں کو صاف ستھرا رکھا کرو۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ ''ان اللہ نظيف يحب النظافة'' (مسند ابی یعلی) اللہ تعالیٰ صاف ستھرے ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

......زمانۂ جاہلیت کی دو برائیاں......

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

"اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَابِهِمْ كُفْرٌ، أَلطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ"۔

(أخرجه مسلم: كتاب الايمان، باب على الطعن في النسب والنياحة)

ترجمۂ حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جن کی وجہ سے وہ کفر میں مبتلا ہیں:

(۱) کسی کے نسب پر طعن کرنا (۲) میت پر نوحہ کرنا۔

ترجمۂ راوی:

حضرت ابوہریرہؓ اس روایت کے راوی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

ابوہریرہ بن عامر بن عبد ذی الشریف الظریف بن عتاب بن ابی صہیب الدوسی۔

آپ کے نام پر کنیت اس قدر غالب آئی کہ آپ کا نام اوراقِ تاریخ میں مخفی ہو کر رہ گیا۔

حاکم نے اپنی کتاب "المکنی" میں، ابن عبد البر مالکی نے "الاستیعاب" میں اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں تمام کو جمع کر دیا ہے۔

بعض حضرات نے جن میں امام خزرجی انصاری بھی ہیں، ان کا قبل از اسلام نام، عبد شمس اور بعد از اسلام نام عبد الرحمٰن بن صخر دوسی بتلایا ہے۔

ابوہریرہؓ بڑی عظمت شان کے صحابی ہیں، اور گروہ صحابہ میں سب سے زیادہ

حافظ روایات صحابی ہیں۔ آپ جنگ خیبر کے سال ۷ھ میں اسلام لائے، مگر صحبت رسول کی برکت سے، بل کہ مداومت صحبت رسول کے صدقہ، آپ زہد وتقوی، فقر واستغنا اور دنیا سے ترک تعلق میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔

امام بخاری کی تحقیق کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ سے ۸۰۰/ سے زائد صحابہ اور تابعین نے اکتساب فیض کیا ہے۔

تعداد روایات:

دنیائے حدیث میں آپ کی مرویات ۵۳۷۴/ ہیں۔ جن میں ۳۲۵/ مرویات متفق علیہ ۷۹/ میں بخاری منفرد ۹۳/ روایات ایسی ہیں جن میں امام مسلم منفرد ہیں۔

حضرت شاہ اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ جو اسعد تخلص رکھتے تھے، حضرت باندویؒ کے پیر ومرشد تھے، انہوں نے آسانی اور سہولت کی خاطر تعداد روایات ابو ہریرہؓ کو ایک شعر میں جمع فرمایا ہے:

کن روایت بو ہریرہؓ را شمار   پنج الف وسہ صد وہفتاد وچار

وفات:

آپ کی وفات ۵۹ھ میں ۷۸/ سال کی عمر میں ہوئی۔

(الاصابہ، تذکرۃ الحفاظ، الاکمال فی اسماء الرجال)

حل مفردات:

أَلطَّعْنُ: مصدر از فتح، معنی: طنز، نقد واعتراض، عیب جوئی۔

اَلأَنْسَابُ: نسب کی جمع ہے، باپ کی طرف سے رشتہ کو نسب کہتے ہیں۔

اَلنِّيَاحَةُ: مصدر از بابِ نصر، مردہ پر واویلا کرنا، ماتم کرنا۔ ”رفع الصوت بالبكاء على الأموات، يقال: ناحت المرأة على الميت“۔

اَلْمَیِّت: جمع اموات، موتیٰ مردہ آدمی۔

حاصل حدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت کی دو عاداتِ قبیحہ سے امت کو روکا ہے، ایک طعن فی الانساب، یعنی کسی کے نسب پر طعنہ زنی کرنا، اور دوسری جاہلانہ رسم ہے، یعنی کسی کے مرنے پر واویلا اور ماتم کرنا کیوں کہ پہلی میں کسی کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنا ہے، تو دوسری میں اللہ کے فیصلے پر عدمِ رضا۔

فوائد حدیث:

(۱) نسبت میں طعنہ زنی اور میت پر ماتم کرنا، اتنا قبیح ہے کہ ان دونوں عمل کو کفریہ طریقہ اور جاہلیت کے طور وطریق سے تعبیر کیا گیا۔

(۲) لوگ اپنے انساب پر مطمئن ہوتے ہیں، اس لیے اس میں طعنہ زنی جائز نہیں۔

(۳) اس سلسلہ میں لوگ بہت کوتاہی میں مبتلا ہیں، اس طرف خصوصی توجہ حدیث پاک میں دلائی گئی ہے۔

تقاریظ وتحاریض

مختلف کتابوں پر تحریر کیے گئے تأثرات حوصلہ افزائیاں اور انفعالات

تقاریظ وتحاریض

اللؤلؤوالمرجان فی لطائف القرآن

تصنیف مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفیؔ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار

ایک نادر تصنیف جس کا زمانہ منتظر تھا

استاذ محترم سراپا رحمت وشفقت، تفسیر جن کی طبیعت ثانیہ، اسم بامسمی حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھولیویؒ نے ایک مرتبہ جلالین کے سال غایت شفقت میں دریافت فرمایا کہ روزانہ کتنی مقدار میں تلاوت کرلیتے ہو تو کہا کہ ہر نماز سے پہلے تقریباً پانچ رکوع یعنی یومیہ سوا پارہ۔ فرمایا کہ عربی کے منتہی طلباء جب تلاوت کریں تو مقدار تلاوت کم مگر کیفیتِ تلاوت میں فرق ہو یعنی حفظ وعالمیت کے طلباء کے درمیان تلاوت میں کیفاً فرق ہونا چاہیے، یہ بات اس وقت طالبعلمانہ نیازمندی کے ساتھ سن لی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ حضرت سراپا ابرار کے کلام کا منشاء کیا ہے؟ لیکن جب رسمی طالب علمی سے نکل کر تدریس کی دہلیز پر قدم رکھا تو محسوس ہونے لگا کہ سراپا تجربہ کار کا ایک جملہ زندگی کے سینکڑوں مراحل کا خلاصہ ہوتا ہے اور جب اپنی محبوب درس گاہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا میں قرآن کے نظم ومعانی کی خدمت کا موقع فراہم ہوا بالخصوص درس تفسیر جلالین اور مسابقات جو جامعہ کا ایک وسیع علمی میدان ہے اس کی ایک فرع ترجمہ قرآن ہوتی ہے اس میں آیاتِ کریمہ کی مراد، پس منظر اور تفسیراتِ قرآنی کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ملحوظ ہوتی ہیں کہ مضمون واحد کو مقامات مختلفہ میں جداگانہ پیرایہ میں ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے اور ایک سیاق میں ایک لفظ چند جگہوں پر مستعمل ہوا ہے لیکن ایک جگہ بصیغہ جمع ہے تو دوسرے مقام پر واحد اس اسلوب میں کیا بلیغ نکتہ ہے، ہم معنی بل کہ ہم نظم آیات میں

کہیں کوئی لفظ مقدم ہے اور کہیں وہی لفظ مؤخر ہے اس تقدیم وتاخیر میں کیا لطیفہ ہے۔

یہ وہ علمی جواہر پارے ہیں جو کتب تفاسیر میں منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں ان قیمتی کتابوں کو پانے کی ہر ایک عام خاص میں سکت نہیں ہے یا یہ کہ ان سے خاطر خواہ استفادے کی صلاحیت نہیں ہے۔

ایسے وقت میں ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جوان امہات الکتب کا خلاصہ اور نچوڑ ہو، ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جو مدارس کو تفسیر کے طرز تدریس سے آشنا کرے ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جو مذکورہ قرآنی مسابقات میں مساہمین مسابقہ کی کامیابی کو یقینی بنائے، ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جس میں تفسیری نکات کو سوال و جواب کے انداز میں اٹھایا گیا ہو، ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جس میں علمی تحقیق و جستجو کے ساتھ خون جگر کی آمیزش بھی ہو، ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جس میں تسکین ذوق علمی کے ساتھ ساتھ دعوت عمل بھی ہو۔

الغرض ضرورت تھی ایک ایسی کتاب کی جس کا منتظر ہے ہر محقق عالم دین اور ہر کتب خانہ جو اپنی کتابوں سے علمی پیاسوں کی تشنگی کو دور کرنے کے لیے کمر بستہ ہو نیز ہر وہ طالب علم جو اپنے دامنِ مراد کو گوہرِ مقصود سے لبریز رکھنا چاہتا ہو، ہر وہ مبلغ ومقرر جو قرآن حکیم کو سمجھ کرامت کی رہبری کرنا چاہتا ہو۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جامعہ کے عظیم محدث حضرت مولانا علامہ ”محمد رضوان الدین صاحب المعروفی“ کو کہ جنہوں نے ایسی ہمہ گیر ہمہ جہتی کتاب تصنیف فرمائی جو صرف نقل عبارت وتعبیرات پر حاوی نہیں بل کہ فن تفسیر کے عمیق و وسیع سمندر کی غوطہ زنی کے بعد رحمٰن ورحیم کے لطف وکرم کے سایہ میں ہاتھ لگی ہے وہ ”لؤلؤ و مرجان“ ہے جو کسی کو عمرِ طویل اور جہد مسلسل کے بعد بھی بمشکل ہاتھ لگ جائے تو بسا غنیمت،

حضرت موصوف کی دنیائے تصنیف میں گو یہ پہلی تصنیف ہے؛ لیکن یہ ایک تصنیف کئی تصانیف پر بھاری اور وزنی ہے اور اس رؤیاء صادقہ کو جسے نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے اور جس کی بابت لسان پر صداقت صلی اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہے کہ ''الرویا الصالحة من الله '' یہ ایسی صحیح روایت ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صفحاتِ صحیح میں جگہ دی ہے، جس کی تعبیر میں ابن سیرین کو امامت کا درجہ ملا، اس کو لغو اور حدیثِ نفس کے زمرے میں شامل نہ کیا جائے۔

اگر ایسا ہے تو مجھے لکھنے دیجئے کہ آپ کی زیرِ مطالعہ تصنیف میں توفیق الٰہی و خوشنودیٔ مولیٰ کے ساتھ ساتھ ایسے مبشرات کی تائید بھی حاصل ہے جو کتاب کی مقبولیت میں چار چاند لگا سکتی ہے تصنیف کے ابتدائی ایام میں مصنف کو من جانب اللہ یہ دکھایا جاتا ہے کہ ''مشکلات القرآن'' کے مصنف محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ ایک جگہ اپنے پروانوں کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں کہ اتنے میں ایک تصنیف لطیف (مراد یہی زیرِ نظر کتاب ہے) کا ذکر چھڑ گیا تو راقم آثم نادم کو ترجمان بناتے ہوئے علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ مولانا رضوان الدین صاحب سے کہہ دو کہ جس کام کو شروع کیا ہے اس کام کو ضرور مکمل کریں۔

خواب کی تعبیر ہر معبّر اپنے ذوق اور فن سے جو نکالنا چاہے نکالے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ایک محقق عالم بل کہ راکب علی العلم کی روح اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے علمی جامہ پہنانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔

اس سے آگے بڑھئے تو دورانِ تصنیف مصنف کو ایک اور بشریٰ سارّہ سے بھی مشرف ہونے کا شرف ملا کہ مفسر قرآن مفتی پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ایک چارپائی پر جلوہ افروز ہیں اور جناب مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ صاحب ''تکملۂ فتح

الملھم و درسِ ترمذی و علوم القرآن ''آپ کے بازو دبا رہے ہیں، وہیں جہت یمین میں مؤلف محترم کو بھی مفسر قرآن کے بازو دبانے کا موقع مل رہا ہے۔

یہ مبشرات اگرچہ حجت قطعیہ نہیں مگر ان کے مؤیدہ ہونے میں تو کوئی کلام نہیں بہر حال یہ کتاب ایسی ہے جس کو ہمہ قسمی تائید، تائید غیبی اور تائید مبشراتی حاصل ہے جس کے حق میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تصنیف لطیف کو محبت کی نگاہوں سے پڑھا جائے عقیدت کے ہاتھوں سے لیا جائے اور مصنف کے اساتذہ، والدین، معاونین کے حق میں دعا دی جائے کہ اللہ پاک اس کتاب کو ان سب کے لیے فلاح دارین اور سعادت دارین کا ذریعہ بنائے اور راقم الحروف کو تغیر یسیر کے ساتھ اس شعر کا مصداق بنائے۔

احب المخلصین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی خلوصًا

......قرآن کریم کی آیات مشکلہ اوران کا حل......

تصنیف مولانا محمد عرفان آنندی سعادتی مظاہری

استاذ: جامعہ حمیدیہ پانولی، بھروچ، گجرات

یہ بات مسلم الثبوت واظہر من الشمس ہے کہ قرآن مقدس روئے زمین پر خدائے ذوالجلال والاکرام کی وہ نعمت گراں مایہ ہے، جو منبع رشدوہدایت بھی، کتاب لاثانی اور کتاب موعظت وتذکیر بھی، نسخہ شفاء بھی، اسی طرح بلاغت وفصاحت میں معجز بھی ایسی، اسی لئے تو کسی نے کہہ دیا کہ ''لاتنقضی عجائبه '' اوراہم ترین بات یہ ہے کہ بعد النزول قیامت تک ہر طرح کی تغلیط وتحریف سے محفوظ، کیوں کہ خداوند کریم و رحیم نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے ''انـا نـحن نزّلناالذکر وانا له لحفظون ''اس لئے ہر مسلمان کے لئے عموماً، اوراہل علم کے لئے خصوصاً یہ بات باعث افتخار ہے بل کہ باعث صداعجاز ہے، کہ اپنی لمحات حیات کا کچھ حصہ اشتغال بالقرآن میں لگ جائے اسی وجہ سے اہل دانش، عاقبت اندیش وابستگی قرآن کو سب سے بڑی سعادت، اوراعراض عن القرآن کو سب سے بڑی محرومی اور شقاوت تصور کرتے ہیں، اسی بناپر زمانے کے جبال العلم عبقری شخصیات نے اپنی محنت کا میدان کتاب مقدس اور کتاب لاریب کو بنایا ہے، چناں چہ کسی نے بیان وبدیع کو تو کسی نے تمثیلات قرآنی کو تو کسی نے عجائبات قرآنی کو، کسی نے تجوید الحروف کو، کسی نے قصص القرآن کو، کسی نے ارض القرآن کو تو کسی نے حیوانات قرآنی کو اپنا موضوع بنایا۔

ہر دوراور ہر زمانہ کے مطابق کسی نے ادبی تعبیرات کے ذریعہ، کسی نے سادہ اور عام فہم انداز میں، کسی نے معروفی اسلوب میں تو کسی نے منطقی انداز میں اپنی اپنی کاوش و مجہودات کو پیش کیا اللہ پاک ہمارے ان تمام متقدمین ومتاخرین مصنفین کو دارین میں

اجر جزیل وجمیل عطا فرمائے، اور ہم کو ان کے مخلصانہ نقوش قدم پر چلنے کا حوصلہ نصیب فرمائے۔

ہم سب پس رو جب بھی میدان تصنیف وتدریس یا میدان تقریظ وتحریر میں قدم رکھیں تو یہ نکتہ اور جزئیہ کبھی دل ودماغ سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے کہ ہم دو لفظ بولنے اور لکھنے کی سکت اور جرأت نہیں کرسکتے تھے جب تک کہ یہ ہمارے اسلاف ذی مرتبت ہم کو اس شاہراہ علمی پر نہ ڈالتے، اس لئے یہ سب ان ہی کی کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے۔

بہر حال زیر نظر مفید اور کارآمد تصنیف بنام **"قرآن کریم کی آیات مشکلہ اوران کاحل"** جن کے مصنف ومرتب عزیزم مولانا محمد عرفان آنندی سعادتی مظاہری ہیں، جن کی پرورش صبر آزما حالات میں ہوئی، لیکن خدا جسے رکھے اسے کون چکھے، قدرت نے دستگیری کی استاد محترم مردم ساز، مردم شناس شخصیت، ہر طرح کی بے غرضی وبے لوثی سے آراستہ برادر معظم حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہ نے باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا کا دوہرا فریضہ انجام دے کر مولانا موصوف کی اخلاقی، علمی، تحقیقی وہ تربیت کی کہ فراغت کے بعد بھی اس عزیز کو بے سہارا نہ چھوڑا، اور ہر طرح کی علمی تربیت فرمائی اور فرماتے رہتے ہیں، تقریباً گیارہ سال کی طویل مدت ایسی گذری کہ ہمارے علاقہ کی کثیر الخدمات دینی درسگاہ جامعہ حمیدیہ للبنات پانولی گجرات ہند سے تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں، ادارہ کے بانی قاری عبدالحمید صاحبؒ کے منظورِ نظر اور معتمد رہے ہیں اور ابھی بھی موجودہ منتظمین کے معتمد ہیں۔

بہر حال موصوف کی قلم گوہر بار سے معرض موجود میں آئی تصنیف کا انداز انوکھا اور البیلا ہے ناچیز کتاب نصف آخر کی زیارت تو نہ کرسکا مگر جزء اول جو سورہ فاتحہ سے لے کر سورۂ اسراء کے مشکلات پر متضمن ہے جس کا اندازہ دورِ حاضر کے مستفیدین کی

ذہنیت کے پیش نظر ''الاسئلة و الاجوبة'' کا ہے چناں چہ ۵۶۲؍سوالات وجوابات کا حسین گلدستہ ہیں جس کو راقم اثم نے بالاستیعاب نہ سہی لیکن جا بجا بغرض استفادہ مطالعہ کیا تو میری نظر میں جو خصوصیات کتاب اجاگر ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اسلوب نگارش نرالہ نہ طوالت مملہ نہ اختصار مخلہ۔

(۲) بسا اوقات ایک اعتراض کے کئی کئی جوابات دیے گئے ہیں۔

(۳) ماخذ ومصادر تفسیر کی امہات الکتب رہیں خواہ عربی ہوں یا اردو۔

(۴) الفاظِ مترادفہ کے الگ الگ معنی بیان کر کے دفع اشکال کا اہتمام کیا ہے۔

(۵) اگر آیاتِ مختلفہ میں ایک ہی طرح کا اشکال ہو تو جواب اول کا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۶) پہلے عربی عبارات کا التزام پھر اردو میں تفہیم کا اہتمام۔

(۷) صرف آیت کے اتنے ہی جز کا ذکر جس پر کوئی اشکال واعتراض ہوا ہو۔

(۸) ہر قسم کے اعتراض کا جواب خواہ نحوی، صرفی نکاتی لغوی۔

(۹) اگر عبارت عربی کتابوں کے حواشی سے ہو تو اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔

(۱۰) سب سے بڑی خوبی یہ کہ حوالجات اور توثیق بالا کا برکا اہتمام۔

بہر حال مجھے بہت خوشی اور مسرت ہے کہ ہمارے جواں سال، جواں جذبات عالم دین کے قلم سے ایسی سدا بہار کتاب جو کتبِ تفاسیر میں حسین اور ایک اہم ترین اضافہ ہے، اور کسی کہنے والے کے قول کی تعبیر ہے کہ ''نُزِلَ الْقُرْآنُ فِیْ الْعَرَبِ وَقُرِئَ فِیْ مِصْرَ وَكُتِبَ فِیْ التُّرْكِیَةِ وَحُفِظَ فِیْ الْجَزَائِرِ وَفُهِمَ فِیْ الْهِنْدِ''۔

خدا کرے کہ مصنف کی علمی کاوش برابر جاری رہے تحقیق اور تدقیق کا یہ مسافر کبھی تعب وتھکان کا شکار نہ ہو حوصلہ افزائی اور قدر دانی اس مخلص کی قدم بوسی کرتی رہے، ان کی یہ کتاب ان کے لیے والدین، اساتذہ، محسنین کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

......قرآنی سورتیں وآیات (فضائل کی روشنی میں)......

تصنیف مولانا عبدالغفار صاحب اشاعتی نانیگاؤں
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا نندوربار

کلامِ مقدس کلامِ باری تعالیٰ ہے، اس کتاب اللہ کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود حق جل مجدہٗ نے لی ہے، اس لیے لاتحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه و قرآنه (القیامة ۱۷) سے لے کر آج تک ہر دور، ہر زمانہ، ہر ملک میں بل کہ کائنات کے چپّہ چپّہ اور گوشہ گوشہ میں حفاظت قرآن کا نظم مختلف زاویہ سے ہوا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت ہوتا رہے گا، مکاتبِ قرآنیہ اور دینیات میں معصوم بچوں اور ان کے مخلص معلّمین کے ذریعہ، معاہد التحفیظ میں حفظ قرآن کے ذریعہ، شعبۂ عالمیت میں مفاہیم قرآن کے ذریعہ، شعبۂ تجوید میں ادائے قرآن کے ذریعہ، شعبۂ خطاطی نے نقوشِ حروف کے ذریعہ، قرآن پاک کی حفاظت میں سعادت مندانہ حصہ لیا ہے، جیسے جیسے دنیا ترقی کررہی ہے ویسے ویسے خدام قرآن بھی مختلف نقطۂ نگاہ سے خدمت قرآنی کا جوہر دکھلا رہے ہیں، قرآن مقدس سامانِ ہدایت بھی ہے سامانِ حفاظت بھی اور سامانِ موعظت بھی بل کہ شفاء لمافی الصدور بھی۔

چناں چہ جس نے قرآن کو جس اعتبار سے موضوع بنایا قرآن نے اُسی اعتبار سے اس کی رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن سراپا شفا بھی ہے اور اس کی ایک ایک آیت فضیلت ومنقبت سے لبریز ہے۔ لیکن نصوص میں اور بزرگوں کے اشتغال بالقرآن کی برکت سے مختلف کتابوں میں مختلف سورتوں کے فضائل اور خصائصِ آیات مذکور ہیں اور چوں کہ فضائل راغب الی الاعمال اور خواصِ آیات وظائف واوراد میں معین ومددگار ہوا کرتے ہیں، اسی لیے حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مرشد تھانویؒ نے بھی ''اعمال قرآنی''

نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح حصن حصین اور اللہ کے پیارے پیارے نام اور جامعہ اشرفیہ راندیر کے بانی ومہتمم کی کتاب وظائفِ اشرفیہ ان جیسی کتابیں ہمارے اکابرین و بزرگانِ ملت کے قلم گوہر بار سے وجود پذیر ہو چکی ہیں جو علامت ہے اس بات کی کہ اس طرح کی تصنیف کا متقدمین اور اسلاف میں بھی ذوق رہا ہے۔

ہمارے جامعہ اکل کوا کے ہونہار فاضل شعبۂ دینیات کے خاموش، محنتی اور بافیض استاذ جناب مولانا عبدالغفار صاحب اشاعتی نانیگاؤں نے بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر فضائل سُوَرِ قرآن، خصائص آیاتِ قرآن، نیز اعجاز وعجائباتِ قرآن اور معلوماتِ قرآنی وغیرہ مضامین پر بہت ہی قیمتی اور مفید مواد جمع کیا ہے، جو ان کے صاف وشفاف ذوق اور تعمیری وتعلیمی مزاج کا غماز ہے، اور اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح کی کتاب نو معرض وجود میں لانے کے لیے رئیس الجامعہ خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم جن کی ادعیہ میں ایک اہم دعا یہ ہوتی ہے کہ ”اے اللہ میرے سبھی فضلاء کو خدمت قرآن کے لیے قبول فرما کر ان کو خادم القرآن بنا“ نیز جس شعبۂ دینیات کے تحت یہ خدمت انجام دے رہے ہیں ان کے ذمہ داران اور مسئولین خصوصاً ماہر فی تعلیم القرآن، سرپرست ونگرانِ اعلیٰ شعبۂ دینیات استاذ محترم جناب قاری سلیمان صاحب اشرفی قاسمی رویدروی اور جناب مولانا سعید احمد بن مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کی صدارت کا بھی دخل ہے۔

اللہ پاک ہمارے اس ابھرتے، نکھرتے لہلہاتے فاضل کی اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کے اساتذہ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور والدین کے لیے ذریعۂ نجات بنا کر مقبول ومنظور فرمائے۔ آمین!

۴/صفر المظفر ۱۴۳۷ھ-م-۱۷/نومبر ۲۰۱۵ء بروز منگل

......رہبر متشابہات......

تصنیف:مولانا محمد عیاض صاحب اشاعتی لاڈ ساؤنگی
استاذ شعبۂ تحفیظ القرآن جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم،اکل کوا،نندور بار

بسم اللہ والحمدللہ والصلاۃ علیٰ رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البرو التقویٰ وقال ایضاًوان تعد وانعمت اللہ لاتحصوھا۔

اگر اللہ جل جلالہٗ کی قسم قسم کی نعمتوں کا سرسری استحضار بھی کرنے کی کوشش کی جائے تو ہم جیسے احسان فراموش اور بے حس قسم کے افراد اس کا ادراک نہیں کرسکتے تاہم اتنا اعتراف تو ہر دین دار فرد کو کرنا ہوگا کہ نعمت قرآن ایک ایسی نعمت ہے جو نہ صرف کتاب لاریب ہے بل کہ کتاب ہدایت بھی ہے، کتاب پُر تاثیر بھی اور کتاب شفاء بھی ہے اور اگر یہ تعبیر کریں کہ یہ کتاب دولت کونین بھی ہے تو بے جا نہ ہوگا،اس لیے کسی بھی فرد کے لیے اشتغال بالقرآن سب سے بڑی سعادت ہے اور اعراض عن القرآن سب سے بڑی شقاوت ہے حتی المقدور صحت لفظی کے ساتھ قرآن کو یاد کرنا، تلاوت کرنا اس کا سمجھنا اس پر عمل کرنا اس کی ہر نوع کی تبلیغ کرنا اور اس کی تعلیم وتسہیل کی فکر کرنا یہ بھی اشتغال بالقرآن کا ایک اہم حصہ ہے اور وابستگی قرآن ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی وجہ سے قوموں کو عروج وزوال نصیب ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے ”إنَّ اللّٰہَ یَرفَعُ بِھٰذاالکتابِ أقوامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ“ (مسلم) قرآن مقدس کے صدقہ قومیں پروان چڑھتی ہیں۔

بہرحال! ہر دور، ہر زمانہ میں ملت اسلامیہ کے مشتغلین بالقرآن نے قرآن پاک کے سلسلہ کی مختلف النوع خدمات انجام دیں، کسی نے معانی قرآن کی، کسی نے

الفاظ قرآن کی، کسی نے بلاغت قرآن کی تو کسی نے نحو قرآن کی، ایک باذوق طبقہ ایسا بھی ہر دور میں رہا ہے جس نے متشابہات الفاظ قرآنی (یعنی ایک جیسے قرآنی کلمات و آیات) کو اپنی محنت کا میدان بنایا، اس میں کسی نے سُوَرِ قرآن کی ترتیب اپنائی، کسی نے پارے کی ترتیب اختیار کی، کسی نے ابتدائی آیات کے اعتبار سے کام کیا۔

بہر حال اچھا کام جو کرے، جہاں کرے مفصل کرے کہ مختصر کرے وہ کام، کام ہے، اس کی قدر کرنا، حوصلہ افزائی کرنا، ہمت بڑھانا ہر مؤمن کا اخلاقی فریضہ ہے، بڑی خوشی اور انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ ہمارے جامعہ کے ہونہار، ہوشیار، خاموش مزاج، خوش کردار اور خوش اخلاق فاضل عزیزم مولانا محمد عیاض لاڈ ساونگی اشاعتی استاذ تحفیظ القرآن جامعہ اکل کوا نے ایک البیلی انوکھی کتاب متشابہات القرآن کے موضوع پر پاروں کی ترتیب سے مرتب کی ہے، اس کا مسودہ میں نے خود دیکھا، جامعہ کے کئی اساتذۂ حفظ نے خصوصاً جناب قاری نثار احمد صاحب کرالوی مظاہری نے اس کی تصویب وتحسین فرمائی ہے، موصوف جامعہ تحفیظ القرآن میں تقریباً ایک دہائی سے وابستہ ہیں، لگ بھگ پچاس طلبہ کو حافظ بنانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، ایسے تجربہ کار شخص نے اپنے طلبہ کی سہولتِ حفظ کے لیے کیا کچھ عرق ریزی نہ کی ہوگی۔

اللہ پاک سے دعاء ہے کہ اس کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ نصیب فرمائے، اس کتاب کو حفظ قرآن سے وابستہ ہونے والوں کے لیے رہبر راہ ثابت فرما کر کتاب کو ان کے والدین، اساتذہ، محسنین ومعاونین کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنا کر فلاح وکامیابی کا ضامن بنائے۔ آمین!

عبد الرحیم فلاحی

ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

……الخطب القرآنية……

تصنیف:مولانا قاری سید عارف الدین صاحب

صدر شعبۂ تجوید وقراءت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

الحمدلله رب العلمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين،امابعد!

اللہ جل شانہٗ نے انسان کو جہاں اشرف المخلوقات بنایا وہیں اس کے مزاج اور نفسیات میں یہ خوبی بھی ودیعت فرمائی کہ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے اسے قوتِ گویائی عطاء کی۔کسی نے انسان کی اس خوبی کو بتلاتے ہوئے کہا ہے:ومنح له النطق چناں چہ انسانوں میں بڑے بڑے ادباء،فصحاء،بلغاء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی گویائی اور حسن تعبیر کا لوہا منوایا،نیز انسان کبھی کسی قوم یا جماعت کے روبرو کسی تحریک کی ترجمانی یا اسلامی تعلیمات کی توضیح وتبیین کے لیے پرشکوہ الفاظ،پراثر تعبیرات،پرمغز مواد مرتب کرکے برسرمنبر ومحراب پیش کرتا ہے،اس کے اس اسلوبِ القاء کو خطبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے چناں چہ آقامدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک جمعہ کی مبارک ساعات میں نماز سے پہلے خطبہ دیا جاتا ہے،جس کا اہتمام ہر دور ہر زمانہ میں رہا ہے،ہمارے اکابر واسلاف میں سے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ''خُطَبِ شَهِيدُ ''اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ''خُطُبَاتُ الْاَحُكَامُ ''تلقی پاکر مقبول ہوچکے ہیں،ہمارے جامعہ کے رئیس حضرت مولانا کا یہ فکر کس قدر قابل تحسین ہے کہ انہوں نے امت میں ائمہ اور دعاۃ کے تیار کرنے کے لیے مستقل اساتذۂ تجوید کو متوجہ کیا اور بالخصوص شعبۂ تجوید کے صدر وسربراہ حضرت قاری صاحب کو متوجہ فرماتے رہے،کہ خطیب بناؤ امام بناؤ!چناں چہ اساتذۂ تجوید نے

بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی درس گاہوں میں ہر جمعرات کو خطبات یاد کرانے کا اہتمام کیا نیز جامعہ کی نگرانی میں کل ہند پیمانہ پر جو مسابقات ہوتے ہیں خطبہ کی فرع ان کا ایک اہم حصہ ہوتی ہے، اسے حسن اتفاق کہئے کہ امسال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قاری صاحب نے جامعہ کی عظیم مسجد ''مسجد میمنی'' میں خطبہ دیا جس سے طلبہ، اساتذہ، سامعین بہت ہی زیادہ محظوظ ہوئے تو ناچیز نے حضرت قاری صاحب سے بشدت تقاضہ کیا کہ کیوں نہ آپ خطبات عارفی کو مرتب فرمادیتے تاکہ پورے ہندوستان بالخصوص وابستگان جامعہ اس سے استفادہ کرتے، اللہ پاک قاری صاحب کو اجر جزیل نصیب فرمائے کہ انھوں نے بعجلت ِممکنہ تین خطبات تیار کر کے احقر کو عنایت فرمائے، جو ہندوستان بھر کی پچیس ریاستوں میں، طلباء حفظ کر کے پیش کریں گے۔

قطرہ قطرہ دریا شود کے بموجب قبلہ قاری صاحب نے ترتیبِ خطبات کا سلسلہ جاری رکھا، چناں چہ آج وہ ساعت مسعود بھی آ گئی کہ سولہ ایسے خطبات جو آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور تعبیرات انیقہ کا سنگم ہیں ''الخطب القرآنیہ'' کے پرکشش نام سے زیور طباعت سے آراستہ ہونے جا رہے ہیں، خطبات نہ صرف جمعہ کے خطبات کے طور پر طلباء کے لیے کارآمد ہوں گے، بل کہ مدارس اسلامیہ میں ''النادی العربی'' کے حفلات وحلقات ودیگر عربی کے پروگرام کے لیے بھی مفید ثابت ہوں گے، میں تمام قارئین سے بالعموم اور مدارس کے مسئولین سے بالخصوص مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ اگر مدارس میں نصاب تجوید کا ایک حصہ بنا کر ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ طلباء کو یاد کرنے کا مکلّف بنایا جائے، جیسا کہ ہمارے جامعہ میں یہ سلسلہ جاری ہے، تو بقول رئیس جامعہ ''امت مدارس کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوشاں ہے، ہم اچھے باکردار بااوصاف علماء، خطباء، ائمہ ودعاۃ کو پیش کر کے امت کی ضرورت پورا کریں، یہ ہم سب کی ذمہ داری

ہے“ نیز قاری صاحب سے ادباً التماس ہے کہ خدا کرے خطبات کی حسین بل کہ زرین کڑی، اس سلسلہ کی آخری کڑی نہ ہو، بل کہ خطبات قرآنیہ کی جلد پر جلد، وقت اور موقع کی مناسبت سے تیار ہوتی رہیں، اور وابستگان علم، خطبائے مساجد اور طلبائے مدارس آپ کے علوم باصفا سے فیض یاب ہوتے رہیں اور آپ کو نہ صرف مرتب خطبات ہونے کا بل کہ خطبہ ساز اور خطبہ گر بل کہ گرو ہونے کا متعدی ثواب ملتا رہے، جو درحقیقت آپ کے لیے، آپ کے والدین محترمین کے لیے، اساتذہ کے لیے بالخصوص رئیسِ جامعہ اور وابستگانِ جامعہ کے لیے نیک نامی اور فلاحِ دارین کا ذریعہ ثابت ہو۔

اللہ کرے یہ خطبات مقبولیت کے ہاتھوں لیے جائیں، محبت کی پلکوں سے پڑھے جائیں، اطاعت کے کانوں سنے جائیں، اور عرب وعجم میں تلقی پائیں۔

آمین یارب العالمین

......المواہب الالٰہیہ فی اصول الشاطبیۃ......

تصنیف: مولانا قاری سید عارف الدین صاحب
صدر شعبۂ تجوید وقراءت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

تأثراتِ قلبیہ بر مواہبِ الٰہیہ

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه و سلم " انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة منهاظهر و بطن ولکل حد مطلع "(شرح السنة)

حدیث مذکور جو دنیائے محدثین میں حدیث قرآءۃ القرآن علی سبعۃ احرف کے لقب سے ملقب ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جو اخلاق و عادات میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت و مماثلت رکھتے تھے، اس روایت کے راوی ہیں، حدیث پاک دو اجزاء کو متضمن و مشتمل ہے، اس کا جزء اول أنزل القرآن علی سبعةأحرف ہمارے مطمح نظر ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں سبعۃ احرف کے مصادیق کثیرہ ذکر کرتے ہوئے تقریباً چالیس اقوال پیش کئے ہیں، اور صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے مصداق سبعۃ احرف کو ذکر کرتے ہوئے اقوال سبعہ ذکر کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

پہلا قول : یہ ہے کہ قبائل عرب کی لغات سبعۃ مراد ہیں، یعنی: لغتِ قریش، لغتِ ہوازن، لغتِ ثقیف، لغتِ طی، لغتِ تمیم، لغتِ ہذیل اور لغتِ یمن۔

دوسرا قول: اختلافات سبعۃ مراد ہیں، اس میں پھر دو جہتیں ہیں:

پہلی جہت: اختلاف سبعة تلفظه: یعنی اظہار، ادغام، تفخیم، ترقیق، اخفاء، امالہ،

فتح، مد، قصر۔

دوسری جہت:

(۱) تقدیم وتاخیر کا اختلاف مراد ہے مثلاً: و جاء ت سکرة الموت بالحق۔

(۲) لفظ کے وجود وعدم کا اختلاف، جیسے: ان اللہ ھو الغنی الحمید۔

(۳) ایک لفظ کی دوسرے لفظ سے تبدیلی مع اختلاف معنی، جیسے طلح منضود، طلع منضود۔

(۴) ایک لفظ کی دوسرے لفظ سے تبدیلی مع اتحاد معنی، جیسے کالعھن المنفوش، کا لصوف المنفوش۔

(۵) مجرد ومزید فیہ کی تبدیلی با اعتبار ابواب، جیسے بعدبین اسفارنا، بعد بین اسفارنا۔

(۶) اختلاف مادہ، جیسے: کیف ننشزھا، کیف ننشرھا۔

(۷) اعراب کا اختلاف، جیسے: ھن اطھرلکم، ھن اطھرلکم۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ احرف سے مراد مضامین سبعہ ہیں، یعنی: عقائد، احکام، اخلاق، قصص و واقعات، امثال، وعدیں، وعیدیں۔

چوتھا قول: لفظ سبعۃ تحدید کے لیے نہیں، بلکہ تکثیر کے لیے، یعنی انزل القرآن علی معان کثیرہ۔

پانچواں قول: سبعۃ احرف سے مراد اقالیم سبعۃ ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن زمین کے ہر ہر حصہ پر رائج ہوگا۔

چھٹا قول: یہ حدیث از قبیل متشابہات ہے، جس کی مراد غیر واضح ہے، کیوں کہ کلام عرب میں معانی متعددہ میں مستعمل ہے۔

ساتواں قول: سبعۃ احرف سے قراءت سبعہ متواترہ مراد ہیں، اب معنی یہ ہوگا کہ

قرآن کا نزول سات قراءت متواترہ پر ہوا ہے۔

قـراء سبعه یه هیں: (۱)نافع مدنی۔(۲)ابن کثیر مکی۔(۳)ابوعمر بصری۔ (۴)ابن عامر شامی۔(۵)عاصم کوفی۔(۶)حمزہ کوفی۔(۷) کسائی کوفی۔

اگر کوئی یہ سوال کرنے کی کوشش کرے کہ قراءت کی تدوین تو دورِ تابعین میں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود کے بعد، تو پھر سبعۃ احرف کا مصداق قراءات سبعہ کس طرح ہوسکتی ہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایک ہے تدوین قراءت، اور ایک ہے وجود قراءت، وجود قراءت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے ہے، اگر چہ تدوین بعد میں ہوئی ہے، مدارس دینیہ میں ماشاء اللہ قراء اور مجودین کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت ہر دور میں طلباء کی ضرورت وسہولت کے پیش نظر مفید ترین کتابیں وجود پذیر ہوتی رہی ہیں، چناں چہ بعد میں آنے والا ہر محقق ومصنف فن کا مجدد ومرتب کہا جاسکتا ہے، لیکن کسی فن کا موجد کہنا ائمہ سابقین کی ایک گونا ناقدری ہے، چناں چہ چھٹی صدی کی عبقری شخصیت امام ابوالقاسم بن فیرّہ بن ابی القاسم بن خلف بن احمد رعینی شاطبی، متوفی ۵۳۸ھ جزیرہ اندلس کے قصبہ شاطبہ میں پیدا ہوئے، آپ نے علم قراءت ابوالحسن بن ہذیل سے حاصل کی، علامہ موصوف علم قراءت، تفسیر کے امام اور حافظ الحدیث تھے، علم تعبیر الرؤیا میں یدطولیٰ رکھتے تھے، مصنف کے زہد وتقویٰ کا اثر مصنف یعنی تصنیف میں پیدا ہوتا ہے، چناں چہ کتب قراءت میں شاطبیہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ خارج از بیان ہے، پھر ہر دور کے ماہرین نے اپنے اپنے اسلوب میں اس کی تشریح وتبیین کا بھی قابل قدر کارنامہ انجام دیا، کسی بھی کتاب کا شارح شراح متقدمین سے استفادہ کے بعد پڑھاتے تھے اس میں افہام وتفہیم کا ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے جو متأخرین کے لیے انسب بھی ہوتا ہے اور اسہل بھی

اور اوقع فی النفس بھی، اس لیے ترتیب وتدوین کا ذوق رکھنے والے باذوق علماء وقراء اپنے سابقین سے مستغنی ہوکر، اور اپنے اساتذہ سے بالاتر ہوکر کوئی کام نہیں کرتے، بل کہ سابقین کے فیض کو اپنے مجہودات سے سنگم کر کے اعلیٰ قسم کا کام انجام دیتے ہیں، جیسا کہ ہمارے محترم جناب قاری سید عارف الدین صاحب، جو ۲۶ ر سال سے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، علمی قابلیت اور تبحر کے ساتھ طویل مدت کا تجربہ یقیناً سونے پر سہاگہ کا مصداق ہوتا ہے، بہ قول انظر شاہ کشمیریؒ ''جب کوئی شخص کسی فن کو دس سال پڑھا لیتا ہے، تو اس فن میں اس کا قول معتبر ہوتا ہے'' اس اعتبار سے حضرت قاری صاحب جو دو دہائی سے اس فن کی خدمت کر رہے ہیں، یقیناً وہ اس فن کے معتبر شخص ہیں، قاری صاحب نے آغاز تدریس میں تجوید کے ساتھ بعض طلباء کو علم قراءت پر متوجہ کیا اور نجی اور خارجی طور پر پڑھانا شروع کیا، شاطبیہ جیسی دقیق کتاب خارج میں عصر بعد اور جب جیسے موقع فراہم ہوا، پڑھاتے رہے، شعبۂ تجوید کے اساتذہ جن میں جامعہ کے فضلاء کے علاوہ دیگر قراء جو سبعہ سے واقف نہیں تھے، انہیں بھی سبعہ پڑھائی، بل کہ ان اساتذہ کو سبعہ کے بعد ثلاثہ پڑھا کر عشرۂ صغیر مکمل کیا، پھر اس کے بعد عشرۂ کبیر میں نصف قرآن کا اجراء کروایا، جو کسی وجہ سے مکمل نہ ہوسکا، اس کے بعد حضرت رئیس محترم کے منشاء اور فرمان کے مطابق شاطبیہ کو داخل درس کیا گیا، جسے عربی پنجم کے ممتاز اور منتخب طلباء پڑھتے ہیں، ششم اور ہفتم دو سالوں میں نماز عصر و مغرب کے مابین اجرائے سبعہ مکمل کرنے پر فضیلت کے ساتھ سبعہ کی سند بھی انہیں دی جاتی ہے، یہ حسین اور زرین سلسلہ بیس سال سے تادمِ تحریر جاری وساری ہے، قراءات سبعہ سے اچھی تعداد میں طلباء فارغ ہو رہے ہیں الحمدللہ ۳۷۶ ر طلباء کو قراءت سبعہ کی شہادت سے نوازا گیا، قاری صاحب آج بھی شاطبیہ پڑھا رہے ہیں، سننے سنانے پڑھنے پڑھانے میں بہت

سے تجربہ ہوتے ہیں اور کچھ خاکے ذہن میں آتے ہیں کہ طلباء کو اگر اس اسلوب سے سمجھایا جائے تو اوقع فی النفس ہوگا، حتی الوسع استاذ تسہیل اور تیسیر کی کوشش کرتا ہے، چناں چہ اسی تسہیل کے پیشِ نظر قاری صاحب نے آج سے چار سال قبل شاطبیہ کے اصولوں کا اشعارِ شاطبیہ ہی سے استخراج کیا، اور ہر اصول کو عبارتِ شاطبیہ سے مستشہد کیا، مگر کمال اس میں یہ ہے کہ جو اصول، شاطبیہ کے جس شعر کے جس حصہ سے مستخرج ہوا، اتنا ہی حصہ استشہاد میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، استخراجِ اصول کی دو ترتیب رہی، ایک باعتبار ابوبِ شاطبیہ کے مشترک اصول لکھے گئے، اور دوسری ترتیب ابوابِ شاطبیہ کی مراعات کے ساتھ ساتھ، روات کی ترتیب سے بھی اصول وقواعد کو اسی انداز سے جمع کیا گیا، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طالب علم کو بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ شعر کے کس حصہ سے کون سا اصول نکلا ہے، خام مسودہ تیار کرنے کے بعد کچھ اقتباسات بوقت امتحان طلبہ کو دیئے گئے، محض تجربہ مقصود تھا کہ یہ تحریر کتنی مفید اور سہل ثابت ہوسکتی ہے، چناں چہ طلبہ نے اس اسلوب کو پسندیدہ نظروں سے دیکھ کر تقاضا کیا کہ اس کو منظرِ عام پر لایا جائے، پس وپیش ہوتا رہا، بہر حال یہ کتاب بنام ''المواہب الالہیۃ'' طلبائے جامعہ کے شدید تقاضہ کے تحت زیور طباعت سے آراستہ ہونے جارہی ہے، یہ کتاب اسم بامسمی ہے حقیقتاً مواہبِ الٰہیہ کا مظہر ہے، قاری صاحب کی محنت کتابی شکل میں آرہی ہے، مگر طلباء کی شکل میں بیس سال سے جاری ہے، جامعہ کے مختلف شاخوں میں آپ کے تلامذہ حفص شاطبیہ اور سبعہ پڑھا رہے ہیں جامعہ کے علاوہ بھی دور دراز کے صوبہ جات کے مختلف مدارس میں قراءت کی خدمت انجام دے کر مقبولیت حاصل کررہے ہیں، اللہ نظر بد سے بچائے، اور بے پناہ مقبولیت بخشے۔ ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

۱۴۳۳ھ مطابق م ۲۰۱۲ء

تقاریر ربانی، قرآن کی زبانی

تصنیف: مولانا اقبال احمد صاحب مکرانی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار

اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ، نے دنیا میں تخلیق انسانیت کے ساتھ ساتھ ہدایتِ انسانیت کے لیے جو اسباب فراہم فرمائے ہیں، ان خصوصیات کے ساتھ، کتاب اللہ اور رجال اللہ کا سلسلہ، حسین، مؤثر اور آسان بھی ہے، اور انسانیت کے لیے صحیح رہبری اور رہنمائی اسی سے ممکن بھی ہے۔

کتاب اللہ سے اصول وضوابطہ اور قوانینِ خداوندی کا علم ہوتا ہے تو رجال اللہ کے ذریعہ نمونہ اور مثال ملتی ہے، اسی لیے ہر دور اور ہر زمانہ میں سنت اللہ یہی رہی کہ ان دونوں واسطوں سے انسانیت کی رہنمائی کی جائے، بالخصوص امت محمدیہ کو قرآن کی شکل میں ایسی نعمت ملی، جو ہر گام، ہر مرحلہ پر انگلی پکڑ پکڑ کر اس کو نشانِ راہ بتلاتا ہے، نیز علماء ربّانیّین ومبلغین جو درحقیقت وارثین انبیاء ہیں، وہ وقتاً فوقتاً موقع بموقع ضوءِ قرآنی میں انسانی رہنمائی کا بہتر سے بہتر فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

چناں چہ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی اہم کڑی ہے جس میں جامع و مرتب نے ”اللہ کی کبریائی بزبان قرآنی، سیرت نبویہ بزبان آیاتِ قرآنیہ، عظمتِ قرآن بزبان خود، قرآن کے اولین مخاطبین کا مقام یعنی حضرات صحابہ قرآن کی نظر میں، جنت کی سیر وادیٔ قرآن میں، توبہ کی حقیقت، قیامت کی ہولناکی، موت کی حقیقت، آئینۂ قرآنی میں، تقویٰ، دوذخ کی خوفناکی اور قرآنی عکاسی، دعاء تقرب خدا کا ذریعہ“ جیسے

پرکشش، دل پذیر اور دل پسند انداز میں اور انوکھے اور البیلے اسلوب میں جمع کیا ہے جس کی افادیت ہر طبقہ خاص و عام مبتدی و منتہی کے لیے مفید ہی نہیں بل کہ مفید تر ہے۔

اگر کوئی عامی اس کو پڑھے تو قرآن کے مضامین سے لطف اندوز ہونے کا فراہم ہو، کوئی خاص طبقہ اس کو زیر مطالعہ رکھے تو ایک مضمون پر آیات بیک نظر آجائیں، اگر حافظِ قرآن پڑھے تو معانئ قرآن کا ذوق پیدا ہو، کوئی منتہی اور واعظ ایک نظر دیکھ لے تو مضامین کا ورود ہونے لگے، بہر حال یہ کتاب ہر نوعیت سے قابل استفادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے ہمارے نوجوان فاضل عزیزم مولوی ''اقبال احمد'' سلمہٗ مکرانی کو جنہوں نے جامعہ کے شعبۂ حفظ سے وابستہ ہو کر صرف اپنے آپ کو قرآن سے وابستہ نہیں کیا، بل کہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سوں کو وابستۂ قرآن کرنے کی بہترین سبیل نکالی ہے۔

اللہ پاک اس صالح نوجوان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کے حوصلے بلند سے بلند تر ہوتے رہیں اور قلم کا یہ مسافر کبھی تعب و تکان کا شکار نہ ہو، ان کے والدین، اساتذہ اور مشائخ کے لئے یہ کتاب ذخیرۂ آخرت بنے، اور خود مصنف کے لیے دارین میں ترقئ درجات کا ذریعہ بنے، خوب سے خوب تر کام مصنف سے ہوتے رہیں۔ آمین یارب العالمین!

(مولانا) عبدالرحیم فلاحی (صاحب)

۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۱/ اگست ۲۰۱۶ء

اسعادالقاری شرح بخاری

تصنیف: جامع المعقول والمنقول حضرت مفتی عبداللہ صاحب
بانی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، بھروچ، گجرات

عرضِ دست بستہ

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس (النحل ٤٤) إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحفظون (الحجر ٩) ما اٰتكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا۔ (الحشر ٧)

دین اسلام اور دولتِ ایمان ایسا گنج گراں مایہ ہے، جو ہر طبقۂ انسانی کے لیے سامانِ تسکین بھی ہے اور دارین کی فلاح وبہبودی کا ضامن بھی، نیز دینِ اسلام اور ہدایاتِ محمدی، اللہ رب العزت کا آخری اور سرمدی دین ہے، دینی احکامات وہدایات کے دو سرچشمے ہیں:

ایک کتاب اللہ......اور......دوسرا سنت رسول اللہ۔

پھر سرچشمۂ اول یعنی کتاب اللہ کے الفاظ ومعانی، حروف وکلمات اور حرکات و سکنات بل کہ نقطے وشوشے تک کی ایسی حفاظت ہوئی کہ آج تک کوئی تغیر وتبدل کی جرأت نہ کرسکا اور نہ کرسکے گا۔ (ان شاء اللہ)

اسی طرح سرچشمۂ ثانی یعنی سنتِ رسولؐ کی حفاظت، رجال رواۃ کے ذریعہ فرمائی اس لیے سنت کے لیے کبھی روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کی تقسیم وتعبیر کی جاتی ہے اور اس کے لیے علم اسماء الرجال مستقل فن کی حیثیت سے وجود پذیر ہوا، تو پھر معرفت رجال کے میزان وترازو کے لیے علم الجرح والتعدیل اور علم علل الحدیث نے بھی جنم لیا۔

بہر حال علم حدیث ایسا مقدس ومعتمد علم ہے کہ زمانہ کی نیرنگیاں، تبدیلیاں اور

ترقیاں چاہے بادی النظر میں کتنے عروج کو پہنچ جائیں، اور کہنے والے یوں کہنے لگیں کہ

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم

زمیں بدلی زماں بدلا، نہ بدلی خوئے دوست

بایں ہمہ سنت نبوی ایسا گنجینۂ ہدایت ہے جو محفوظ بھی ہے محیط بھی ہے اور مسکن بھی، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائے جلوت تو کجا ہر ہر ادائے خلوت بھی محفوظ ہے، حریم خانہ ماں عائشہ صدیقہؓ نے حالات مخصوصہ عارضہ میں انائے ماء (کے جس حصہ سے لب لگا کر پانی نوش فرمایا) سے لے کر نماز باجماعت میں رفع یدین الی الاذنین یا الی المنکبین، قراءۃ التسمیۃ سراً یا جہراً، آمین بالجہر یا بالسر، مکتوبات اور غیر مکتوبات کی کتنی رکعت میں قراءت ہے اور کتنی میں نہیں، ہر ادائے مشروع ومسنون ایسی محفوظ، غیر مخلوط بل کہ ہر نوع انسانی کے لیے محبوب، جس کو دیکھ کر ہر لب یہ گنگنانے کو چاہتا ہے کہ ؎

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

الغرض جس طرح قرآن مقدس ہر قسمی تغیرات سے محفوظ ہے اسی طرح احادیث نبویہ بھی تکوینی طور پر مضبوط ومستحکم، نظام غیبی کے سائے تلے ہے، دوسری طرف افراد امت نے مختلف زاویے سے حفاظت قرآنی کا اسباب کے درجہ میں اہتمام فرمایا ہے، اسی طرح عہد رسالت اور عہد صحابہ یعنی صدر اول میں عاشقین رسول عربیؐ نے حفاظت حدیث کے اولاً تین طریقے استعمال کیے: ۱) حفظ روایات۔ ۲) تعامل روایات۔ ۳) کتابت روایات۔

چناں چہ الصحیفۃ الصادقۃ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی احادیث کا ذخیرہ ہے، اسی طرح صحیفۂ علی، صحیفۂ عمرو بن حزم، صحیفۂ ابن عباس، صحیفۂ ابن مسعود، صحیفۂ سمرہ بن جندب، صحیفۂ ابوہریرہ وغیرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ایسے صحائف ونوشتے ہیں جو عہد نبوی میں حفاظتِ حدیث اور اہتمام حدیث

پر دال وغماز ہیں، پھر اس کے بعد حضرات تابعین اور ائمہ حدیث کے دور مسعود میں مزید اہتمام ہوا، چناں چہ امام دار الہجرت امام مالکؒ نے اپنے دور میں ذخیرۂ احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام والتزام فرمایا، جو مؤطا امام مالک کے نام سے موسوم ہوئی، جو صحیح بخاری سے قبل اصح الکتب کے مقام پر فائز تھی۔

پھر یہ علوم ممالک عرب سے عجم کو پہنچے، ائمہ عجم میں سے امیر المؤمنین فی الحدیث (امام بخاریؒ) نے بہت ہی تزک واہتمام بل کہ طہارت ورجوع الی اللہ کے ساتھ اپنی کتاب جوکہ ''الجامع المسندالصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ'' سے موسوم اور الصحیح البخاری سے معروف ہے جس سے دنیائے عرب وعجم نے استفادہ کیا، کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت امت استفادہ کرتی رہے گی۔

یہ کتاب ہر دور اور ہر زمانے میں محدثین کرام کا مرکز توجہ رہی ہے، اور کسی نے کل صحیح بخاری کو، کسی نے اجزائے صحیح بخاری کو، کسی نے اسناد صحیح بخاری کو تو کسی نے تراجم صحیح بخاری کو اپنا موضوع سخن بنا کر اس کتاب کی تسہیل، تبیین، تشریح اور توضیح کو اپنی سعادت سمجھا، چناں چہ ناقص مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صرف تراجم بخاری کے حل کے لیے ۱۰ر سے زائد، ثلاثیاتِ بخاری پر ۱۴ر سے زائد کتب، اسی طرح کسی نے حواشی بخاری تو کسی نے اختصار وتجرید بخاری کو تو کسی نے الفاظ غریبہ ومشکلہ کو تو بعض حضرات نے فقط ''قال بعض الناس'' کو اپنی محنت کا میدان بنایا۔

اعلام السنن، شرح ابن بطال، الکواکب الدراری، فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، فیض الباری، لامع الدراری غرضیکہ تقریباً ۲۱ر مختلف پہلوؤں سے ۲۱۴ر شروحات و تعلیقات اس کتاب کی عربی میں نیز دیگر زبانوں بالخصوص اردو میں تقریباً پچاسوں شروحات

اس کتاب کے لیے وجود پذیر ہو چکی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

نیز ہر دور اور زمانہ کے طلباء اور مستفیدین کی قوت اخذ، افہام وتفہیم کے تفاوت اور اعضاء وقویٰ کا لحاظ کر کے آج بھی اس کتاب کی تسہیل پر ہر خطہ اور علاقہ میں خاطر خواہ خدمت کی جارہی ہے، بالخصوص ہندوپاک میں مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی کی ''انعام الباری'' مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی ''کشف الباری'' مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی ''الخیر الجاری'' اور مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی ''تحفۃ القاری'' وغیرہ شروحات نے بھی اس ضرورت کو پورا کرنے کی سعی جمیل کی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

لیکن محدثِ عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ملفوظ کتنا پر کشش ہے کہ اگر کوئی دس سال تک تدریس کرتا ہے تو جس فن کی تدریس کی ہو تو اس فن میں اس کا قول معتبر اور سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجھے لکھنے دیجئے کہ صاحب افادات، حضرت الاستاذ علامۂ وقت، جامع المعقول والمنقول، اساتذہ کے معتمد ومنظور نظر، حضرت باندویؒ اور حضرت ہر دوئیؒ کے خلیفہ ومجاز، حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم کے علوم کے وارث، مردم ساز ومردم شناس شخصیت، جن کی تعلیمی زندگی ایسی، جس میں آپ کو کتابوں کا کیڑا کہا جاتا، تو جن کی تدریسی زندگی ایسی کہ طلباء کو علوم پلانے والا (ساقئ علوم) کہا جاتا۔ انہیں کی تدریسی زندگی کی ۴۱/ سالہ محنتوں کا نچوڑ، لب لباب، عصر عصیر ''اسعاد القاری شرح صحیح بخاری'' کے نام سے ماسبق میں تین جلدیں قبولیت عام وخاص حاصل کر چکی ہیں، اور اب جلد رابع بخاری شریف کتاب الایمان باب ۸/ سے ۲۱/ تک کے ابواب وروایات کی تشریح پر مشتمل ہے، جس میں صاحب افادات کی درسی قوت، حدیث کے تمام پہلو پر نظر، ہر جزء حدیث کو مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ پیش کرنے کا اہتمام، جو موصوف کا طبعی ذوق ہے؛ پر محیط ہے۔

ماقبل کی تین جلدوں میں فقیہ گجرات، محدث وقت حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری، حضرت شیخ زکریاؒ کے علوم کے وارث مولانا سید محمد عاقل صاحب صدرالمدرسین جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، صدر تخصص فی الحدیث، بحرالعلوم حضرت مولانا محمد نعمت اللہ صاحب اعظمی (معروفی) اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے استاذ خاص مولانا عبداللہ صاحب معروفی کا پرمغز مقدمہ اور صاحب افادات کے علوم کے امین مولانا روح الامین صاحب وغیرہ، شخصیات کی جامع ومانع تحریرات کے بعد ''مخمل کی چادر میں ٹاٹ کا پیوند'' کی ضرورت نہ تھی، لیکن صاحب زادگانِ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ بالخصوص عزیزم مولانا عبیداللہ اور عبیدالرحمٰن سلمہما کا مخلصانہ مطالبہ رہا تو اپنی سعادت سمجھ کر کتاب ہذا پر کسی طرح کا تبصرہ کرنے کے بجائے خصوصیات ''اسعادالقاری'' کو ادباً پیش کرتے ہوئے اپنے نوک قلم کو دائرۂ ادب میں رکھ کر کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔

تمام متقدمین شراح کی عظمت ورفعت اور مشقت وجدجہد بل کہ افادیت کا اعتراف اور ان کو سلام احترام کرتے ہوئے، عرض ہے کہ ''اسعادالقاری'' ایسی شرح ہے جو سیکڑوں شروحات کی ورق گردانی سے مستغنی کردے اور قاری کو سعادتِ فہمِ حدیث عطا فرما کر محدثین کے زمرہ میں شامل فرمادے، کیوں کہ اس کتاب کی کئی منفرد خصوصیات ہیں، مثلاً:

(۱) اس کتاب میں از اول تا آخر ربط ومناسبات بین الابواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) نیز اس شرح میں مقصد ترجمۂ بخاری کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

(۳) اس شرح میں وارد فی السند اشخاص ورجال کے تعارف کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، جو آج کل نایاب نہ سہی کم یاب ضرور ہے۔

(۴) اسی طرح ماعلم ضمناً کے طور پر سند واسناد، سند اصطلاحی، اہمیت سند کو بھی اٹھایا گیا ہے۔

(۵) لطائف سند جس کا اہتمام امام نوویؒ نے کیا ہے اس کے بعد اس شرح میں جا بجا لطائف سند کا لطف حاصل ہوتا ہے۔

(۶) مخارج روایت سے اس کتاب کے علاوہ یہ روایت کہاں کہاں کس مقصد کے لیے لائی گئی ہے اس کو بھی نکھارا گیا ہے۔

(۷) تعلیقات بخاری ومقصد تعلیقات سے بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

(۸) اعراب ووجوہ اعراب کی بحث کر کے طلباء کو علوم سابقہ کا اجراء بھی کرایا گیا ہے۔

(۹) تشبیہات وتمثیلات پر مشتمل روایات کو ممثل اور ممثل لہ، مشبہ ومشبہ بہ کے مابین تطبیق بھی دی گئی ہے۔

(۱۰) اگر ترجمۃ الباب پر کوئی اشکال واعتراض ہو رہا ہے تو اس کی توجیہات وتاویلات میں مختلف اکابرین نے جو الگ الگ توجیہات کی ہیں ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے مثلاً علامہ سندھی کی تقریر یہ ہے، علامہ کشمیریؒ کا یہ خیال ہے، ابن حجرؒ کی توجیہ اس طرح ہے، جب کہ علامہ عثمانی نے یہ تاویل کی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱) اگر کوئی عقیدہ پر مشتمل مسئلہ آ گیا تو اس کو مالہ وماعلیہ بیان کرنے کا اہتمام ہے مثلاً: مسئلہ عصمت انبیاء آیا تو عصمت کی توضیح کے بعد اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے اس پر فریق مخالف کا کیا نظریہ ہے ان کا کیا رد ہے، وغیرہ۔

(۱۲) حدیث پاک کی تشریح کے دوران جا بجا علوم بلاغت کی چاشنی بھی ملے گی۔

الغرض یہ شرح ''آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کا آئینہ دار ہے یا یہ کہ علوم وفنون کا بحر ناپیدا کنار کا مصداق ہے۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ صاحب افادات کو اللہ جل شانہ شفاء کلی عطا فرمائے اور آپ کے معاونین و مخلصین کو اللہ تعالیٰ مزید صحت و طاقت نصیب فرمائے، بالخصوص جامعِ کتاب مولانا مشتاق احمد بستوی کو ہمت وحوصلہ دے، نیز اس ''اسعاد القاری'' کو صاحب افادات کے لیے بالخصوص، ان کے تلامذہ اور مستفیدین کے لیے بالعموم اور والدین محترمین کے لیے اور حضرات اساتذہ کے لیے سعادت دارین وفلاح دارین کا ذریعہ بنائے، اور منبع علوم وفنون ''جامعہ مظہر سعادت'' سے ایسے علمی اور فنی سعادتوں کا ظہور تا قیام قیامت جاری رکھ کر مقبول ہو کر اس کے بانی و متعلقین ومعاونین کے حقوق میں نجات اخروی کا ذریعہ بنے۔ اللھم تقبل منا یارب العالمین

۳/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

۱۱/اپریل ۲۰۱۶ء بروز دوشنبہ

......افشاء السّلام یعنی سلام کی اہمیت......

تصنیف مولانا عبدالرّحمٰن صاحب ملّی ندوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

افشاء السلام وقت کی پکار

یہ بات سارے مسلمانوں کے لیے باعث شرف ہے کہ ان کے پالنہار، پروردگار کردگار نے انہیں پیدا کر کے شترِ بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا بل کہ زندگی کے ہر شعبے میں قدم قدم پہ ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک طرف تو قرآن مقدس کو مشعلِ راہ بتایا ”ھدی للناس “تو دوسری طرف حدیث پاک کو خضرِ راہ قرار دیا تا کہ ان دونوں کا تمسک پوری امتِ مسلمہ کے لیے ضلالت و گمراہی سے بچنے کی ضمانت ہو جائے۔

ارشادنبوی ہے کہ ”ترکت فیکم أمرین لن تضلو اماتمسکتم بھما، کتاب اللہ و سنۃ نبیہ“ (مؤطاامام مالک)

اطاعت الٰہی کے ساتھ ساتھ قرآن نے رسول کی اطاعت پر جا بجا زور دیا ہے، قرآن کہتا ہے: ”اطیعو االلہ و اطیعو االرسول “(النساء۵۹) اور کہیں قرآن نے یوں بھی مطالبہ کیا کہ ”ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا “(الحشر۷) مزید برآں قرآن نے اطاعت رسول کو اطاعت الٰہی سے تعبیر کیا ہے کہ ”من یطع الرسول فقداطاع اللہ“ (النساء۸۰)۔

حاصل یہ کہ سنتِ نبوی پر عمل درحقیقت اطاعت رسول کا عملی ثبوت ہے جو اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے جس خوش نصیب کو اتباع سنت کی توفیق میسر ہوئی اللہ کے فضل سے سعادت اسے سلام کرتی ہے۔

بالخصوص اس پرفتن دور میں تو سنت کے التزام پر جس اجر وثواب کا وعدہ ہے، کئی کئی شہادت کا مرتبہ بھی اس پر رشک کرتا ہے، حضور کا ارشاد ''من تمسك بسنتي عندفسادأمتي فله اجر مأةشهيد'' حدیث نبوی سے شغف خواہ کسی بھی طرح ہو بڑی سعادت کی بات ہے جو محض فضل الٰہی سے حاصل ہوتی ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اور ہاں اشتغال بالحدیث کے زرّین وحسین سلسلہ کی ایک اہم کڑی، اشتغال بالاربعین بھی ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے کتاب العلم فصل ثالث میں بحوالۂ بیہقی یہ روایت مذکور ہے کہ: عن أبي الدرداء رضي الله تعالیٰ عنه قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم ماحدالعلم الذى إذابلغه الرجل كان فقيهافقال رسول الله صلى الله عليه و سلم من حفظ على أمتي أربعين حديثاً فى أمردينهابعثه الله فقيها كنت له يوم القيامة شافعا و شهيدا (مشکوٰۃ) روایت سے اشتغال بالاربعین کی فضیلت پر کافی وافی روشنی پڑتی ہے۔

آج غیروں کی نہیں بلکہ اپنوں کی جدت پسندی کے مزاج نے ہمارے جن اسلامی شعار کو پامال کیا ہے ان میں آداب معاشرات کے ساتھ ساتھ آداب ملاقات بھی سب سے زیادہ پامال ہوئے ہیں کہ عند اللقاء ''سلام'' کا اسلامی طریقہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی تقلید میں غیر اسلامی طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے، جو اتباعِ سنت کی بیش بہا سعادت سے بڑی محرومی کا باعث ہے۔

ضرورت تھی اور وقت کی پکار تھی ہم کو اور اسلامی معاشرے کو غفلت سے بیدار کیا جائے اور اسلامی شعار کا فخر کے ساتھ احیاء کیا جائے آپ کے ہاتھوں کا حسین گلدستہ جو ''افشاء السلام'' کے پرکشش نام سے موسوم وقت کی آواز اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے جس میں سلام سے متعلق چالیس احادیث کی اس انداز میں تشریح کی گئی ہے

جس میں جہاں ایک طرف اس عظیم سنت کو زندہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہیں حفظ اربعین کی شکل میں شفاعت کی بشارت کے حصول کا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے، عوام کے لیے سرمہ نظر ہے تو خواص کے لئے خصوصاً ''ریاض الصالحین'' کے طلباء کے لئے تو نور نظر اور دعوت ذوق علمی وعملی ہے خدا اجرِ جزیل وجمیل عطاء فرمائے کہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے استاذ ادب مدیر مجلّہ ''النور'' برادرم جناب مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی، جن کی عربی انشاء پردازی مسلم ہی نہیں بل کہ مقبول بھی ہے صفحات مجلّہ ''النور'' اس پر شاہد عدل ہیں۔

ماشاءاللہ اردو ادب کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں، زیرِ نظر کتاب انہیں کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے؛ ایک اسلامی موضوع پر اہم شاہکار پیش فرمار ہے ہیں، جو ''سلام'' سے متعلق چالیس احادیث مع تحقیقِ لغات، احوال رواۃ، سلیس ترجمہ اور پرکشش تشریحات سے مزین ہے۔

اللہ پاک مصنف کو برکتِ علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے، اس کتاب کو صاحب کتاب اور ان کے والدین، اساتذہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، خدا کرے ان کا یہ قلمی تخیّل ناظرین وقارئین کے لیے عملی تخیّل کا ذریعہ بنے، یہ گلدستۂ سلام سلامتی کے ہاتھوں لیا جائے، محبت کی نظروں پڑھا جائے۔ آمین

رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

مطابق: نومبر ۱۹۹۸ء

7

الاربعین للطالبین

تصنیف مولانا عبد الرحمن صاحب رویدروی اشرفی
استاذ حدیث وتفسیر وفقہ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ، گجرات

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اپنی شان کریمی ورحیمی کے صدقے ہدایت انسانی اور حفاظت ہدایت انسانی کی خاطر جو حسین وزریں سلسلے قائم وجاری فرمائے ہیں ان میں دو سلسلے بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں ایک سلسلہ کتاب اللہ کا اور دوسرا سلسلہ رجال اللہ کا ہے۔ کتاب اللہ کے ذریعہ اصول حیات، دستور حیات، قوانین وضوابط حیات اور آج کی ٹکسالی تعبیر اختیار کی جائے تو یہ کہا جائے کہ قرآن سے زندگی گذرانے کی تھیوری کا پتہ چلتا ہے، دوسری طرف رجال اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ اور رضائے الٰہی کے حصول کے جذبہ سے سرشار ہو کر انسانیت کو ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں لانے کے لیے جہد مسلسل، سعی پیہم اور مجاہدات شاقہ برداشت کر کے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ حیات پیش کرتے ہیں جس کو آج کی جدید تعبیر میں پریکٹیکل کہا جاتا ہے، بہر حال انسانیت کی رہبری کے لیے کتاب وسنت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب اللہ کے ذریعہ منشائے الٰہی کا پتہ چلتا ہے تو احادیث مبارکہ کے ذریعہ منشائے خداوندی کو پورا کرنے کا صحیح راستہ معلوم ہوتا ہے، اسی لیے اشتغال بالقرآن سعادت ابدی کا ضامن ہے اور اشتغال بالحدیث تسکین وطمانینت اور انبساط وتروتازگی کا سامان، کتنا سچا اور پکا فرمان رہبر کامل آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے "نضر الله امرأ سمع مقالتی فحفظها وأداها كما سمعها" (مسند البزار)

یعنی جو کوئی اشتغال بالسنۃ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی دائمی تروتازگی کے ساتھ ساتھ اس کے فیض کو جاری فرما کر اسے حیات جاودانی نصیب فرماتے ہیں۔

نیز جو سعادت مند، نیک بخت حفاظت سنت کو اپنا نصب العین بناتا ہے وہ اللہ کی طرف سے محبوبیت صلحاء، رعب ودبدبہ بین الفجار، وسعت رزق اور استحکام فی الدین کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، ارشاد نبوی ہے کہ ''من حفظ سنتی فقد استکمله الله باربع خصال المحبة فی قلوب البرره و الهیبة فی قلوب الفجرةو السعة فی الرزق و الثقة فی الدین '' (تفسیر حقی)۔

اور اگر یہ خدمتِ حدیث کسی کو اس دور میں نصیب ہو جائے جو دورِ مغربیت سے متأثر ہو کر ایسا تردد اور کشمکش کا شکار ہو جس میں ہر آدمی ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹاتا ہے، جیسا کہ کسی نے عکاسی کی ہے کہ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کیساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ایسے پرفتن اور پرآشوب بل کہ لادینیت ولامذہبیت کے دور میں خدمت حدیث کی توفیق مل جانا سونے پہ سہاگہ ہی نہیں بل کہ نور علیٰ نور کا مصداق ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر صرف مرتبۂ شہادت ہی نہیں ایک سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق بناتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ ''من تمسك بسنتی عندفسادامتی فله اجر مأةشهید'' (مشکوۃ)

بہر حال زیر نظر کتاب بنام ''الاربعین للطالبین الصادقین'' پرکشش وپربہار عنوان کے ساتھ برادر صغیر استاذ ہر دل عزیز جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب اشرفی کی کدوکاوش وسعی پیہم کا نتیجہ ہے، جس کا موضوع اتنا پرکشش کہ اس کی وجہ سے انسان شفاعت نبوی کا مستحق بنتا ہے، اس کی ترتیب اتنی مفید کہ اگر مدارس دینیہ کے طلبہ کو سبقاً سبقاً پڑھایا جائے تو صالحیت وصلاحیت کا دوہرا فائدہ نصیب ہو، اور عوام میں مذاکرات

کے درمیان سنائی جائے تو دلوں کی زمین میں دینداری کے سبزے اگنے لگیں، اور ائمۂ مساجد اپنی تقریر و وعظ کی مجلسوں کے لیے اس کو مرکز توجہ بنائیں تو مواد خطابت فراہم ہو۔

بہر حال کتاب ہر شش جہت مفید تر ہے۔ حضرت مولانا موصوف کی اس قابل قدر کاوش کو پیر طریقت حضرت خانپوری دامت برکاتہم، محدث گجرات حضرت مفتی عبداللہ زید مجدہٗ، اور استاذ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند مولانا محمد علی بجنوری، استاذ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ حضرت مفتی روح الامین صاحب، نوجوان عالم دین حضرت مولانا مجتبیٰ صاحب وغیرہ معتبر اور علمی شخصیات کی تائید و توثیق حاصل ہو جانے کے بعد زیر نظر تحریر (جو مخمل کی چادر میں ٹاٹ کا پیوند کے مصداق ہے) کی ہرگز ضرورت نہ تھی، لیکن بھائی جان کی مخلصانہ طلب اور اصرار کے نتیجہ میں ہمدردی اور محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر لکھنے کی جرأت کی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ عکس اول کی طرح عکس ثانی کو بھی مقبول عام و خاص بنائے اور یہ کتاب جملہ متعلقین و متوسلین احباب و اصدقاء کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، بالخصوص ہم سب کے مربی جن کی آغوش تربیت میں رہ کر مصنف کتاب اور راقم الحروف کے علاوہ کتنوں نے پڑھنا، بولنا، لکھنا، سمجھنا اور سمجھانا سیکھا ہے، جس سے میری مراد حضرت جامع المعقول والمنقول مفتی عبداللہ صاحب مظاہری ہیں، خدا انہیں سلامت رکھے عافیت عطا فرمائے اور ان کے چشمۂ فیض کو جاری رکھے۔

اللہ تعالیٰ مصنف کتاب کو عمر نوح نصیب فرمائے، یہ کتاب محبت کے ہاتھوں لی جائے عقیدت کی آنکھوں پڑھی جائے اور جذبۂ عمل ہر مؤمن کے دل میں اجاگر کرتی چلی جائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ مطابق اپریل ۲۰۱۴ء

......منہاج الصالحین......

تصنیف: حضرت مولانا محمّد مجتبیٰ صاحب

شیخ الحدیث دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور

فخر موجودات، افضل کائنات، جامع کمالات، محبوب رب مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اپنے اندر کیسی معنویت وجامعیت سموئے ہوئے ہے کہ انما الاعمال بالنیات (بخاری) اس کلام با معنی کے پیش نظر حسن نیت اور جذبہ رضاء الٰہی سے جو کام سر انجام دیا جائے وہ شرف قبولیت پا کر کامل ومکمل اجر کثیر کا موجب ہوتا ہے، خواہ وہ عمل، افعال واحوال کے قبیل سے ہو یا تحریر وتقریر کے اسلوب میں ہو، چاہے علوم آلیہ سے متعلق ہو یا علوم عالیہ سے، مقصود ہو یا وسیلۂ مقصود، حسنِ نیت جہاں، عبادت کو اعلیٰ ترین اور مقصود سے قریب ترین کر دیتا ہے، وہیں عادت کو عبادت سے تبدیل کر دیتا ہے، چنانچہ مؤمن سے مؤمن کی ملاقات طلاقت وجہ سے کرنا، بیوی کے منہ میں لقمہ دینا، بیمار کی عیادت کرنا گم گشتۂ راہ کی رہنمائی کرنا یہ سب وہ عادات ہیں جو حسنِ نیت سے عبادت بن جاتے ہیں۔

انبیاء کرام کی مقدس جماعت میں نبی اُمی آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی یہ طرۂ امتیاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادائے دل نواز کی حفاظت کا غیبی نظم اللہ پاک اس طرح فرماتے ہیں کہ جب جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ادا سامنے آئی تو سننے والا یہ کہے بغیر نہیں رہ سکا کہ

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ ہیں بے تاب دل ایک

من جملہ ادائے محبوب اور اقوال محمود کے ایک قول وارشاد، حفاظت اربعین پر بروز قیامت علماء وفقہاء کے ساتھ اٹھائے جانے سے متعلق بھی ہے، اس ارشاد اور فرمان کو امت مسلمہ میں ایسی تلقی نصیب ہوئی کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں صرف اس ایک حدیث پاک کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے علماء باتمکین نے اربعینات جمع کرنے کا اتنا اہتمام کیا کہ محققین کی تحقیق کے مطابق تقریباً ایک سو چوبیس اربعینات اب تک وجود پذیر ہو چکی ہیں، اور گلشن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باذوق خوشہ چینوں میں یہ پاکیزہ ذوق دن بدن پروان چڑھتا جارہا ہے۔

زیرِ نظر اربعینات جو ''چالیس نبوی کرنیں'' کے نام سے موسوم ہے ایسی کارآمد اور جامع احادیث کا انتخاب ہے، کہ جس کی ایک ایک کرن دل ودماغ کی تاریکی کو ختم کرنے کے لئے نسخۂ اکسیر ہے، جس میں غافلوں کے لئے حمد وذکر کی ترغیب بھی ہے، مخلوق سے ہمدردی حسن ظن اور صدقہ وخیرات کی تلقین بھی، حسنِ اخلاق، حسنِ تربیت کی تعلیم بھی، بداخلاقی، کبر، شماتت، چغلی، عاردلانے کی مذمت بھی، نرم خوئی، توکل واتحاد اور پاکیزگی کا اہتمام بھی، نماز فجر کی عظمت، روزے کی فضیلت، حج کی اہمیت، کسب حلال اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ ایسے دل چسپ مضامین پر مشتمل ہے، کہ مرتب کے حسن انتخاب پر یہ شعر زبانِ قلم پر رقص کررہا ہے ؎

کوئی خدا سے عیش مانگے میں کروں گا غم طلب

وہ ہے ان کا انتخاب، یہ ہے میرا انتخاب

درحقیقت یہ چہل حدیث اپنے اندر ایک کشش، البیلاپن اور انوکھاپن لیے ہوئے ہے، جو درحقیقت دریا بکوزہ کا مصداق ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ اس کے مؤلف اور مرتب مولانا مجتبیٰ سعادتی جامعہ مظہر سعادت کے ان سعادت مند فرزندوں میں سے

ہیں جنھوں نے وہاں کی علمی فضاء میں اپنے آپ کو پروان چڑھایا پھر مظاہر علوم جا کر تکمیل فرمائی اور فراغت کے فوراً بعد سے اب تک مرتبہ تکمیل بخاری شریف کی سعادت بھی نصیب ہوئی، اس نوعمری میں ان کی یہ بہت بڑی سعادت ہے، اللہ تعالیٰ عمر بھر ایسی سعادت سے بہرہ ور فرماتے رہیں اور علمی میدان میں مزید سے مزید ترقی ہوتی رہے، اس کتاب کی ایک خصوصیت اس کا مقدمہ بھی ہے، جو نہ صرف طلبہ بل کہ علماء کے لیے بھی علمی اضافہ کا باعث ہے، جس میں حدیث ضعیف کی تعریف، حکم وغیرہ بہت سارے اہم علمی مواد موجود ہیں، جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے، بندۂ ہیچ مداں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ یہ چہل حدیث محبت کے ہاتھوں لی جائے، عظمت کی آنکھوں پڑھی جائے اور عشق نبوی کی لَو دلوں میں جلاتی جائے۔

یہ کتاب ان کے جمیع اصول وفروع کے لیے اور علمی مقدس وسائط کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے، بالخصوص ان کے والد مرحوم حضرت مولانا احمد لولات صاحبؒ کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہو۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

☆......☆☆......☆......☆☆......☆......☆☆......☆

......تعارف واحوال رواۃ ریاض الصالحین......

تصنیف:مولانا عبدالرحمٰن صاحب ملی ندوی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اللہ جل شانہٗ کے انعامات حضرت انسان پر اتنے اور ایسے ایسے ہیں کہ نہ تو انہیں قطار وشمار میں لایا جاسکتا ہے، اور نہ ہی ان انعامات کی گہرائی وگیرائی تک ہماری رسائی ہوسکتی ہے، ان تمام انعامات میں سے ایک بڑا انعام علم وفکر کا انعام ہے۔

علوم کی تقسیم اولاً دو طرح سے کی جاسکتی ہے: ایک علوم دینیہ اور ایک علوم دنیویہ، اور پھر نقلیہ وعقلیہ۔

علوم عقلیہ کی حیثیت وسیلہ اور آلہ کی ہے، لیکن علوم نقلیہ یعنی علم کتاب وسنت اساسِ دین ہے، اسی لیے مشہور محدث علامہ ابن سیرین کا مقولہ ہے کہ ’’إن ھذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم ‘‘ (مقدمہ مسلم)۔

علم حدیث از قبیل علوم نقلیہ ہے، اور منقول کو معتبر بنانے کے لیے ناقل کا معتبر ہونا ضروری ہے، اسی لیے تو علمِ حدیث کا ایک مستقل علم: علم اسماء الرجال ہے اور یہ ایسا علم ہے کہ اس کو حفاظت حدیث کا حصن حصین کہا جاسکتا ہے، جس کے ذریعہ تقریباً ایک لاکھ رواۃ کی زندگی محفوظ ہے، ہر دور میں رواۃ حدیث ورجال حدیث پر طبقاتی اور غیر طبقاتی انداز میں کام ہوا ہے۔

چناں چہ ’’سیر الصحابہ، اسد الغابہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، الاصابہ فی سیر الصحابہ ‘‘ وغیرہ کتابیں لکھی گئیں اور کسی نے رجال حدیث کا احاطہ کرنے کی کوشش کی اور رجال صحیح بخاری، رجال صحیح مسلم وغیرہ پر کتابیں لکھیں۔

اسی طرح کسی نے جرح وتعدیل کو موضوع بنایا اور ''میزان الاعتدال، تھذیب التھذیب ''جیسی کتابیں لکھیں، ہمارے آج کے اس دور میں بھی علماء مدارس اپنی اپنی مقدور بھر کوشش ومساعی جمیلہ کے ذریعہ ان رواۃ کو موضوعِ بحث بنا کر اپنے لیے ذخیرۂ آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ جامعہ کے ادیب شہیر مجلّہ ''النور'' کے مدیر بے نظیر جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب ملی ندوی کے قلم گہر بار سے ایک کتاب ''افشاء السلام ''قبولیت کا مقام حاصل کر چکی ہے۔اور پھر آپ نے اپنی تدریسی مصروفیت کے ساتھ ساتھ رواۃ ریاض الصالحین کے جزءثانی کو اپنی محنت کا میدان بنایا، چناں چہ ''رواۃ ریاض الصالحین'' کے نام سے دوسری کتاب منظر عام پر آئی؛ جو طلبہ وعلماء میں بالخصوص مقبول ہوئی اور اب آپ نے اپنے بڑوں کی حوصلہ افزا تمنا کی تکمیل کرتے ہوئے اور اپنے طلبہ کی تشنگی کو دور کرنے کے لیے نیک جذبہ سے ریاض الصالحین کے جزءاول کے رواۃ کے تراجم جمع کئے ،اور یہ کتاب بھی عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلوہ افروز ہورہی ہے۔

اللہ کرے یہ مجموعہ شائقین وقارئین کے لیے تسکین ذوق کا سامان ہو مستفیدین کے لیے سرمۂ حیات ہو، مصنف اور ان کے متعلقین کے لیے سعادتِ دارین اور فلاح دارین کا سبب بنے۔آمین یارب العالمین!

......فقہ حنفی اور غیر مقلدیت......

تصنیف: مولانا محمد سلیمان صاحب شمسیؔ رحمۃ اللہ علیہ
سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

علم دین ایک ایسی دولت گراں مایہ ہے جو کہ کرنوں کو شعائیں، چنگاریوں کو شعلہ، ذرّوں کو آفتاب، بل کہ نا آشنائے خالق کو خدا شناسی سے ہمکنار کرتا ہے، جسے شیخ سعدیؒ نے اپنی شیریں زبان میں یوں تعبیر کیا ہے کہ......ع......بے علم نتواں خدا را شناخت

تو کسی عربی معبّر نے اس کی تعبیر یوں بھی کی کہ ''**العلم وسيلة لكل فضيلة**'' اسی جوہر علم کا کرشمہ تھا کہ سلطنت سلیمانی میں ایک موقع پر پارلیمنٹ کے دوران یہ بحث زیر غور آئی کہ تخت بلقیس کو کون میرے دربار میں اس کے آنے سے پہلے پیش کرے گا؟ تو اس کے جواب میں جناتی ارکان پارلیمنٹ حیران و ششدر رہ گئے، لیکن عفریت نامی جن نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا، جسے قرآن نے یوں تعبیر کیا ہے ''قال عفريت من الجن أنا آتيك به قبل أن تقوم من مقامك'' (النمل ۳۹) لیکن اسی دربار سلیمانی کے ایک انسانی اور علمی رکن پارلیمنٹ نے کہا، جسے قرآن نے یوں تعبیر کیا ہے ''قال الذی عنده علم من الكتاب أنا آتيك قبل أن يرتد اليك طرفك'' (النمل ۴۰) چناں چہ پلک جھپکتے ہی آصف بن برخیا نے تخت بلقیس کو دربار سلیمانی میں پیش کردیا، علم کی طاقت ساری طاقتوں پر بھاری، شیروں کو اسیر، درندوں کو پابہ زنجیر، نا آشناؤں کو آشنا، پرایوں میں اپنائیت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض میں گردش کرنے، چکر کاٹنے اور گشت لگانے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ خطوں اور علاقوں کو مردم خیز بنایا ہے تو کچھ علاقوں کو مردم شناس، جوہر شناس اور قدر داں۔ چناں چہ خطۂ مشرقی یوپی اگرچہ علم وفن کے اعتبار سے مردم

خیز علاقہ ہے لیکن محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی جو قدر دانی دارالسرور برہان پورنے کی اور دارالعلم شہر مالیگاؤں نے جو اعزاز و مقام دیا، شاید اس گوہر نایاب کی قدر دانی کہیں اور اتنی ہوئی ہو۔ اسی طرح ضلع اعظم گڈھ کے ایک مشہور قصبہ خیرآباد کا ایک گمنام، مگر اخلاق و سادگی کے اعتبار سے سراپا اور حسن اتفاق سے اس کا نام بھی مشہور پیغمبر کے ہم نام سلیمان، جن کو اگر محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا تو وہیں ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا اسی طرح مناظر اسلام امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی طویل صحبت حاصل رہی، جس نے اس خیرآباد کی شخصیت کو شخصیت عظیم بنا دیا۔

حضرت مولانا موصوفؒ اپنے استاذ محدث اعظمی کے حکم پر، بیت العلوم مالیگاؤں کے مطالبہ پر بسلسلۂ درس حدیث مالیگاؤں تشریف لائے اور تقریباً مالیگاؤں کو اپنا وطن سا بنالیا جس کی وجہ سے شعرائے مالیگاؤں حضرت کو شمسی مالیگانوی سے اور علماء کرام حضرت کو مولانا سلیمان مالیگانوی سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے بیت العلوم اور دارالعلوم محمدیہ مالیگاؤں ہر دو کو جو علمی تربیتی دانش گاہ ہے اپنے فیض سے مستفیض فرمایا، مزید برآں وہاں کی مقامی، فکری، علمی ادبی، دینی اور تبلیغی ضرورتوں کو بھی پورا کیا، حتی کہ خوش نویسی اور شعر گوئی کے اعلیٰ ذوق کی وجہ سے کتنے خطاط اور شعراء کی استاذیت کا بھی آپ کو شرف حاصل ہے۔

دوسری طرف شہر مالیگاؤں مختلف افکار کی ذہنیتوں کی بھی آماجگاہ رہا ہے، جس کی وجہ سے حق کی ترجمانی کرنے کا بھی آپ کو کافی وافی موقع ملا۔ کبھی رد رضاخانیت تو کبھی خوش اسلوبی سے رد شیعیت تو کبھی رد غیر مقلدیت پر۔ آپ نے ایسی خاموش مگر علمی تبلیغ کی، کہ آج تک شہر مالیگاؤں کے اس دور کے بچے، جوان اور جوان بوڑھے ہو چکے ہیں اُن کی یاد کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، چناں چہ یکسوئی و گمنامی کے ساتھ معروف امور دنیا کی برکت اور علمی استحکام و رسوخ

کی دولت میسر آئی اور اپنے بڑوں کی نظروں میں قدآوری، بل کہ معتبر علمی شخصیت بن گئے۔

ایک مرتبہ مادرِ علمی جامعہ فلاح دارین ترکیسر کو استاذ حدیث کی سخت ضرورت محسوس ہوئی تو ادارۂ مذکور کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے پاس تشریف لے گئے کہ کوئی معتبر و معتمد شاگرد کی نشاندہی فرمائیں، تو حضرت محدث صاحبؒ نے حضرت شمسیؒ کی طرف اشارہ دیا، چناں چہ مالیگاؤں کے ارباب حل وعقد سے گفت وشنید کرکے ایک سال کے لئے سرزمین گجرات کی عظیم دینی درسگاہ فلاح دارین ترکیسر کو بھی آپ نے فیض یاب فرمایا لیکن دستور خداوندی ایسا ہی رہا کہ دشواری کے بعد آسانی، عسر کے بعد یسر جیسا کہ صاحب نورالانوار نے بھی ایک مشہور قطعہ اس کی حقیقت میں پیش فرمایا ہے کہ ؎

إذااشدت بک البلوی ففکر فی ألم نشرح

فعسر بین یسرین إذا فکرته فافرح

کے مطابق جب جامعہ کی سنگ بنیاد ہندوپاک کے اساطین علم وفضل کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی جس میں حضرت باندویؒ، علامہ ایوب اعظمیؒ، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا عبد المجید ندیم، حضرت مولانا نور محمد نورگت، حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ، حضرت مولانا ابرار احمد دُھلیوی، حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ، حضرت مولانا ابوالحسن آکولہ، حضرت مولانا حنیف صاحب ملی کے ساتھ ساتھ حضرت شمسیؒ بھی موجود تھے، وہ سرزمین اکل کوا کا ایک عجیب نورانی، روحانی اور تاریخی اجلاس تھا، حضرت باندویؒ کی نگاہِ قلندرانہ کس انداز سے آپ پر پڑی کچھ نہیں کہا جاسکتا؟

بہرحال! تاریخی اجلاس کے اختتام کے بعد ادارہ میں موقوف علیہ کا درجہ شروع ہونا تھا، تو حضرت باندویؒ سے اس سلسلہ میں رجوع کیا تو حضرت کی نگاہ حضرت شمسیؒ پر آکر رکی،

بل کہ حضرت وستانوی ان دنوں حرمین شریفین تشریف لے جارہے تھے وہاں پہنچ کر جامعہ اور طلبائے جامعہ کے لئے جو کچھ مانگا اس میں شیخ جامعہ کو بھی اپنے مولیٰ سے مانگا، ادھر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ شمسیؒ کو آفتابِ علم اور آسمانِ جامعہ کے افق پر چمکانا منظور تھا، حضرت وستانوی کی دعا قبول ہوئی اور حضرت شمسیؒ کو بتلایا کہ میں نے آپ کو حرمین میں اللہ سے مانگا ہے، اس لئے اب آپ کو اکل کوا آنا ہے۔

بہر حال سب سے پہلے جامعہ میں مشکوۃ شریف پڑھانے کی سعادت اور اس کے بعد دوسرے سال بخاری شریف کے درس کی شرافت بھی آپ کے حصہ میں آئی، جامعہ کو جیسا مشفق، معتبر، سادہ مزاج، مرنجا مرنج، بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں پر شفقت کرنے والے شجر اُعدّت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا، شجر ایسا کہ نہایت ہی سادگی کے ساتھ تفسیر جلالین مشکوۃ، ہدایہ اخیرین، بیضاوی، صحیحین اور ترمذی کا درس بلاناغہ اہتمام والتزام سے پڑھاتے اور اپنے اسباق کو کنارے لگانے کے بعد چھوٹے اساتذہ میں سے کسی کا سبق یا مقدار نصاب پورا نہ ہوتا تو اس کو پورا کرنے کی لگن کے ساتھ فکر کرتے۔

اور کوئی استاذ النحو الواضح، نور الایضاح، ہدایۃ النحو اور شرح جامی کے اسباق پڑھانے بلاتا، تو خندہ پیشانی سے تشریف لے جاتے اور اسی اہتمام سے پڑھاتے جس اہتمام سے بخاری و مسلم کا درس دیتے۔ ایک مرتبہ ان کے شاگرد عزیز مولانا زاہد صاحب ندوی جو جامعہ کے کامیاب استاذ نحو ہیں، شرح جامی کے دوران حاصل محصول کی بحث کے سلسلہ میں حضرت کو زحمت دی تو آپ نے چمکارتے ہوئے اس بحث کو پڑھایا، ہمارے نبی جی نے سچ کہا ہے کہ ''من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ'' (مسند احمد بن حنبل)۔

الغرض! حضرت شمسیؒ اپنے علم، حلم، حکمت و دانائی، ہر اعتبار سے فرد فرید اور دریکتا تھے۔ بابرکت ایسے کہ جس جگہ پانی کی دعاء کرائی پورے جامعہ کو الحمد للہ وافر مقدار میں پانی مل رہا

ہے، دارالعلوم اکواڑہ بھاؤنگر میں ختم بخاری کی بابرکت مجلس میں حضرت حکیم بن حزامؓ کا ایسا دل چسپ تذکرہ کرکے ان کے نام پر برکت کا ایسا تبصرہ کیا کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوگئے۔

ایک مرتبہ ختم بخاری کے سلسلہ میں حضرت باندویؒ کو جامعہ مدعو کیا گیا، آپ نے ختم بخاری کی مجلس کے بعد حضرت شمسیؒ اور حضرت سید ذوالفقار نوری کو مخاطب کرکے کہا کہ مجھے استنجاء کا تقاضہ ہے، میں آپ کے گھر چل کر فارغ ہوجاؤں؟ تو اس پر تینوں بزرگ حضرت شمسیؒ کے گھر آئے، حضرت نے گھر میں داخل ہوتے ہی فرمایا کہ بخاری جلد ثانی لاؤ! چناں چہ جب بخاری شریف لاکر دی تو حضرت باندویؒ نے ہر دو بزرگ کو مخاطب کرکے کہا کہ مجھے یہ مقام سمجھ میں نہیں آرہا ہے، آپ دونوں مل کر سمجھا دو، حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نے فرمایا کہ یہ اپنے نفس کا علاج کررہے ہیں تو حضرت شمسیؒ کو فرمایا کہ آپ ہی حضرت جواب دیں، اس پر حضرت شمسیؒ نے جنید وقت حضرت باندویؒ کو مخاطب کرکے کہا اس مقام پر آپ جو سمجھے ہیں ہم اس سے زائد نہ سمجھ سکے۔ یہ تو حضرت شمسیؒ کی حیات سادہ جو ''البذاذۃ من الایمان'' کی عکاسی کرتا ہے؛ کی ایک جھلک ہے، باقی حیاتِ شمسیؒ کا ورق ورق روشن ہے۔

عرض یہ کیا جارہا تھا کہ سرزمین مالیگاؤں جو ایک طرف لوم کا شہر ہے تو دوسری طرف علوم کا شہر بھی ہے، وہاں کے قیام کے دوران امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کی علمی ثقافت وفقاہت مسلم اور جن کے تقدس وتبحر پر قسمیں کھائی جاسکتی ہیں اور ہاں جس جس نے امام اعظمؒ کو نشانۂ طعن وتشنیع بنایا اور ان کے دامن بے داغ کو داغدار کرنے کی سعی کی وہ سب داغی اور باغی کے لقب سے جانے گئے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ''جس کو جتنا دبایا اتنا ہی وہ ابھرا'' کے مصداق بنے، اسی لئے دنیا بھر میں جس کے مسلکِ حق کو ترویج وپروان چڑھنے کا موقع ملا ہے وہ مسلکِ حنفی ہی رہا۔

خیر! شہر مذکور کے کسی ناعاقبت اندیش نے اپنے ماہنامے کے ذریعہ امام اعظمؒ اور

ان کی فقہ کو تختۂ مشق بنایا تو اس دور کے مقبول جریدہ ''البیان'' نے حضرت شمسیؒ کو پیش کش کی، لہٰذا حضرت شمسیؒ نے شمشیری قلم کے ذریعہ امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے تقدس کو امت کے سامنے مثبت اور مدلل انداز میں پیش کیا، جس کو عوام وخواص نے بہت ہی زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور درجۂ مقبولیت حاصل کی، حضرت شمسیؒ تو اس دنیا میں نہ رہے مگر ان کے صلبی اور علمی ورثاء کی ایک طویل قطار ہے جو سینہ بہ سینہ یا نسل درنسل امت تک ان کے فیض کو پہونچاتی رہے گی، جو حضرت کے لئے ذخیرۂ آخرت اور رفع درجات کا ذریعہ بھی ہوگی۔

اسے حسن اتفاق کہئے کہ جامعہ کے محنتی اور مخلص استاذ جن کو حضرت شمسیؒ کی صلبی اور علمی ہر دو طرح کی وراثت مقدر میں آئی جنھوں نے اپنے والد بزرگوار کے اس علمی قیمتی اثاثہ کو جو مختلف جرائد وشماروں میں منتشر تھے اور تشنۂ تکمیل تھے ان کو ایک لڑی میں پروکر ایک قیمتی سنہری ہار کی شکل دینے کی سعی جمیل کی ہے، جمالؔ ان کے نام کا جزو لاینفک بن چکا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ حق جل مجدہٗ حضرت شمسیؒ کے اس فیض سے امت کو بافیض فرماتا رہے گا اور ان کے وہ تلامذہ جو فضلائے جامعہ اکل کوا اور فضلائے محمدیہ کی شکل میں دین متین کا کام انجام دے رہے ہیں سب کے محاسن کا اجر وثواب حضرت مرحومؒ کے نامۂ اعمال میں پہنچتا رہے گا، جیسے جامعہ کے شعبۂ حفظ کے ذمہ دار قاری نثار احمد صاحب محمدی، مولانا عبدالوہاب صاحب ناظم جامعہ ابوہریرہؓ مولانا عبداللہ مولاداد، مولانا شیر محمد صاحب مکرانی، مولانا محمد حنیف صاحب وستانوی، مولانا فاروق صاحب وستانوی، مولانا سعید صاحب وستانوی، مولانا نعیم صاحب رنجنی وغیرہ سے اللہ تعالیٰ خوب کام لے رہا ہے۔

میں دوبارہ مضمون کی طوالت پر معذرت چاہتے ہوئے کہ میرے محسن جس نے ہر ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی ان کی کتاب پر کچھ لکھنے کے بجائے مصنف پر ہی لکھتا چلا گیا۔ کیا کریں مقولہ مشہور ہے کہ ''الانسان عبدالاحسان''۔۔۔ فقط والسلام

……الاصول والقواعد الفقهيه……

تصنیف: مولانا مفتی محمد جعفر صاحب ملّی رحمانی
صدر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار

حق جل مجدہ نے اس عالم کو ایک عظیم مقصد کے تحت وجود بخشا ہے، نیز اس کا لطف وکرم اور فضل واحسان ہے کہ اس نے اس صفحۂ ہستی اور عالم گیتی کی گونا گوں مخلوقات میں حضرت انسان کو مخدوم کائنات، محبوب کائنات اور مقصود کائنات ہونے کا شرف بخشا ہے، جیسا کہ ''ولقد كرّمنابني آدم(الاسراء ۷۰) اور ''الدنیاخلقت لکم وأنتم خلقتم للآخرة '' (احیاء علوم الدین) اس پر شاہد عادل ہیں اور اسی لئے عبادات، معاملات، عقوبات اور اخلاقیات سے متعلق مختلف احکامات کا مکلّف بھی حضرت انسان کو بنایا گیا، تا کہ وہ قرآن وسنت میں منصوص آیات وروایات کی روشنی میں مخلی عن الرزائل ہوکر محلّی بالفضائل بن کر رضائے رب کو اپنا مطلوب ومقصود بنائے اور یہی ایک انسان کا مقصد زندگی ہے، کیوں کہ اگر آپ صفحات کتب مہمہ کی ورق گردانی کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ براہ راست کتاب وسنت میں غور فکر کر کے انہیں معمول بہا بنانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ ''لكل مقام مقال و لكل فن رجال '' چناں چہ علماء مجتہدین نے پتامار محنت ومشقت کے بعد ایسے اصول وضوابط بنائے کہ جن کی رہنمائی میں انسان اپنے مولی کی رضا والی زندگی بسر کرے اور الٰہی الطاف وعنایات کا مستحق بنے، انہی اصول وضوابط سے مستخرج ومستنبط احکام ومسائل کو علم فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گو کہ زمانے قدیم میں لفظ فقہ اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا تھا جیسا کہ صاحب

مسلم الثبوت رقم طراز ہیں کہ زمانۂ قدیم میں فقہ علم حقیقت علم طریقت اور علم شریعت کے مجموعہ کو شامل تھا۔

”إن الفقه في الزمان القديم متناولًا لعلم الحقيقة وهي الالهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهي المباحث المنجيات والمهلكات و علم الشريعةالظاهرة “نیز سرخیل ائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نے فقہ کی تعریف فرمائی کہ ”الفقه معرفة النفس مالهاو ماعليها “یعنی ان چیزوں کی تعریف جن سے دارین میں نفس کو نفع یا نقصان پہنچے۔

فقہ کی اس جامع تعریف کے ضمن میں عقائد واحکامات سب شامل ہو جاتے ہیں گویا جو اسلام مسلمان سے مطلوب ہے وہ ہر قول وعمل کا مطابق شریعت ہونا ہے اور یہی جمیع اولاد آدم کے لئے قانون حیات ہے۔

اس فقہ کی کچھ اساس اور بنیادیں ہیں جس کی روشنی میں علماء سابقین اور مجتہدین نے مسائل کو متفرع کیا ہے جو رفتار زمانہ وتغیرات احوال کے پیش نظر جدید اور کرنٹ مسائل میں بھی رہنماء اصول ہیں، ان اصول سازی وضابطہ بیانی کا ماخذ اول قرآن مقدس ہی ہے اس لئے اصولیین کا یہ طرز نہ صرف قابل تحسین بلکہ قابل تقلید ہے کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا یا کرتے ہیں وہ ماخذ اصلی قرآن وسنت کی روشنی میں ہی کرتے ہیں۔

اگر آیات قرآنی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہونچنا آسان ہے کہ اس کا ایک ایک جزا اپنے اندر اصل کی حیثیت رکھتا ہے تاہم ”مشتے نمونہ از خروارے“ کے طور پر اوامر ونواہی کے باب میں قرآن نے خبر دی کہ ”ما جعل الله عليكم في الدين من حرج “(الحج۷۸) اور ”يريد الله بكم اليسر و لا يريد بكم العسر “(البقرہ۱۸۵)

ان دونوں آیت کے ذریعہ یہ اصول مستخرج ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے مؤمنوں پر دین کے سلسلہ میں کوئی دشواری اور حرج نہیں رکھا، جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دین میں تکلیف مالایطاق نہیں ہے۔ نیز مالایطاق یعنی عدم تکلیف کا یہ اصول کتاب اللہ کی طرح سنت رسول سے بھی مستنبط ہے۔

چناں چہ ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو مخاطب فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یسراو لاتعسراو بشراو لاتنفرا (مسلم) **نیز** لولاأن أشق علی أمتي لأمرتهم با لسواك عند كل صلوة (سنن بیهقی الکبری) **اور** إنماهلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم و اختلافهم علی أنبيائهم (مسنداحمدبن حنبل)

ان ارشادات سے بھی عدم حرج کے اصول کا پتہ چلتا ہے۔ ان طویل مثالوں سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ جتنے قواعد بھی فقہ سے متعلق ہیں ان کا سرچشمہ اور منبع کتاب وسنت ہیں۔

البتہ کتاب وسنت سے استفادہ اوراس کی تسہیل وتیسیر کے لئے اصول سازی کی ضرورت ناگریز ہے۔ چناں چہ علماء مجتہدین نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا، مزید ان اصول پر مسائل کی تخریج فرماکرامت کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کردیں۔

فجزاهم الله خير الجزاء

زیرنظر کتاب ﴿الأصول والقواعد للفقه الإسلامي﴾ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو کمزور صلاحیت والوں میں ذوق فقہ کے بڑھاوے کا سامان ہے اور باصلاحیت افراد کے ذوق سلیم کو جلا بخشنے کا ذریعہ، جہاں یہ کتاب تیسیر در تیسیر کا سامان

6

ہے وہیں بہت سے مسائل نادرہ کو جاننے نیز بہت سی کتب فقہیہ کو سمجھنے کے لئے معاون اور مددگار ہے۔

کتاب کے مؤلف مولانا مفتی محمد جعفر صاحب ملّی رحمانی، ہمارے مخلص دوست جامعہ کے باصلاحیت استاذ، صوبۂ مہاراشٹرا کی قدیم دینی درس گاہ ''معہد ملت'' کے فاضل، فقیہ عصر قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کے تربیت یافتہ، اپنے بڑوں کے منظور نظر، ہم عصروں کے لئے سامان تسکین وفرحت اور اپنے چھوٹوں کے محبوب اور مرنجامرنج طبیعت کے مالک ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی کی قلمی کاوش کو سراہنے کا ظرف اور حوصلہ اسی کو ہوسکتا ہے، جس نے کبھی چند سطریں اپنی فکری کاوش سے لکھی ہوں یا کسی سے لکھوائی ہوں آج کے پُر از انحطاط دور میں جذبۂ خلوص کے ساتھ اس طرح کی علمی کتاب کو ترتیب دینے پر مصنف کو خوب خوب مبارک باد اور خوب خوب دعائیں دی جانی چاہئے۔

اللہ کرے آپ کی یہ کاوش فقہی دنیا میں ایک نئی ہل چل پیدا کردے، طلباء، اساتذہ کو ان اصول کی روشنی میں نئی راہ ملے اور مصنف کو خدا یہ بھی حوصلہ وتوفیق بخشے کہ درس نظامی میں داخل کتب فقہ کے ہر ہر باب کے مسائل کو کن اصول وضوابط سے مستخرج کیا گیا ہے ان کو بھی جمع فرمادیں۔

خدا کرے یہ کتاب محبت کے ہاتھوں لی جائے عقیدت کے ہاتھوں پڑھی جائے اور آنکھوں میں بسائی جائے، مصنف اور ان کے والدین، اعزاء واساتذۂ کرام کے لئے توشۂ آخرت اور ذریعہ نجات ثابت ہو۔

......مانگتا جا لیتا جا......

تصنیف حضرت مولانا محمد مجتبیٰ صاحب

شیخ الحدیث دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور

اسلام ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت مذہب ہے، یہ نہ صرف انسان کو اپنے خالق و مالک کی پہچان کراتا ہے بل کہ شب و روز کے ہر لمحہ میں اس سے اپنا رشتہ استوار رکھنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے، یہی وہ مذہب ہے جو انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات سے بالا اور برتر ہونے کا اعزاز عطا کرتا ہے، انسان کو انسانیت کی معراج کا تحفہ عطا کرتا ہے اور دعا و مناجات کی شکل میں اسے اپنے ماوی و ملجاء، رب ذو الجلال سے ملا کر ہم کلامی کا شرف بخشتا ہے۔

اللہ پاک نے انسان کو سب سے بہتر مخلوق کی حیثیت سے پیدا فرما کر اس میں ذہانت و ذکاوت، علم و معرفت، تدبر و تفکر، فکر و عمل اور خود شناسی و خدا شناسی کا جوہر ودیعت فرمایا ہے، اور اسے بتایا کہ پوری کائنات کا ذرہ ذرہ رب کائنات کی عظیم حکمت بالغہ کے تحت وجود پذیر ہوا ہے، سب میں اس کی ربوبیت کا کرشمہ کار فرما ہے، زمین و آسمان کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف میں اس کی جلوہ گری نمایاں ہے، جس میں غور و فکر انسان کی عقل کو جلا اور اس کے قلب کو بصارت فراہم کرے گا، اور اسے رب کریم سے ہمہ وقت لو لگائے رکھنے کی ترغیب دیتا رہے گا، قرآن کریم کہتا ہے ”ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النہار لآیات لاولی الالباب“ (ال عمران ۱۹۰)

کائنات کا سارا نظام، احتیاج کے سسٹم پر قائم ہے، مخلوقات میں ہر کوئی ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر شئ کی حقیقت اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے ”تتبین الاشیاء باضدادھا“۔

اگر زمین کی پستی نہ ہوتی، تو آسمان کی بلندی بے کار تھی، اگر سورج کی تابانی نہ

ہوتی تو چاند کی ضیا پاشی ممکن نہ ہوتی نیز آفتاب کی عظمت کو کون جانتا؟ اگر دھوپ کی گرمی نہ ہوتی تو چھاؤں کی ٹھنڈک کا کون متلاشی ہوتا؟ اگر پیاس کی شدت نہ ہوتی تو سیرابی کی لذت کون محسوس کرتا؟ اگر بھوک کی بے تابی نہ ہوتی تو آسودگی کا مزہ کون لیتا؟ اگر جہل نہ ہوتا تو عالم کا علم بے فائدہ رہ جاتا۔ اگر مرض نہ ہوتا تو طبیب کی حذاقت بے سود رہ جاتی، اگر غربت نہ ہوتی راہِ ثروت کو کون منہ لگاتا، اگر ضرورت نہ ہوتی تو غنا کا کیا کام رہ جاتا؟

غرض کائنات کی آفاقی دنیا ہو یا انسان کی انفسی دنیا، مخلوق خواہ حقیر ہو یا عظیم، ظاہری ہو یا باطنی، حسی ہو یا معنوی، ہر ایک کا نظام ایک دوسرے کے احتیاج پر قائم ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں ☆☆ برا نہیں کوئی قدرت کے کارخانے میں

مخلوق کی فطرت ہی محتاج ہونے کی ہے اور خالق ہر احتیاج سے پاک ہے، مخلوق منگتی ہے اور خالق داتا، وہ صمد ہے ہر ایک سے بے نیاز ہے، مگر ہر ایک کی نیاز اس سے قائم ہے، وہ ہر ایک کی فریاد سنتا ہے اور ہر ایک کی مراد پوری کرتا ہے، دنیا دار الاسباب ہے اور دنیا کا خالق مسبب الاسباب، اس سے مدد مانگے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہوسکتا، تدبیر کے ساتھ اس پر توکل ایمان کا تقاضہ ہے، وہ اپنے بندوں کو عزم کے ساتھ توکل کی تلقین کرتا ہے، ارشاد ہے "اذا عزمت فتوکل علی اللہ" (آل عمران ۱۵۹) انسان مانگنے پر چیں بجیں ہوتا ہے اور وہ نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے، اس کی شان سب سے نرالی ہے، وہ کہتا ہے "ادعونی استجب لکم" (غافر ۶۰) لہٰذا بندہ جب اپنے معبود حقیقی سے دعاء کرتا ہے اس سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے تو گویا وہ اپنے معبود کی قدرت مطلقہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے مشکل کشا، حاجت روا ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر یا تو بعینہٖ اس کی مانگ پوری کر دیتا ہے، یا کسی بڑی بلا سے نجات عطا کرتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیتا ہے، غرض اس کے

7

در کا بھکاری کبھی محروم نہیں ہوتا

دردر نہ پھرو اس درِ رحمت کو چھوڑ کر............اس در کا بھکاری کوئی محروم نہیں ہے

موجودہ مادی ترقی یافتہ دور میں سائنس کے متوالوں نے بھی دعا کی تاثیر کو تسلیم کیا ہے، کیوں کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی مشکل سے نجات کے لیے ایک تدبیر کبھی کامیاب ہوتی ہے اور کبھی وہی تدبیر ناکام ہو جاتی ہے، جس کا راز یہی ہے کہ جس تدبیر میں دعا و توکل کی باطنی قوت شامل حال رہی وہ مؤثر ثابت ہوئی اور جو اس باطنی قوت سے خالی رہی وہ ایک پھسپھسی تدبیر بن کر رہ گئی، ایک دوا ایک مرض کے لیے مؤثر ثابت ہوئی وہیں دوسرے کے لیے غیر مؤثر، چناں چہ ماہرین کو ماننا پڑا کہ دوا کی تاثیر دعا کی محتاج ہوتی ہے، دوا اس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھا سکتی جب تک دوا کے اثرات کا خالق اس میں اثر انگیزی کی قوت نہ پیدا کرے۔

تو جو چاہے ضرر کچھ نہ زہر کا بھی ☆☆ تو نہ چاہے دوا کو بھی بے اثر کر دے

واقعہ ہے، ضلع اعظم گڈھ کے ایک علاقہ میں ایک طبیب ہر قسم کے مریض کو ایک ہی دوا دیتا تھا اور سب کو شفاء ہو جاتی تھی، جب اس سے اس کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ شفا دینے والی ذات اللہ کی ہے، میں شفایابی کے لیے اس سے گڑگڑا کر دعا کرتا ہوں تو ایک ہی دوا سب کے لیے مفید اور مؤثر ثابت ہو جاتی ہے، آج کے تحقیقی دور کا تجربہ صدیوں پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ''الدعاء سلاح المؤمن'' کی بیّن تفسیر بن چکا ہے، کہ رزم ہو یا بزم، تنگی ہو یا فراخی، عافیت ہو یا بلا، امن ہو یا فتنہ ہر جگہ، ہر وقت ہر حال میں دعا مؤمن کے لیے ایک کارگر ہتھیار اور پُر اثر اور انمول اکسیر ثابت ہوتی ہے، سب کو شفا ہو جاتی ہے، اس سے دشمنوں پر فتح اور دوستوں کی گرویدگی، نعمتوں کی حفاظت اور مصیبتوں سے نجات، امن کا حصول اور فتنے سے بچاؤ

نصیب ہوتا ہے، دعا کرنے والا بانصیب ہوتا ہے، اور دعا سے محروم رہنے والا بے نصیب ہوتا ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر--- تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

زیر نظر کتاب ''مانگتا جا لیتا جا'' ایک انتہائی مفید اور پر لطف تصنیف ہے، یہ جہاں اپنے ظاہری سرورق کے اعتبار سے بڑی جاذب نظر اور دل کش ہے وہیں باطنی مواد و مضامین کے اعتبار سے ہر مرض کی دوا اور روح کی غذا ہے، کیوں کہ یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے مہکتے پھولوں کا حسین گلدستہ ہے، جس میں زخمی دلوں کے لیے زود اثر مرہم ہے، دشمن سے حفاظت کے لیے وظیفہ ہے، کتاب کیا ہے؟ ہر پریشانی کا حل، قرض کی ادائیگی، وسوسے کا ازالہ، مالی مشکلات سے نجات، جسمانی امراض سے شفا، گویا بندے کا اپنے رب کریم سے کنیکشن قائم کرنے کا شارٹ سسٹم اور اس کی نصرت و رحمت کھینچ لانے کا طاقتور مقناطیس۔

انسان بڑا ظلوم وجہول ہے، وہ غیب سے زیادہ مشاہدہ اور خبر سے زیادہ معاینہ پر یقین رکھتا ہے ''لیس الخبر کالمعاینۃ'' لہٰذا انسان اپنے فطری اور نفسیاتی تقاضے سے کوئی ایسی دعا، ایسا وظیفہ چاہتا ہے جو مجرب ہو جس پر کوئی تجرباتی واقعہ شاہد عدل ہو، انسان اسی فطری ونفسیاتی تقاضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں ہر دعا اور وظیفہ کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مجرب ہونے پر تجرباتی اور مشاہداتی واقعات بھی پیش کر دئے گئے ہیں تا کہ ان واقعات سے ہر دعا اور وظیفہ کی تائید ہو جائے اور انسان یقین کے ساتھ اسے عمل میں لانے کی طرف یکسر راغب ہو جائے، ہر چند ایسے واقعات منتشر طور پر کتابوں میں ضرور موجود ہیں تاہم مستند حوالوں کے ساتھ یکجا طور پر کسی کتاب میں موجود نہیں، اس اعتبار سے یہ کتاب تمام ذخیرۂ کتب میں نادر و نایاب ہیں،

اور ہر کتب خانہ کی زینت بننے اور ہر کسی کے پڑھے جانے کے لائق ہے، اللہ پاک اس کی افادیت کو عام وتام فرمائے۔

کتاب کے مصنف عزیز القدر جناب مولانا مجتبیٰ صاحب سعادتی میرے خواہرزادہ ہیں اور مجھے ان کے زہد وورع اور علمی لیاقت پر بے حد فخر ہے عزیزم جواں سال، جواں عمر، ایک جید فاضل ہیں اور اس وقت گجرات کے مشہور مدرسہ دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں، عزیزم کے والد بزرگوار حضرت مولانا احمد لولات رویدروی قدس سرہٗ ایک عالم ربانی اور خداترس بزرگ تھے، حضرت شیخ زکریا قدس سرہٗ کی خانقاہ میں اوراد ووظائف، تعویذات وعملیات اور ذکر و شغل کی تلقین کے اہم فرائض آپ ہی کے ذمہ تھے اور آج اس کی برکت سے ان کے ہونہار سپوت کی تصنیف کردہ اس کتاب کی شکل میں ظاہر ہورہی ہے، مجھے حسن ظن ہے کہ مصنف نے ان مسنون دعاؤں کو اپنی کتاب میں صرف جمع ہی نہیں فرمایا بلکہ یہ دعائیں ان کے معمولات میں بھی ضرور ہوں گی، اللہ پاک ہمیں بھی ان کی دعاؤں میں حصہ نصیب فرمائے، اور ان کی اس بابرکت کتاب کو ان کے والد مرحوم، اساتذہ ومشائخ دادا، دادی، نانا، نانی کے حق میں خصوصاً اور جملہ مرحومین کے حق میں عموماً ایصال ثواب کا ذریعہ بنائے، اور خود مصنف کے حق میں یہ کتاب ذخیرہ ثابت ہو، خدا کرے یہ کتاب شوق کے ہاتھوں لی جائے، رغبت کی آنکھوں پڑھی جائے، اور اس کے ذریعہ ہمارے دلوں میں احساس عمل کی چنگاری جل اٹھے۔

احساسِ عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ-م- جولائی ۲۰۰۹ء

6

باطن کا سفر

مذہب اور سائنس کی رہ نمائی میں

تصنیف: مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اے اہلِ طلب آؤ یہ جاگیر سنبھالو

جیسے جیسے دنیا آخرت سے قریب اور قیامت سے نزدیک ہوتی جارہی ہے، ویسے ویسے انسان کی تلاش وجستجو، ریسرچ وتحقیق بھی اپنے عروج کو پہنچتی جارہی ہے، انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے سہارے نہایت تیز گامی کے ساتھ تسخیر کائنات کی منزلیں طے کرتا جارہا ہے، جو چیزیں پہلے دشوار وناممکن تصور کی جاتی تھیں، اب انہیں ممکنات کے دائرہ میں لانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

انسان ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے، سمندروں کا سینہ چاک کر رہا ہے اور ہواؤں وفضاؤں تک پر کنٹرول کر رہا ہے، جدید ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا کو ایک گاؤں بل کہ ایک محلّہ میں تبدیل کر دیا ہے، مواصلاتی نظام کی ترقی کے سبب انسان دنیا کے کونہ کونہ سے مختصر وقت میں رابطہ قائم کر لیتا ہے اور تیز رفتار سواریوں کے ذریعے جہانِ ممکن کا ناممکن سفر طے کر لیتا ہے۔

میڈیکل سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے بیشتر مہلک امراض کا علاج دریافت کرلیا ہے اور آج انسانی زندگی کا کوئی شعبہ گونا گوں ترقیات سے خالی نہیں رہ گیا ہے، لیکن ان ساری ترقیات کا تعلق انسان کی مادی زندگی اور جسمانی تقاضوں کی تکمیل سے ہی ہے، مزید یہ کہ ان ترقیات کا سرچشمہ ''مادہ پرست مغرب'' ہے، جس نے مادہ اور معدہ

9

ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، اہلِ مغرب نے مادیات میں ترقی کر کے چاند پر اپنا قبضہ جمالیا لیکن انہیں زمین پر انسان کی طرح چلنا نہ آسکا۔

''آفاق وانفس'' میں غور وفکر کر کے مغرب نے ہر قسم کی ظاہری ترقی تو کر لی، مگر چوں کہ ان کی فکر ونظر کا محور مادہ ہی میں منحصر رہا؛ لہٰذا وہ روح کے عجائبات سے آگاہ نہ ہو سکے اور سارے جہاں کے جائزہ کے باوجود اپنے جہاں سے بے خبر رہے، بقول اکبر الہ آبادی

باہمہ علم و آگہی ہائے رے پستیٔ بشر
سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

قرآن انسان کو اپنی ذات میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، تاکہ وہ خود کو پہچانے اور پھر اس کی یہ خود شناسی خدا شناسی تک پہونچادے؛ قرآن کا حقیقی اور واقعی نظریہ یہ ہے ''وفی أنفسکم أفلا تبصرون'' (الذاریات ۲۱) اور اپنی ذات میں کیا تم غور وفکر نہیں کرتے؟

جب انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس پر روح کی بلندی کے اسرار کھلنے لگتے ہیں اور پھر اس کے آگے مادی ترقیات کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ مغرب نے آرائش وزیبائش کے سارے وسائل اور جسمانی آسائش کے سارے سامان فراہم کر لئے، لیکن اپنی اور اپنے مالکِ حقیقی کی معرفت سے محرومی کے سبب وہ شدید روحانی خلا، دماغی خلل اور فکری بحران کے شکار ہو گئے۔

انسان جب ''انفس'' میں غور کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کو عجائباتِ قدرت کا مظہر پاتا ہے اور اسے اپنے خالق کی قدرت کی ایسی معرفت ہوتی ہے، جو اس خالقِ قدیر سے عشق ومحبت کا محرک بھی بنتی ہے اور اس سے خوف وخشیت کا باعث بھی، اپنے خالق و مالک سے عشق ومحبت اور خوف وخشیت کا یہی جذبہ بیدار ہو جانا انسان کے روحانی اور باطنی سفر کی تکمیل ہے، چناں چہ قرآن موقع بہ موقع آفاقی وانفسی تدبر وتفکر کی دعوت دے

کر اس ''سفر باطن'' کی تحریک کرتا ہے۔

ایمان وتوحید کے بغیر مادیت کی تمام ترقیات صرف ڈھانچہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مادہ پرست لوگ اسباب تعیش کی فراوانی کے باوجود اپنے وجود ہی میں سخت کھوکھلا پن محسوس کرتے ہیں؛ کیوں کہ وہ روحانی تسکین سے یکسر محروم ہوتے ہیں، مال ودولت سے آدمی آرام وراحت کے وسائل تو خرید سکتا ہے،لیکن سکونِ دل اور اطمینانِ قلب حاصل نہیں کرسکتا؛ مال ودولت سے انسان ظاہری لباس تو خرید سکتا ہے،لیکن لباسِ تقویٰ جو خلوت وجلوت میں سامانِ زینت ہے، اسے نہیں پاسکتا، مال ودولت سے انسان کا ظاہر تو چمک سکتا ہے مگر باطن کی آلودگی صاف نہیں ہوسکتی۔

اللہ پاک خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے، زیرِ نظر کتاب کے مصنف (بارك الله في علومه) کو کہ انہوں نے ''باطن کا سفر مذہب اور سائنس کی رہ نمائی میں'' لکھ کر ایک اہم روحانی و باطنی ضرورت کی تکمیل کی ہے، جس میں ایک مبتدی سالک کو انگلی پکڑا کر راہِ سلوک طے کرایا جارہا ہے، ایک دہریہ وخدا بےزار شخص کو خدا شناسی کے لیے چیلنج کیا جارہا ہے اور اسے حقیقت کا واضح راستہ دکھایا جارہا ہے؛ ایک خود فراموش وگم گشتۂ راہ کو خود فراموشی وخدا فراموشی سے نکال کر منزل کا صحیح پتہ بتایا جارہا ہے اور اسے وصول الی اللہ کی دولت سے سرفراز کرایا جارہا ہے۔

ذرا کتاب کے عناوین پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے اور مصنف کتاب کو دل کی پنہائیوں سے داد ودعا کی سوغات پیش کیجئے ''انسان کیا ہے؟ انسان اور خدا، تخلیقِ انسانی کی حیرت انگیزی، ہڈیوں کی مچان، انسانی دماغ اور مشینی دماغ، دل کی کائنات، روح کی دنیا، نفس اور فریبِ نفس، نفس کا صفاتی تنوع، اصلاحِ نفس اور طریقۂ اصلاح، صحبت صالح سے عشق الٰہی تک'' گویا مصنف کی یہ تصنیفِ لطیف نہ صرف یہ کہ ''دریا بہ کوزہ'' کا

مصداق ہے، بل کہ ۵۰؍عناوینِ متنوعہ کے ضمن میں ایک ''انسانی انسائیکلوپیڈیا'' ہے۔ اسلوبِ کتاب عام فہم بھی، دل نشیں بھی؛ ہر طبقہ کے لئے قابلِ استفادہ بھی اور خاص کر عصری طبقہ کے لئے ''نئی بوتل میں پرانا ٹانِک''۔

زیرِ نظر کتاب ایک قابل، باصلاحیت، صاحبِ نسبت، حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی زید مجدہٗ کے صحبت یافتہ، خطابت وتحریر کے خوب صورت سنگم، اور جامعہ اکل کوا کے مقبول استاذِ حدیث وتفسیر جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستی پوری کی جہدِ مسلسل، محنتِ شاقہ اور علمی وفکری عرق کشید کرکے اور مختلف کتابوں کے ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا پاکیزہ رنگ اخذ کرکے ''رنگ ولذت کا ایک حسین امتزاج'' ہے۔

خدا کرے یہ اہلِ علم کے لیے افہام وتفہیم کا سامان پیدا کرے، طلبہ کے لیے مشعلِ راہ بنے، جدید ذہنیت نئی تہذیب اور ماڈرن اسلام کے دلدادہ افراد کے لیے صاف ستھرے، درست اور خالص روحانیت و پاک باطن کے کامیاب سفر کے لیے ایک کامیاب رہنما ثابت ہو اور نئی ذہنیت اس کے ذریعہ کج فکری کے یلغار سے محفوظ ہو، نیز ذہنی ارتداد سے حفاظت پائے، گویا یہ کتاب اپنے قاری کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ؎

قدم بڑھاؤ، ترقی کرو ضرور ، ولے
رہے نبیؐ کے قدم پہ نگہ خدا کے لیے

اللہ کرے یہ کتاب قبولیت عامہ تامہ حاصل کرے، مصنف محترم کے لیے توشۂ آخرت بنے؛ ان کے والدین، اساتذہ، مشائخ اور محسنین ومعاونین کے لیے سعادتِ دارین اور فلاحِ دارین کا ضامن ہو۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔۔ والسلام

ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق: ۲۰۰۶ء

7

﴿......لباسِ تقویٰ......﴾

ضرورت، اہمیت، افادیت

تصنیف:مولانا شیر محمد مجتبیٰ صاحب مکرانی مدظلہ
شیخ الحدیث دارالعلوم زکریا، جوگواڑ، گجرات

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده. أمابعد!

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح سے جسم، لباسِ عریاں اور ننگا، سنجیدہ افراد کی نظر میں غیر مہذب شمار ہوتا ہے بل کہ جو جسم، لباس سے عاری اور خالی ہوتا ہے وہ غیرت وحیاء کے لیے قابل ننگ وعار ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح تقویٰ سے عاری روح وقلب ننگا اور باطن کی نظر رکھنے والوں کے نزدیک باعثِ شرم وحیاء ہوتی ہے، گویا تقویٰ باطن کا لباس۔

کچھ ظاہر پرستوں کے یہاں ظاہر کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ باطن، شی عبث ہوکر رہ گیا، بس ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تزئین وآرائش کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا، خواہ باطن کتنا ہی اجڑا اور بے رونق ہوگیا ہو، اس کی کوئی پرواہ نہیں، ساری سعی وکوشش اور تگ ودو ظاہر کو نکھارنے اور سنوارنے میں صرف کرنا دانش مندی کی علامت سمجھا گیا۔

اس کے برعکس کچھ باطن پرستوں نے خود پر یہ خبط سوار کرلیا کہ اصل چیز باطن ہے، ظاہر داری سے کیا ہوتا ہے، چناں چہ اس طبقہ نے ظاہری لباس کو اُتار پھینکا اور مادر زاد ننگا پن سے اپنی شناخت بنالی۔

لیکن قربان جائیے شریعت مطہرہ محمدیہ کی اعتدال پسندی پر یہ اسی کا امتیاز و خاصہ ہے کہ اس نے ظاہر و باطن کو ایک سنگم کی حیثیت سے اہم سمجھا اور دونوں کے اقدار

اور وضع داریوں کے حدود متعین کیے کہ ظاہر باطن کا ترجمان ہے اور باطن کے بغیر ظاہر، لاشئ کے درجہ میں ہے، اسی لیے ایک طرف جہاں یہ مقولہ: الظاهر عنوان الباطن سے باطن کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے وہیں کل اناء يترشح بمافيه سے بھی باطن کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

اسی لیے ظاہر؛ شریعت کی نظر میں اس وقت تک قابل ستائش ہے جب تک وہ شریعت کے طے کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور باطن اسی وقت قابل تکریم ہوتا ہے، جب وہ تقویٰ کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے، اسی لیے قرآنی ضابطہ ہے کہ ''ان اکرمکم عندالله اتقکم''۔

تقویٰ کیا ہے؟ عریانیت وفحاشی، ہوس رانی وہوس ناکی، جنسی بے راہ روی اور شہوت پرستی، اخلاقی بحران ودرماندگی کی وادئ خاردار سے اپنا دامن بچاتے ہوئے گزر جانا۔ جس نے معصیت اور گناہوں کے کانٹوں سے دامن عفت وتقویٰ کو اُلجھا کر تار تار کیا، اس نے اپنے باطن کو بے پردہ اور بے قیمت کر دیا۔ آج سارا زمانہ یہود ونصاریٰ کی ذہنی غلامی کا شکار ہے اور بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کا مسلم معاشرہ، اسلامی سوسائٹی بھی زمانہ سے مرعوب ہو کر یہود ونصاریٰ کے ہر طوقِ لعنت کو اپنے لیے فخر کی چیز سمجھ کر گلے لگاتا ہے، جس کا بین ثبوت ہمارے نوجواں کے جسم پر یہود ونصاریٰ کے شناختی لباس کا آجانا ہے۔ الامان و الحفیظ

جب کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اندھی تقلید کے سلسلے میں کتنا صاف اور واضح ہے کہ ''من تشبه بقوم فهو منهم'' ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ اس جماعتِ شبان کی صحیح راہ نما کی جاتی اور آج کی فیشن پرست تہذیب کے دلدادہ افراد کو قعرِ ضلالت

7

وحماقت سے نکال کر، آج کی ننگی تہذیب کو ایسا لباس فاخرہ فراہم کیا جاتا جو جسم کے لیے ساتر بھی ہو اور باعث زینت بھی، قابلِ وقار بھی اور روح کے لیے تقویٰ کا حامل بھی کیوں کہ ؎

پلا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ایسے نازک وقت میں میرے عزیز مکرم، صالحیت وصلاحیت کے سنگم، فاضلِ جامعہ اکل کوا، شیخ الحدیث جامعہ زکریاؒ جوگواڑ ''مولانا شیر محمد صاحب مکرانی'' کی زیرِ نظر کتاب ''لباسِ تقویٰ'' اس ضرورت کو بہت حد تک پوری کرتی ہے۔

موصوف ایک صاحبِ نسبت عالم اور دلِ دردمند رکھنے والے رہبر ورہنما، شیخِ وقت حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم سے منسلک ہیں، امید ہے کہ ان کے اصلاحی مواعظ کی طرح اصلاحی تحریر بھی قوم وملت کے لیے بڑی مفید، کارآمد اور تریاقِ زہر ثابت ہوگی، ان شاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ پاک عزیز موصوف کو حیاتِ دراز عطا فرمائے اور ان کو امت کی راہ نمائی کے لیے اخلاص کے ساتھ قبول فرمائے اور ان کی کاوش ومساعی کو قبول عام وتام عطا فرما کر خود ان کے حق میں، ان کے والدین کے حق میں، ان کے اساتذہ اور مربین کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

2

......مہمانان رسول کی خدمت میں (۱)......

تصنیف: مولانا محمد مجتبیٰ صاحب رویدروی
شیخ الحدیث دار العلوم ہدایت الاسلام، عالی پور، گجرات

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "الدین النصیحة" (البخاری) اسی طرح ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا "انما بعثت لأتمم مکارم الاخلاق" (مسند البزار) ہر دو روایات سے جو مضمون مستفاد ہو رہا ہے، وہ یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرد بشر کے حق میں خیر خواہ تو تھے ہی، لیکن خیر خواہی کا مرکزی ومقصدی نقطہ، اتمامِ مکارمِ اخلاق رہا ہے، اس لئے وارثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے ہر امتی کو عموماً اور طبقۂ علماء کو خصوصاً وصفِ خیر خواہی و بلند اخلاقی سے آگاہی ہونا چاہئے، اور یہی ایک امتی کا فرضِ منصبی اور اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد ہونا چاہئے، اسی لئے تو کسی نے کہا ہے:

وفا، خلوص، محبت، الم، خوشی، آنسو ہر ایک چیز ضروری ہے زندگی کے لئے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ انسان کو جو انعامات ملے ہیں اُن میں نعمتِ حیات ایک ایسی نعمتِ بے بہا ہے جو ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ نصیب نہیں ہوتی، اس لئے عقل مند آدمی وہی کہلاتا ہے جو زندگی کے نشیب وفراز، وفا و جفا، اتار چڑھاؤ، محبت وعداوت، الم ومسرت، مسکراہٹ وبکا، ہر ایک کو سہتے ہوئے اپنے اور اپنے ہم جنسوں کے لمحاتِ حیات سے عبرت پذیری کرے، اپنے اطراف واکناف کے حالات سے عبرت حاصل کرنا اور اقوام وملل کے واقعات وحادثات سے درس پذیری یہ بھی کتاب وسنت کا ایک اہم حصہ رہا ہے، اور تعلیماتِ نبویہ، نیز اسلاف کا شیوہ رہا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ کے پیروں میں جوتی نہیں تھی، ذرا طبیعت میں رنج وملال کی کیفیت پیدا ہوئی، تو فوراً قدرتِ الٰہی نے دستگیری کی اور ایک کٹے پیر معذور کی زیارت

کروادی، اور زبانِ حال سے نصیحت آموزی کا موقع فراہم کیا، بول اٹھے کہ الٰہی! تیرا کتنا احسان وکرم ہے کہ تونے مجھے پیروں کی نعمت سے نوازا ہے۔

اسی طرح ایک خدا شناس، عارفِ وقت ایک پگڈنڈی سے گذر فرما رہے تھے کہ ایک کتے نے آپ کا راستہ روک لیا، چار و ناچار بزرگ موصوف کو نیچے اتر کر راستہ طے کرنا پڑا، جس کی وجہ سے اُن کے اجلے اجلے کپڑوں پر کیچڑ نے ڈیرا جمالیا، طبع نازک پر ناگواری ہوئی، لیکن اللہ والے کو الہام ہوا کہ کتا یہ نصیحت کر رہا ہے کہ کپڑے پر لگا ہوا کیچڑ تو پانی یا کسی اور سیال شئ سے صاف ہوسکتا ہے، تمہیں راستہ دے دیتا تو اس سے دل پر جو گندگی لگتی اس کا علاج بہت مشکل تھا، گویا یہ بھی ایک نصیحتِ حالی تھی۔

ٹھیک اسی طرح کتاب وسنت کے حاملین وعاملین کی زبان پر اللہ تبارک وتعالیٰ نورِ نصوص کے طفیل ایسے حکمت آمیز کلمات بل کہ حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں کہ بسا اوقات متکلم خود اپنی تعبیرات وملفوظات سے محوِ حیرت ہو جاتا ہے، اور ان کے متبعین و اخلاف اپنے اسلاف کے ان ملفوظات کو مزہ لے لے کر، محظوظ ہو ہو کر، مجلسوں اور محفلوں میں، عبارتوں اور مضمونوں میں نقل کرتے ہیں، جیسے ہمارے اکابرینِ دیوبند میں فقیہ وقت محدثِ دوراں حضرت گنگوہیؒ کے پاس سے ان کے ایک معتقد رخصت لینے لگے، اور الوداعی نصیحت کے خواہاں ہوئے، تو آپؒ کی لسانِ پُر تاثیر سے یہ ملفوظ صادر ہوا کہ ''کسی سے، کسی وقت، کسی حال میں کوئی امید نہ رکھو'' اگر کوئی غور کرے تو یہ ملفوظ ''دریا بکوزہ'' کا مصداقِ واقعی ہے۔

اسی طرح راقم الحروف، نادم، آثم ایک مرتبہ مادرِ علمی فلاح دارین ترکیسر کے دار الضیوف میں مفکرِ اسلام، حضرت مولانا سید ابو الحسن حسنی الندویؒ کی خدمت میں اپنی ''مذکرۂ نصائح'' لے کر حاضر ہوا، اور کتابتِ نصیحت کی درخواست کی، تو بڑی بشاشت

سے آں مرحوم نے یہ رقم فرمایا کہ ''ہر کجا باش باخدا باش'' اگر کوئی غور کرے تو اس نصیحت میں بھی زندگی کے ہر موڑ پر رہبری کا کیسا گُر پنہاں ہے۔

اسی طریقہ سے دعوت و تبلیغ کے عَـلَـمْ بَـرْدار، خاموش مدبر حضرت جی ثالث سے کسی نے دریافت کیا کہ ضیوف کی ضیافت کیسے ہونی چاہئے؟ تو آپ نے ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو آدابِ ضیافت کے بڑے بڑے مضامین پر بھاری ہے، ارشاد فرمایا کہ ''مہمان کی آمد پر دل سے خوش ہوکر موجود کو پیش کرنے میں بخل نہ کرے، اور مفقود کو پیش کرنے میں تکلف نہ کرے'' اندازہ لگائیے کہ یہ نصیحت کس قدر مفید ہے اور کارآمد بھی، مؤثر بھی ہیں اور انقلاب آفریں بھی۔

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں مناظر اسلام، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم، حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ نے خط لکھا کہ میں آں جناب کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتا ہوں؛ لیکن مجھے اپنی مرضی سے حاضری کی اجازت دی جائے، کسی طرح کے شرائط نہ ہوں، تو بہتر ہے، حضرت تھانویؒ جن کی بصیرت اس درجہ پہنچی ہوئی تھی کہ ''خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر'' کے سچے آئینہ دار تھے، چناں چہ مرشد تھانویؒ نے فوراً جواب روانہ کیا کہ '' آجاؤ آجاؤ جیسے چاہے آجاؤ'' چنانچہ صاحبِ مکتوب، حضرت ناظم صاحبؒ ایسے وقت میں پہنچے جب کہ بزمِ تھانوی آراستہ تھی اور عاشقینِ تھانوی باادب باملاحظہ، پروانہ وار اپنے مرشد کے گرد اگرد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ناظم صاحبؒ چُست پائجامہ پہن کر پہنچے تھے، بیٹھنے میں تکلف ہو رہا تھا، حضرت تھانویؒ نے مخاطب ہوکر فرمایا ''بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ، وہ لباس، لباس نہیں جو لابس کو اپنے تابع بنادے'' بس مرشد تھانوی کی اِس بامعنی نصیحت نے وہ اثر کیا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ کی زندگی میں ایسا انقلاب برپا کیا جسے دنیا نے دیکھا۔ 7

حاصل کلام یہ کہ شیخ اپنے مریدوں کو، پیر اپنے ماتحتوں کو، امیر اپنے مامورین کو اوراستاذ اپنے شاگردوں کو خیر خواہی اور اخلاقِ نبوی سے آراستہ کرنے کے جذبہ سے، موقع بہ موقع وقتاً فوقتاً سوغاتِ نصیحت پیش کرتے رہتے ہیں۔

میرے عزیز، زمرۂ علماء کے ایک معتبر عالم دین بل کہ محدث، عزیزم مولانا مجتبیٰ ابن مولانا احمد لولات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل سے اور ان کے اساتذہ اور والد مرحوم کی آہِ سحر گاہی اور توجہات کے صدقہ میں یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ جہاں وہ تعلیم کا ایک صاف ستھرا اور بلند ذوق رکھتے ہیں، وہیں اپنے طلبہ کی تربیت اور انہیں حسنِ اخلاق سے مزین کرنے کا سوزِ دروں اور نفیس ذوق بھی رکھتے ہیں، موصوف نے اپنے تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ، طلبہ کو اُن کی فرصت اور تعطیلات کے اوقات کو قیمتی بنانے کی غرض سے کچھ مصروفیت ان کے سپرد کی اور جب ان طلبہ نے وہ کام بہ رضا ورغبت انجام دیا، تو بطورِ تحفہ وتشجیع کے کوئی مادی انعام دینے کے بجائے معنوی تمغہ دے کر ان کو راغب الی الخیر کیا، اور ''قطرہ قطرہ دریا شود'' کے بموجب وہ نصائح اور روحانی ونورانی جواہر پارے، کثیر تعداد میں جمع ہو گئے، تو ان طلبہ کی خواہش اور ان کے قدرداں دوستوں کے مطالبہ پر ان قیمتی نصائح کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر رہے ہیں، بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ زیرِ نظر مجموعۂ نصائح ان کی سابقہ مقبول تصانیف کی طرح، عوام وخواص میں حسین انقلاب کا ذریعہ بنے، اور یہ انقلاب مصنف، اُن کے معاونین، محسنین اور قارئین سب کے لئے توشۂ راہِ حیات اور تحفۂ فلاحِ دارین وسعادتِ دارین ثابت ہو اور ان کے تمام اصول کے لئے ذخیرۂ آخرت اور فروع کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

ایں دعا از من واز جملہ آمین باد!

......مہمانان رسول کی خدمت میں (۲)......

تصنیف:مولانا محمد مجتبٰی صاحب رویدروی
شیخ الحدیث دارالعلوم ہدایت الاسلام، عالی پور، گجرات

اللہ جل شانہ کی شان، خالق و مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مربی ہونے کی بھی ہے، چناں چہ باری تعالیٰ نے ترتیب تلاوت کے اعتبار سے سب سے پہلی سورت اور نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جانے والی وہ سورت جس کی بابت ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ کے رب، رحیم اور مالک ہونے کا تذکرہ ہے، اللہ خالق و مالک نے خود کو رب العالمین کہہ کر یہ باور کرایا ہے کہ تربیت انسانی موقوف ہے عبادت باری تعالیٰ پر، اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقتدائے اقوال و اعمال سلف پر، چناں چہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اقوالِ اکابرین اور نصائح صالحین کا اہتمام رہا اور ہے اور رہے گا، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوررس لسانِ رسالت بافراست نے ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' (ابوداؤد)

بہر حال وعظ کرنا، سننا، نصیحت لینا اور دینا، اسی طرح وصیت اور قبول وصیت، یہ ایسے حسین اور پرکشش جاذبیت سے لبریز پہلو ہیں کہ جن کی برکت سے اسلامی تشخص اور رحمانی تہذیب کو بقاء اور دوام ہے اس کی برکت سے پیر و مرید، مرشد و مرشَد، استاذ و شاگرد، عالم و متعلم، مبلغ و مبلَغ کے افادہ اور استفادہ کا حسین سلسلہ جاری ہے، اللہ اس سلسلہ کو تا صبح قیامت قائم رکھے۔ (آمین)

ایک مرتبہ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی خدمت میں سہارن پور کے زمانۂ طالب علمی میں حاضری کی سعادت میسر ہوئی، درخواست پر حضرت نے

اپنے دستِ مبارک سے نصیحت تحریر فرمائی اور لکھا کہ ''تقویٰ، تواضع اختیار کیا جاوے اور اختلاط سے کامل احتیاط کیا جائے'' حضرت موصوفؒ کا یہ مکتوب وملفوظ سینکڑوں کتابوں کا لب لباب اور نچوڑ ہے اور یہ بھی اہلِ علم کے درمیان معروف ہے کہ دو لفظ بولے اور لکھے جاتے ہے، ایک نصیحت اور دوسرا وصیت۔ نصیحت پر خلوص، بے غرض اور ہمدردی کے کلمات کو کہا جاتا ہے، جب کہ وصیت پرسوز و پردرد کلمات کا نام ہے عام طور پر نصیحت کسی وقت، کسی زمان اور کسی شخصیت کی محتاج نہیں، جب کہ وصیت کا ظہور عموماً لمحات وصال کے فراق میں تبدیلی کے موقع پر ہوتا ہے۔

ہمارے عزیز بل کہ عزیز ترین، مخلص بل کہ نہایت ہی مخلص، بڑوں میں بڑی شان کے یعنی تواضع کے خوگر چھوٹوں میں عالی شان کے، یعنی عالمانہ وقار وکردار کے حامل، صاحب تصانیف کثیرہ مفیدہ، حضرت مولانا مجتبیٰ بن مولانا احمد لولات صاحبؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم ہدایت الاسلام، عالی پور) کا خدا بھلا کرے کہ وہ اللہ کی طرف سے مجتبیٰ بھی ہیں اور بندوں کے درمیان مصطفیٰ بھی، موفق من اللہ بھی ہیں اور مشغول زندگی میں بہتر زندگی کا امتزاج بھی، جہاں رہے تعمیری انداز میں کام کرتے رہے، انہوں نے اپنے ۱۸ر سالہ تعلیمی، تدریسی طویل زندگی کے دوران بے شمار علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ اپنے ہونہار، قدردان طلبہ کی مادی وظاہری خیر خواہی کے ساتھ ساتھ باطنی اور روحانی تربیت کے لیے بہت ہی زیادہ خیال وفکر سے کام لیا، چناں چہ ہر سال اپنے متعلقین طلبہ بالخصوص دورۂ حدیث شریف ومشکوٰۃ شریف کے طلبہ کو جمعرات وجمعہ کی فرصت میں علمی کام سپرد کرتے، اور سنیچر کو جب اس کا محاسبہ کرتے تو تشجیعاً کچھ کلماتِ ثمینہ باحوالہ تحریر فرماتے جس میں طلبۂ عزیز کی نفسیات کا پورا پورا لحاظ کرتے، گویا

5

''انزلوا الناس منازلھم و کلموا الناس علی قد رعقولھم'' کا عملی مظاہرہ فرماتے۔

طلبہ نے اپنے استاذ و مربی کی ان نصائح کی ایسی قدر کی کہ ''وصایا مجتبیٰ الی ضیوف المصطفیٰ'' نامی کتاب وجود میں آ کر مقبول خواص ہی نہیں بل کہ مقبولِ اخص الخواص ہو چکی ہے، چناں چہ اس کتاب کا پہلا حصہ مخدوم العلماء حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کا پودروی دامت برکاتہم کی نظر سے گذرا تو ان کا تبصرہ یہ تھا کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد میرا خیال یہ بنا کہ ہر مدرسہ کے ہر طالب علم کے ہاتھ میں یہ کتاب پہنچے، اسی طرح مشہور و معروف واعظ شیریں بیاں عالم ربانی محبوبِ خاص و عام حضرت قاری احمد علی صاحب فلاحی دامت برکاتہم (بانی و شیخ الحدیث دار العلوم فیض سلیمانی، موٹی نرولی) نے اپنی خلوت و تنہائی میں نہایت پسندیدگی کے اظہار کے علاوہ عوامی جلسوں میں بھی اس کے مضامین کی پسندیدگی اور نافعیت کا البیلے انداز میں تذکرہ فرمایا۔

بہر حال اسی سلسلۂ نصائح کی یہ دوسری کڑی شائع ہونے جارہی ہے، جس میں مولانا محترم نے اس سال کے دورۂ حدیث کے پانچ طلبہ کو مرکز توجہ بنا کر مرتب فرمایا ہے، جسے بتوفیق ایزدی بغرض افادۂ عام زیور طبع سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

خدا کرے موصوف کی یہ مساعیٔ جمیلہ بار آور ہو کر طلبہ کی تربیت سازی بل کہ مردم سازی کا کردار ادا کرے اور دیگر ہم عصر اساتذہ کے لیے قابل تقلید بنے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ مصنف کو عمر نوح عطا کرے، ان کی اولاد روحانی و جسمانی میں مزید اضافہ کے اسباب مہیا فرمائے اور ان کے والدین بالخصوص والد محترمؒ کی ترقیٔ درجات کا ذریعہ بنے۔ (آمین) فقط والسلام

۲۷/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۶/جون ۲۰۱۴ء بروز بدھ

7

تربیتی گلدستہ

تصنیف مولانا محمد صادق صاحب اشاعتی تونڈاپوری
استاذ: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار

باری تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں گونا گوں صلاحیتوں اور کمالات کا معدن ومخزن بنایا ہے خود ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ'' (مسلم) جس طرح سونے چاندی کی کان سے سونا نکال کر اس کو ریفائری میں ڈال کر چمکتا دمکتا کیا جاتا ہے اسی طرح انسانوں کی گود میں بالخصوص مسلمانوں کی گود میں پیدا ہونے والا بچہ بھی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا بحر ناپیدا کنار ہوتا ہے، دنیا میں جتنے نامور اور بڑے بنے ہیں وہ سب اپنے بچپن کو کسی مربی کامل کی آغوش تربیت میں رکھ کر دنیائے انسانیت کے لئے رہبر وآئیڈیل کا مقام حاصل کر سکے ہیں، اسی لئے تو کسی نے تاریخ گردانی کر کے ایک پر کشش پر لطف کتاب معرض وجود میں لائی ہے جس کا نام بڑوں کا بچپن ہے، جب کسی کے ایام رضاعت صالحہ عابدہ خاتون کی آغوش مادر میں گذرتے ہیں تو وہ ماں باوضو دودھ پلا کر خود حلال روزی کھا کر اپنے لخت جگر کو طہارت و رزق حلال کی تربیت دیتی ہے پھر ایام طفولیت میں مناسب کھلونے دے کر شرک سے پاک رکھ کر توحید کی تعلیم دیتی ہے پھر اس کے لئے اچھا استاذ اچھا ماحول ہموار کر کے اپنے لخت جگر کو مستقبل کا رہنما بناتی ہے اسی لئے تو کسی نے کہا ہے کہ ؎

انہی بچوں سے قصر زندگی تعمیر ہوتے ہیں
یہی بچے ہمارے خوابوں کی تعبیر ہوتے ہیں

اور اگر حسن تربیت کا پاس ولحاظ نہ رکھا گیا تو اکبر الہ آبادی کا یہ شکوہ بجا اور برمحل

نظر آئے گا کہ ؎

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

زیرنظر کتاب ان ہی پاکیزہ جذبات کا عکس جمیل ہے جس میں اسلامی عقائد کی تخم ریزی بھی ہے محبت نبوی کا غسل پاکیزہ بھی، تعلیماتِ اسلامیہ کا گلدستہ بھی ہے اور اکابرین علماء سے وابستگی کا گربھی اور تاریخ ہند کی معلومات بھی؛ گویا کتاب صحیح معنوں میں تربیتی گلدستہ ہے جس میں بچوں کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر پچیس مختلف اور متنوع الموضوع تقاریر ہیں اور دس بہترین مکالمے، اس گلدستہ کے مصنف، مرنجا مرنج طبیعت کے مالک ''اپنے بھلے اور اپنا کام بھلا'' کے مصداق، نہ طبیعت میں جوش انتقام بل کہ افوض امری الی اللہ ان کی طبیعتِ ثانیہ ہے، انھوں نے یہ کتاب اپنے اساتذہ بالخصوص اپنے مربی مکرم حضرت خادم القرآن کے ایماء اور مشورے سے دینیات اور مکتب کے طلباء کے لئے بنام ''تربیتی گلدستہ'' مرتب فرمائی ہے جسے علماء کی تائید حاصل ہے نیز حضرت رئیس الجامعہ کی ادعیہ حسنہ بھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ قلم کا یہ مسافر اپنی منزل عروج کو محبوبیت ومقبولیت کے ساتھ پار کرتا رہے اور موصوف کے قلم گوہر بار سے ہر قسم کی مفید سے مفید تر کتابیں وجود پذیر ہوتی رہیں، ان کی یہ پہلی کاوش عوام وخواص کے مابین شرف قبولیت حاصل کرے اور ان کی رفیقِ حیات جوان کے علمی کاموں میں بڑی معاون ہیں ان کے لئے اور ان کے طرفین کے والدین کے لئے اور ان کے اساتذہ کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ (آمین یارب العالمین)

......تحفۂ تعلیمات......

تصنیف:مولانامفتی عبداللہ صاحب رویدروی دامت برکاتھم
بانی ومہتمم جامعہ مظہر سعادت،ہانسوٹ،بھروچ (گجرات)

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

عرض ایں کہ بانی وناظم جامعہ حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری مدظلہ العالی بیرون ملک سفر میں ہیں۔

پیش نظر کتابچہ" **تحفۂ تعلیمات** "آپ کی عدم موجودگی میں مضمون کی اہمیت کی بناء پر افادۂ عام کی نیت سے شائع کرنے کی ہمت کی گئی ہے، اللہ اسے قبول عام عطا فرمائے۔

حضرت والا کے درس وتدریس کی لائن کے تجربات ومشاہدات برسوں پر مشتمل ہیں،جس کا یہ نچوڑ ہے،اگراس مضمون پر حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی نظر ثانی ہوتی تواس میں کافی ردوبدل،تغیر وتبدل،تنقیح وتوضیح ہوکراور بہتر انداز میں یہ مضمون نکھر کر سامنے آتااورسونے پہ سہاگہ کا مصداق ہوتا،آئندہ ان شاءاللہ حضرت مدظلہ سے ترتیب جدید کی استدعاء کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کوعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھےاورآپ کے فیض کوعام اورتام فرمائے۔آمین ثم آمین!

......حج کریں، خدا سے مانگتے مانگتے......

تصنیف: مولانا محمد مجتبیٰ صاحب رویدروی
شیخ الحدیث دارالعلوم ہدایت الاسلام، عالی پور، گجرات

اللہ پاک ایک عمل خیر کی توفیق کے بعد، دوسرے عمل خیر کی توفیق عطا فرمادے یہ علامت ہے اس بات کی کہ عمل سابق عند اللہ وعند الناس مقبول ہے اور پھر موضوع بھی ایسا جسے امت کی دکھتی رگ یا نوجوان عالم دین حضرت مولانا مجتبیٰ صاحب مظاہری کی یہ سعادت ہے کہ اللہ پاک نے ''کرنٹ ٹوپک'' پر اپنے علم کو برمحل استعمال کرنے کا نفیس ذوق عطا فرمایا ہے، چناں چہ الیکشن کے موقع پر ''ووٹ کی شرعی حیثیت'' نیز خواتیم بخاری کے موقع پر ''نعمۃ الباری'' اور رمضان کی نیکیوں کی موسم کی مناسبت سے ادعیہ و وظائف پر ''مانگتا جالیتا جا'' جیسی کتابیں ان کے قلم گوہر بار سے معرضِ شہود پر آچکی ہیں۔

اب پھر موقع کے عین مناسب حجاج کے لیے بطور توشۂ راہ مختصر مگر اہم ترین تخریجات وتحقیقات کی تزئین کے ساتھ بنام ''حج کریں، خدا سے مانگتے مانگتے'' آرہی ہے، اللہ پاک موصوف محترم کی اس علمی وملی مگر ضروری خدمت کو قبول فرماوے اور حجاج کرام جہاں جہاں جب جب بھی اپنے خدا سے رجوع ہوں اس وقت الدال علی الخیر کفاعلہ کا مصداق بنا کر داعی کی طرح راہیٔ دعا کے حق میں تمام دعاؤں کو قبول فرمائے۔

نیز والدین، اساتذۂ کرام اور جملہ اصول وفروع کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے اور یہ کتاب محبت کے ہاتھوں لی جاوے، عقیدت کی زبان پڑھی جاوے اور تقرب خداوندی کا جو مقصود ومدعا ہے ذریعہ بنے۔

ایں دعا از من جملہ جہاں آمین باد عبدالرحیم فلاحی

7

تیسیر التجوید

تصنیف: مولانا قاری سید عارف الدین صاحب
صدر شعبۂ تجوید وقراءت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

قرآن مقدس روئے زمین پر ہدایت انسانی نیز دارین کی سعادت وفلاح کے لیے ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے، جو لاثانی بھی ہے اور لافانی بھی، نیز سراپا خیر ہی خیر ہے، چناں چہ کتاب ہدیٰ سے وابستگی انسان کی سعادت مندی اور دانشمندی ہے، اگر ہمارے حضور خیر الانام ہیں تو کلام باری خیر الکلام ہے اور اس سے وابستہ ہونے والا خیر الناس کا مصداق، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے ''خیر کم من تعلم القرآن وعلمه'' (بخاری)۔

اب اس خیر الکلام کی بہتر سے بہتر انداز سے مطالبۂ خداوندی اور منشاء نبوی کے مطابق تلاوت کی جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ مقتدیٰ بنائے جانے کے قابل اور نمازوں کی صحت کا ضامن، بل کہ وہ آخرت میں بھی اقرأ و ارتق (ابوداؤد) کا مصداق بننے کے لیے کافی ہے، لہٰذا تلاوت مع التجوید مطلوب ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے ''ورتل القرآن ترتیلاً''۔

ہم اللہ کے دربار میں بار بار سجدۂ شکر کی بجا آوری کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں کہ اس رب کریم نے اشاعت العلوم کا ایسا پیارا ماحول نصیب فرمایا کہ اس کے بانی کے اسم گرامی کا جزو لاینفک خادم القرآن بن گیا اور ان کا ادارہ جو درحقیقت اپنے کردار وعمل سے اشاعت العلوم کی بجائے اشاعتِ قرآن کہے جانے کے قابل ہے، جہاں دینیات سے لے کر دورۂ حدیث تک اور ابتداء سے لے کر انتہاء تک ہر طالب علم کی تلاوت مع التجوید کو طبعیتِ ثانیہ بنانے کی سعی جمیل کی جاتی ہے، اس کے لیے جہاں باذوق اساتذۂ کرام کا انتخاب عمل میں آیا، وہاں مختلف تشجیعی، تربیتی اور تعلیمی پروگرام کے ذریعہ بھی طلبہ کو قرآن سے مربوط کیا جاتا ہے۔

اللہ پاک عمر نوح نصیب فرمائے حضرت خادم القرآن رئیس جامعہ کو کہ انہوں نے اپنے ذوقِ قرآنی کے پیش نظر شعبہ دینیات کے صدر، استاذِ محترم جناب قاری سلیمان صاحب سے مطالبہ کیا کہ طلبۂ دینیات کی نفسیات اور کم سنی کو مدنظر رکھ کر کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے، جس میں قواعدِ تجوید آسان اور سہل زبان میں ہوں، طلبہ یاد کر کے مزید مستحکم فی التجوید ہوں، چناں چہ رئیسِ جامعہ کے اشارہ اور منشاء کے مطابق موصوف نے صدر شعبۂ تجوید استاذ الاساتذہ جناب قاری سید عارف الدین صاحب کو اولاً مذاکرۃً، ثانیاً مطالبۃً یہ کہتے ہوئے کہ ''سل المجرب ولاتسئل الحکیم'' آپ اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں آسان مگر سہل الحصول کتاب طلبۂ دینیات کے لیے مرتب فرمائیں۔

چناں چہ قاری صاحب جن کا شمار جامعہ کے قدیم ترین اور تجربہ کار رجال میں ہوتا ہے اور آپ صرف تجوید وقراءت ہی کے نہیں بل کہ تفسیر وحدیث و دیگر علوم عربیہ کے بھی کامیاب استاذ ہیں، آپ نے اپنے تدریسی تجربہ کے تحت ایک بہت ہی مفید اور آسان ترین رسالہ بنام تیسیر التجوید صرف ایک ہفتہ میں اللہ کی مدد سے مرتب فرمالیا، جسے میں نے اپنے چشمِ سر سے از اول تا آخر بنظرِ غائر دیکھا، واقع میں کم سن طلباء کی نفسیات اور استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے بالکل آسان الفاظ اور سبک تعبیرات میں الگ الگ عنوانات کے ساتھ جدید اسلوب کو اپناتے ہوئے، اکیس اسباق پر مشتمل رسالہ کو ترتیب دے کر اپنی عارفیت اور سبک مزاجی کا ثبوت دیا اور نام بھی ''تیسیر التجوید'' تجویز فرمایا، جو اسم بامسمیٰ ہے، اور ''طابق النعل بالنعل'' کا مصداق ہے، اس لیے کہ طلبائے دینیات کے لیے جن ابتدائی قواعد کی ضرورت تھی وہی سہل انداز میں تحریر کیے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں سرخ رو فرمائے اور اس رسالہ کے نفع کو عام اور تام فرمائے اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

❀❀……❀❀……❀❀……❀❀……❀❀

7

درر البیان فی توضیح خلاصة البیان

تصنیف: مولانا قاری سید عارف الدین صاحب
صدر شعبۂ تجوید وقراءت جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم وعلى اله واصحابه اجمعين!

تجوید وہ علم ہے جس کا تعلق براہ راست کلمات قرآنیہ کی کیفیت نطق واداء سے ہے، اور معانیٔ قرآن کی طرح الفاظ قرآن بھی مقصود ومطلوب ہیں، اس لیے کہ معانی کی صحت کا مدار الفاظ ہی کی صحت پر ہے، نیز اس علم کا سہارا درایت سے زیادہ روایات صحیحہ متصلہ سے ہے، جس سے علم تجوید کی فضیلت وشرافت عیاں ہوتی ہے، بفضلہ تعالیٰ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا جو علوم قرآنیہ ودینیہ کی ایک عظیم اور منفرد یونیورسٹی ہے، اور اس کے رئیس حضرت مولانا غلام محمد صاحب حفظہ اللہ جنہیں قرآن اور علوم قرآن سے صرف تعلق ہی نہیں بل کہ غایت درجہ کا عشق ہے، آپ نے جامعہ کی اساس ہی قرآن کو بنایا جس کی بنا پر آپ قرآن اور اصحاب قرآن سے بے حد محبت رکھتے ہیں اس لیے کہ قرآن کو سیکھنے اور سکھانے والا گروہ دنیا میں سب سے بہتر اور خیر کا حامل ہے، اور قرآن کی تعلیم میں الفاظ کی تعلیم مقدم ہے، بایں وجہ جامعہ میں اساس ہی سے تجوید کو مستقل حیثیت دی گئی ہے اور اس فن شریف پر مکمل محنت کی جا رہی ہے، فن تجوید وقراءت اپنے اندر مقناطیسی کشش رکھتا ہے، جس کی وجہ سے طلبہ کھنچے چلے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ رئیس محترم کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، اور جامعہ کو پورے عالم کے لیے سرچشمۂ رحمت وہدایت بنائے، اس مبارک اور میمون جامعہ میں ترتیل وتدویر کے ساتھ فن تجوید کی اہم اور مشہور کتابیں مختلف اساتذۂ کرام پڑھاتے ہیں، من جملہ ان کتابوں کے ایک کتاب ''خلاصة البیان فی تجوید القرآن'' ہے، جو برسہا برس سے مدارس اور جامعات

میں داخل نصاب ہے ''خلاصہ'' یقیناً اسم بامسمیٰ ہے جس کا اندازہ پڑھنے پڑھانے سے بہ خوبی ہوتا ہے انتہائی مختصر اور جامع کتاب مگر بے عنوان ہونے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر متعلمین پر اس کا اثر ہوتا رہا، نیز ہمارے جامعات میں جو نسخے مروج ہیں وہ تقریباً غیر محشیٰ ہیں اس لیے جامعہ کے قسم التجوید کے صدر باوقار مولانا قاری سید عارف الدین صاحب جو جامعہ ہٰذا میں تیس برس سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، حق تعالیٰ نے علوم تجوید وقراءت کے علاوہ علوم عربیہ میں بھی مہارت عطافرئی ہے، نیز آپ تقریباً بیس بائیس سال سے کتبِ تجوید کو پڑھاتے آئے ہیں، جب کوئی شخص کسی فن کی کتاب کو دس سال پڑھالیتا ہے تو اس فن میں اس کا قول معتبر مانا جاتا ہے، مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر حضرت قاری صاحب نے ضرورت محسوس فرمائی کہ کیوں نہ اس کتاب پر عمدہ عناوین لگائے جائیں، اور تبویب وتفصیل کی جائے اور بزبان عربی پیچیدہ عبارتوں کی توضیح بصورت حاشیہ کی جائے! چناں چہ آپ اس کام کا آغاز آج سے بیس سال پہلے کر چکے تھے، اور پوری کتاب کو بہترین اور معنی خیز عناوین سے مزین کر کے صندوق کے حوالہ کر دیئے تھے، پھر چار سال قبل حق تعالیٰ نے آپ کے قلب میں اس کا خیال پیدا فرمایا، چناں چہ آپ نے طلبہ کے فائدہ کے پیش نظر پھر سے بیڑا اٹھایا اور یہ زمانہ کمپیوٹر کا زمانہ ہے، اس لیے کام کرنا بھی آسان ہوگیا، پہلے ان کاموں کا انجام دینا نہایت دشوار تھا۔

بحمد اللہ حضرت قاری صاحب نے بڑی محنت سے مفصل حاشیہ ترتیب دیا، جسے کمپوز ہو کر تقریباً دو سال ہوگئے، امسال قاری صاحب نے آغاز سال میں پہلے روز ملاقات کے بعد اس بات کا ناچیز سے تذکرہ فرمایا اور طباعت سے متعلق گفتگو فرمائی، چناں چہ میں نے قدیم اور عمیق تعلق کی بنیاد پر ''مکتبہ السلام'' کی معرفت طباعت پر رضامندی ظاہر کی، اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی اس مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے! اور اصل کتاب کی طرح آپ کے حاشیہ کو واقعۃً جو ''درر البیان'' ہے، مقبولیتِ عامہ سے نوازے۔ آمین!

☆☆

......دبستانِ بلاغت......

تصنیف مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

فن، کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف

الحمدلله الذی انزل القرآن تبیانا للناس و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمدن الذی ہو افصح العرب۔ اما بعد!

اللہ پاک نے اس جہانِ رنگ و بو میں انسان کو دو بنیادی صلاحیتیں، انشاء پردازی اور قوت گویائی سے سرفراز فرما کر ساری مخلوق پر شرفِ امتیاز بخشا، کیوں کہ اس روئے زمین پر نسلِ انسانی کے آباد کرنے کا مقصد، اسے خیر کی راہ اختیار کرنے کا مکلّف بنانا ہے جس کے لیے افہام و تفہیم کی صورت ناگزیر ہے اور یہ صورت مؤثر اس وقت ہوتی ہے جب زبان و قلم کی صفائی، الفاظ کی شُستگی و شگفتگی اور ادائیگیٔ مراد کے لیے ان کے استعمال کی برجستگی؛ نیز برمحل بولنے اور لکھنے کا ہنر خوب آتا ہو، یعنی کلام فصاحت و بلاغت کے زیور سے آراستہ ہو، اور جس میں یہ جوہر نہیں، وہ دشواریٔ فہم، بل کہ گراں گوشی اور عدمِ التفات کا عیب پیدا کرتا ہے، جو حصولِ مقصد سے مانع ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک نے موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو فرائضِ نبوت کا مکلّف بنایا، تو وہ بارگاہِ ایزدی میں نیازمندانہ اپنے ضعفِ گویائی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض پرداز ہوئے ” وأخی ھرون ھو افصح منی لسانا فارسله معی “ (القصص ۳۴)۔

تاریخ میں ایک دور وہ بھی گذرا ہے جب عرب اپنی زبان دانی کے زعم میں ساری دنیا کو گونگی سمجھتے تھے، اس وقت اسی ماحول میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عرب کے زعم کے مطابق بہ طور چیلنج دلائلِ اعجاز کی

حیثیت سے قرآن کا معجزہ دیا جاتا ہے جس کا اعجاز، فصاحت و بلاغت کا وہ اعلیٰ معیار ہے جس کی وجہ سے کہنا پڑا کہ ''لاتنقضی عجائبہ و لا یخلق علیٰ کثرۃ الرد'' اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ ''اعطیت جوامع الکلم'' (مسلم) اور کبھی فرمایا ''انا افصح العرب'' (شرح السنۃ)۔

فصاحت و بلاغت، پرکشش، پرتاثیر کلام کا جزء لاینفک ہے، جس سے مختصر الفاظ میں ایک وسیع جہانِ معنی کو سمیٹا جاسکتا ہے اور حکیم ارسطو کا قول کس درجہ بجا ہے کہ ''ان تجعل فی المعنی الکثیر کلاما قلیلا و فی القلیل کلاما کثیرا'' اور کسی کا یہ قول کیسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ ''البلیغ من اغناك عن التفسیر''۔

ہمارے مدارسِ دینیہ میں جو فنون داخلِ نصاب ہیں، ان کی ایک کڑی فن بلاغت بھی ہے؛ جس کا مقصد زبان وادب میں نکھار لانا اور خاص کر قرآن وحدیث جو اصل مقصود ہیں، ان کی تعبیرات و تمثیلات، استعارات و کنایات کو کھولنا اور ان کی فہم میں گہرائی و گیرائی پیدا کرنا ہے، عرصہ سے اس فن کی مختلف کتابیں مثلاً: دلائل الاعجاز، المطوّل، مختصر المعانی اور تلخیص المفتاح'' ہمارے نصاب میں شامل ہیں۔

پھر جب تسہیل کا دور شروع ہوا تو ''البلاغۃ الواضحہ، سفینۃ البلغاء اور دروس البلاغۃ'' جیسی کتابیں نصابِ جدید میں جگہ پائیں، ان سب کا مقصد قرآن و حدیث کی بلاغت سمجھنا اور سمجھانا رہا؛ مگر جوں جوں ذوقِ علم متأثر ہوتا گیا اس اہم فن کو محض عبوری حیثیت سے پڑھا پڑھایا جاتا رہا، جس سے اصل مقصد فوت ہوتا گیا؛ بل کہ بسا اوقات ''النّاس أعداءٌ لما جھلوا'' کے بہ موجب اکثریت اس سے وحشت محسوس کرنے لگی اور یہ فن محض ایک رسمی فن ہو کر رہ گیا۔

ضرورت تھی کہ جدید اسلوبِ نگارش میں اس فن پر کوئی ایسی کتاب معرضِ وجود میں

آتی جو تلا فیِ مافات اور حفظِ ماتقدّم کی دودھاری تلوار کی حیثیت رکھتی اور پختگیٔ علم وحصولِ مقصد میں معاون ثابت ہوتی، خدا بھلا کرے ہمارے جامعہ کے معقولات و منقولات کے سنگم، جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستی پوری (بارک اللہ فی علومہ) کو، کہ انہوں نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا؛ جس کی تکمیل آج آپ کے سامنے ہے۔

یہ کتاب عام فہم جدید امثال، اردو اشعار اور قرآنی آیات سے مزین ہو کر علمی دنیا میں ایسی شاہ کار تصنیف ہوگئی؛ جس کا منفرد طرز، مصنف کو تجربہ کار، متبحر اور کہنہ مشق مصنفین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

آج مدارس جن مایوس کن حالات سے دوچار ہیں اور ہم جس علمی انحطاط کے دور سے گذر رہے ہیں، ایسے میں فنون کی تسہیل وتیسیر کی بنیاد علامۂ وقت، جنیدِ دوراں: حضرت باندویؒ نے رکھی؛ جن کی توجہات سے اصولِ فقہ، منطق، تجوید، نحو وصرف وغیرہ مختلف فنون پر کتابیں وجود میں آئیں۔ مصنف موصوف کا تعلیمی رشتہ چوں کہ جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ سے جڑا ہے نیز حضرت باندویؒ کے مخصوص اور منظورِ نظر تلامذہ میں آپ کا شمار رہا ہے؛ تو کیوں نہ یہ ذوقِ تسہیل آپ میں سرایت کرتا؟ اسی ذوقِ تسہیل نے آپ کو زمانۂ طالب علمی میں فنِ منطق کی مشہور کتاب ''مرقات'' کی شرح ''توضیحات'' لکھنے پر آمادہ کیا، جسے علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ کتاب بھی آپ کی مساعیِ جمیلہ کا عکسِ ثانی ہے۔ قوی امید ہے کہ اس میدان میں یہ کتاب اساتذہ وطلبہ دونوں کے لیے رہبر کا کام دے گی!! ہمیں خوشی ومسرت ہے کہ ''مکتبہ السلام'' کو اس کی طباعت کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اسے قبول فرما کر مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان کے والدین، اساتذۂ کرام نیز معاونین ومحسنین کو بے پایاں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

ار جولائی ۲۰۰۲ء بروز منگل

......کتاب المنطق......

تصنیف مولانا حکیم فخر الاسلام مظاہری الہ آبادی (ایم ڈی)
ٹیچر: احمد غریب یونانی میڈیکل کالج جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندور بار

برصغیر ہند میں کسی اور علم کا اتنا غلط استعمال نہیں کیا گیا جتنا نحو اور منطق کا، منطق کے ماہرین کو اپنی قیاسی بحثوں اور خیالی معلومات پر جو معمولی ناز رہا وہ تو بے جا ہے اور صحت بخش علمی طرز فکر سے بہت دور ہے منطق کا اصل مقصد تو حصول علم میں اس سے مدد لینا ہے، اس سے غور وفکر کی عادت راسخ ہو جاتی ہے اور خیالات کو باقاعدہ ترتیب سے پیش کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے دور عروج میں علوم عقلیہ (منطق وفلسفہ) نے بے انتہا ترقی کی اور طب کے ساتھ بھی یہ علوم لازم وملزوم کے طور پر وابستہ ہو گئے۔ حکیم علوی خان، حکیم علی جیلانی، حکیم اکبر ارزانی، حکیم مؤمن خان، حکیم شریف خان، حکیم اعظم خان اور حکیم عبد اللطیف فلسفی، غرض جس کسی طبیب کی تصنیف وتالیف دیکھی جائے، ان میں منطق و فلسفہ کی اصطلاحات لازمی طور پر پائی جاتی ہیں۔ قدیم اطباء کی تصانیف میں علم ہیئت، فلسفہ اور منطق کی اصطلاحات نہ صرف شامل ہیں بل کہ مسائل کے طرزِ استدلال کا سمجھنا بھی ان علوم کے بغیر دشوار ہے۔ اور غالباً یہ اہم وجہ ہے اس علم کے طب کے نصاب میں شامل کرنے کی۔

دور حاضر میں سائنس اور بایولوجی کے طلبہ کا فن منطق کو پڑھنا اور سمجھنا جب کہ اصطلاحات کی عام فہم تعبیر اور آسان تفہیم نہ ہو، بہر حال دشوار ہے، اسی عام فہم تفہیم کو پیش نظر رکھ کر طلبہ کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے "کتاب المنطق" ترتیب دی گئی ہے،

اس کے اکثر مباحث، جداول اور خاکوں کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں اور آخر میں کچھ تمرین کا اضافہ کیا گیا ہے، نیز امتحان کے طرز پر MCQ بھی شامل کر دیے گئے ہیں تا کہ طلبہ کو تیاری میں سہولت ہو اور زیادہ سے زیادہ مباحث کی مشق اور اصطلاحات کا اجراء ہو سکے۔

جناب حکیم فخر الاسلام صاحب (ایم، ڈی) ایسے مفید اور لائق آفریں کام کے لیے شکریہ کے مستحق ہیں اور ان کے طرزِ تفہیم نے عربی مدارس کے مبتدی و متوسط طلبہ کے لیے بھی اس کتاب کو یکساں طور پر مفید اور قابل استفادہ بنا دیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو قبول عام سے نوازے۔

منالِ اردو

تصنیف مولانا محمد ناظم صاحب ملّی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

اجاڑ طبیعتوں میں جلا پیدا کرنے کے جہاں اور بہت سے ذرائع اور اسباب ہیں وہیں اردو کی شیرینی بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے اس سلسلے کی ایک کڑی اردو زبان کی پہلی سے پانچ مؤلفہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل خان صاحب بھی ہے، ان ہی پانچوں کتب کے مشکل الفاظ کے معانی کے لیے کتاب بنام ''منالِ اردو'' جامعہ کے ایک استاذ رفیق من مولانا محمد ناظم صاحب ملی نے تالیف کی جو معلّمین و متعلّمین کے لیے ایک گائیڈ اور رہنما کی حیثیت رکھتی ہے خدا اس کو مؤلف کے حق میں باعث سعادت بنائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

تمرین المنطق

تصنیف مولانا حسام الدین صاحب قاسمی حیدر آبادی

استاذ مدرسہ خیر المدارس حیدر آباد

حق جل مجدہ نے ایک انسان کو جن خصوصیات وانعامات سے نوازا ہے ان میں ایک نعمت، نعمتِ علم ہے جس کی بنیاد پر وہ ذرہ سے لے کر آفتاب تک پر کمندیں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، جہاز رانی سے لے کر جہاں بانی اور جہاں بینی سے لے کر جہاں گیری کے مقام پر جلوہ افروز ہونا چاہتا ہے، پھر یہ علوم وفنون بھی مختلف ہیں، جو اس انسان نے اپنی تنوع المزاجی کی وجہ سے مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے، کچھ علوم عالیہ ہیں تو کچھ علوم آلیہ، ایک عالم دین کو ان تمام علوم سے وابستگی اور دل بستگی ہی بام عروج پر پہونچاتی ہے،، بہت سے فنون مدونہ ہیں تو کئی فنون باوجود فطری ہونے کے غیر مدونہ ہیں، بچے کا فن شیر خوارگی سے واقف ہونا، دودھ کی طلب پر رونا، پھر ماں کا گندی حالت میں دودھ کا نہ پلانا بچے کا سیرابی کے بعد سو جانا، یہ سب اصول ہیں لیکن غیر مدونہ ہیں، اسی طرح فن جاروب کشی مستقل فن ہے، لیکن اس کے اصول وضوابط غیر مدون ہیں، خدا بھلا کرے ہمارے اسلاف علماء کا کہ انھوں نے قرآن فہمی، حدیث بیانی اور فقہ کی گہرائی و گیرائی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بطور آلہ کے بہت سے علوم وفنون کو ایجاد کر کے امت پر احسان عظیم کیا ہے۔ جزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین

من جملہ فنون آلیہ عقلیہ مدونہ کے ایک اہم ترین فن جسے فطری کہا جاتا ہے وہ علم منطق ہے جو اپنی تعبیرات واصطلاحات کے اعتبار سے اگرچہ غیر لذیذ اور خشک فن محسوس ہوتا ہے؛ لیکن دنیا کے ہر انسان کے لیے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا استعمال ناگزیر ہے مثلاً: ایک شخص بازار سے آم، آلو، شکر لے کر آیا ہوا اس سے دریافت کیا گیا کہ

کیا لائے ہو؟ جواباً وہ کہتا ہے سامان۔ دوسرا شخص آلو، بیگن، ٹماٹر اور پودینہ لے کر آیا ہو اس سے پوچھا گیا کیا لائے ہو؟ وہ کہتا ہے ترکاری تیسرا کوئی صرف دودھ لے کر آیا ہو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا لائے ہو؟ تو وہ کہتا ہے دودھ۔

تو اول نے مختلف الحقائق پر بولی جانے والی جنس کو، دوسرے نے نوع کو، تیسرے نے فصل کو استعمال کیا ہر آدمی جنس، نوع اور فصل کا استعمال کر رہا ہے، اسی طرح مصطلحات منطق میں ایک اہم مرحلہ صغریٰ اور کبریٰ کو ملا کر نتیجہ نکالنے کا ہے، حالاں کہ دودھ میں شکر اور پتی ملا کر نشاط آفریں مشروب تیار کرنا ہمارا رات دن کا مشغلہ ہے؛ لیکن انسان فن کی مصطلحات سے مرعوب ہو کر فن کے مشکل ہونے کا رونا روتا ہے۔

عزیزم مفتی حسام الدین قاسمی سلمہٗ زمانۂ طالب علمی ہی سے محنتی اور سنجیدہ ہیں انھوں نے مجھ سے شرح تہذیب، نور الانوار اور ہدایہ پڑھی ہے، اس وقت حیدرآباد کے ایک وقیع ادارے خیر المدارس میں خدمت انجام دے رہے ہیں موصوف نے منطق کی بیسیوں کتابوں کو سامنے رکھ کر سیکڑوں لکھائی ہوئی تمرینات کو جمع کر کے ایک ''ورک بک'' کی شکل دی ہے جس میں روزمرہ کی مثالوں پر مشتمل (۱۷۶) تمرینات ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسا مدرس جس نے سالہا سال تک فن کی تعلیم دی ہو اس فن کی مشکلات، طلباء کی صحیح ضرورتوں اور ان کے ذہن و استعداد سے واقف ہو سکتا ہے اور اس فن کی چھپی ہوئی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہے، ان سب خصوصیات کی بنا پر اس کی امید ہے کہ یہ کتاب طلبائے مدارس اور طب یونانی پڑھنے والے حضرات کے لیے رہنما ثابت ہوگی، میں نے اس کتاب کو بے حد آسان اور انتہائی مفید پایا ہے، اللہ کرے یہ کاوش منطقی دنیا میں ایک نئی ہلچل پیدا کر دے اور یہ کتاب محبت کے ہاتھوں لی جائے، عقیدت کے ہاتھوں پڑھی جائے، مصنف اور ان کے والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے ارباب مدارس سے گذارش ہے کہ اس کتاب کو نصابی حصے کے طور پر داخل کر کے درسی کتاب کے ساتھ ساتھ اس کی تمرینات حل کروائیں۔ والسلام

۱۰/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ م ۱/جولائی ۲۰۱۲ء

......سعادت جنرنالج......

تصنیف مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم

سابق استاذ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، بھروچ (گجرات)

حال استاذ مدرسہ فلاحِ دارین ترکیسر، سورت (گجرات)

خالق کائنات نے کائنات کو پیدا فرمایا اور حضرت انسان کو جمیع مخلوقات میں اشرف بنایا، بل کہ انسان کو مخدوم اور اشیائے کائنات کو خدام بنایا، جیسا کہ ارشادِ نبوی ؑ ہے "الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ"۔

جب دنیا ہمارے لیے ہے، تو ایک مخدوم کو اپنے خدام سے کیا خدمت لینا چاہئے اس کا علم جب تک نہ ہو وہاں تک اس کی مخدومانہ شان مخدوش سی نظر آئے گی اس لیے مخدوم کا اپنے خدمت گار اور طریقۂ خدمت سے واقف ہونا اشد ضروری ہے خواہ وہ دائرہ خدمت بحر و بر کی واقفیت سے ہو یا ممالک عالم سے، یا عدالت و عدلیہ سے، یا سیاسیات و تمدن سے، یا ریل سے ہو یا ڈاک خانہ سے، یا وہ معلومات ہند و بیرون ہند سے متعلق ہوں یا تنظیمات اسلامیہ کے سلسلہ میں، یا تناسب آبادی کے باب سے ہوں۔

الغرض دنیا اور احوال دنیا سے واقفیت بہت ضروری ہے اس سلسلہ میں ہمارے اکابرین واسلاف کی توجہ بھی خاصی رہی ہے، تمام تر معلومات ایک عامی آدمی کو بقدر ضرورت اور عالم کو وافر مقدار میں ہونا ضروری ہے، بالخصوص مجدد ملت، حکیم الامت حضرت تھانویؒ بہشتی زیور کے حصہ دہم، یازدہم شاہد عدل ہیں، کہ وہ انسان کو انسان بنا کر رکھنا چاہتے تھے کہ وہ کسی مرحلہ پر نرا جاہل یا دنیا سے بے خبر نہ ہو۔ چناں چہ مربی مکرم حضرت مونا لاعبداللہ صاحب کاپودروی جن کو حالات حاضرہ کا نباض اور معلومات عامہ

کا خزینہ کہا جاسکتا ہے، یہ ان کی تربیت کا ہی اثر ہے، کہ فلاح دارین میں یہ ذوق بالخصوص پروان چڑھا، اساتذۂ کرام میں حضرت الاستاذ مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم اور برادرِ کبیر حضرت مفتی عبداللہ صاحب رویدروی کے ذوق لطیف نے مزید مہمیز کا کام انجام دیا ان مذکورہ بالا شخصیات کی مخلصانہ توجہات کا نتیجہ کہ رفیق محترم صالحیت وصلاحیت کا سنگم مظہر سعادت کے قابل ومقبول استاذ جناب مولانا احمد صاحب ٹنکاروی حفظہ اللہ نے ایک ایسی کتاب تیار کی جو بغور دیکھا جائے تو ہر عامی کے لیے رکھنا ضروری، ہر عالم کے لیے جزء لاینفک، ہر مسافر ومقیم کے لیے سامان راحت جس میں معلومات مختصر مگر ہر زاویہ اور گوشہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے جامعیت ومانعیت کا ایسا گلدستہ جو دریا بکوزہ کا صحیح مصداق ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف اور مصنف کو جن کی اولین تصنیف ہے۔

خدا کرے یہ خشتِ اول دنیائے تصنیف وتالیف میں وہ مقبولیت حاصل کرے جس کے نتیجہ میں مصنف کو مزید جدید وضروری مضامین پر قلم اٹھانے کا حوصلہ ملے اور ان کی قلمی کاوش طویل عرصہ تک لوگوں کی رہنمائی ورہبری کا کام کرتی رہے بہر حال مصنف کی یہ کتاب کتنی مفید، کتنی معلومات افزاء، کیسی جنرل معلومات اور کیسا انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کا علم تو قاری پڑھنے اور استعمال کرنے سے محسوس کرے گا اور خود فیصلہ کرے گا۔

کتب خانوں کی در ودیوار جس قسم کی کمی کا زبان حال سے شکوہ کرتی تھی یہ کتاب اس کی تلافی کرے گی، میں مصنف کو اپنے قلب کی گہرائی سے مبارکباد دیتے ہوئے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ پاک اس کتاب کو مقبول عام وخاص بنا کر اس کو خیر الناس من ینفع الناس کا مصداق بنائے باقی سچ یہ ہے کہ ''عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید''۔ والسلام

۱۰ ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ م ۱ ر جولائی ۲۰۱۲ء

گوہرِ نایاب

جمع و ترتیب: مولانا محمد شہاب الدین صاحب اشاعتی
استاذ دارالعلوم سیندھوا، ضلع بڑوانی، ایم پی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہٖ الکریم، امابعد!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "الدین النصیحة" (بخاری)

اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں "بایعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النصح لکل مسلم" (مسلم) اس کے پیش نظر ہر مسلمان قریبی ہو یا بعیدی اپنا ہو یا پرایا، آشنا ہو یا نا آشنا، شہری ہو یا دیہاتی، امیر ہو یا غریب؛ سب کا وطیرہ یہ ہونا چاہئے کہ عقائد کی درستگی، عبادات کے اہتمام، حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ہر مؤمن کے ساتھ خیر خواہی، ہمدردی کو اپنی طبیعت بنالے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل، انداز واطوار سے یہی سبق دیا ہے، چناں چہ میزبانِ رسول حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کی ریش مبارک میں کوئی تنکا تھا جس کو انہوں نے بڑے ہی ادب اور احتیاط سے نکال کر باہر کیا، ان کی اس ادا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی مسرت ہوئی کہ آپ کی لسان پر رسالت سے یہ دعا صادر ہوئی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ارشاد فرمایا "اللھم لایصیبك شئ من سوء ابدًا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے تنکے کو الگ کرنا ایک جذبۂ خیر خواہی ہے جو بظاہر بہت معمولی لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسرور ہو کر دعائے خیر کی سوغات سے نوازنا اس سے بھی بڑی خیر خواہی ہے۔

بہر حال ہر آدمی اپنے اپنے ظرف اور وسعت کے مطابق امت اور افراد امت کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے اور کرنا چاہیے ، زیر نظر کتاب ''گوہرِ نایاب'' بل کہ کمیاب جس میں عزیز مصنف نے اپنی تلاش و جستجو کے دائرے میں رہ کر آیات قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ، اقوالِ علماء، ملفوظاتِ اولیاء اور تجرباتِ دانشوران کا ایک حسین گلدستہ تیار کیا ہے جو درحقیقت کتبِ دینیہ معتبرہ کی ورق گردانی بل کہ علمی سمندر میں غوطہ زنی کر کے نکالے ہوئے گوہرِ آب دار ہیں جو ہر قاری کی روحانی زندگی کے لیے آبِ حیات کے برابر ہے۔

مؤلف نے ہر ملفوظ، ہر جواہر پارہ باحوالہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور معتبر علماء کرام سے داد تحسین اور سند اعتبار بھی حاصل کیا ہے، مرتب موصوف جناب مولانا شہاب الدین صاحب اشاعتی طالب علمی کے زمانہ ہی سے راقم الحروف سے وابستہ رہے، نمازوں کا اہتمام، سبق کی پابندی، حضرت رئیس جامعہ کی اطاعت، ہر استاذ کی خدمت، طبیعت میں سادگی اور متانت موصوف کی زندگی کا خاصہ رہی ہے۔ جامعہ کی ایک ممتاز شاخ ماشاء اللہ دارالعلوم سیندھوا جو مولانا شہاب الدین کا میدان خدمت ہے، ایم پی کا بافیض ادارہ ہے جس کے روح رواں جناب مولانا یعقوب خان پوری دامت برکاتہم ہیں، جہاں مشکوٰۃ تک تعلیم ہے، موصوف اس ادارے کے محنتی استاذ ہیں، انہوں نے تصنیفی میدان میں پہلا قدم رکھا ہے، جسے تربیتی میدان کہنا چاہیے، ان کی یہ کاوش قابلِ قدر، قابلِ تحسین اور قابلِ استفادہ ہے، مدرسہ کے معلمین، متعلمین بل کہ اسکول و کالجز، کم فرصت احباب بھی اس کتاب سے خوب خوب مستفید ہو سکتے ہیں، خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو۔

اللہ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اساتذہ اور ان کی مادر علمی کے لیے ذخیرہ دارین بنائے، ان کے والدین کے دل کا سکون وقرار بنائے۔ آمین

۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق: ۱۲؍ مارچ ۲۰۱۴ء

……اشاعتی بیت بازی……

جمع وترتیب مولانا ولی اللہ صاحب ولی قاسمی بستوی

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

<u>چشمۂ اشاعت العلوم کا ایک فیضانِ جدید</u>

الحمدللہ! جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، اپنے ۳۰؍ سالہ ہمہ جہتی، قرآنی علمی، دینی، ملی اور سماجی خدمات میں جہاں معروف ہوکر رضائے باری کے حصول میں کوشاں ہے وہیں لسانی، قلمی اور ادبی اعتبار سے اپنے طلبہ واساتذہ کو تحریک وتشجیع کے ذریعہ اردو شعروادب کے پلیٹ فارم سے بھی نسلِ نو کی ذہنی پرواز کو کیسے جلا ملے اس کی سعی وکوشش کررہا ہے۔

چناں چہ جہاں جامعہ کے آنگن میں دیواری اور جداری پرچوں کے ذریعہ ان کی نثری اور قلمی صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تو کہیں مساجلۂ شعریہ کے ذریعہ عربی اشعار کو حفظ کرانے کے لئے اساتذہ کی ایک ٹیم مصروفِ کار ہے، تو کہیں بزمِ شعروادب کی زیرِ نگرانی اردو بیت بازی کا انعقاد بھی کیا جارہا ہے، یہ سلسلہ اس وقت پُر بہار وپُر شباب نظر آیا جب حضرتِ وستانوی مدظلہ کے ایماء وحکم پر اور عزیزم مولانا محمد حذیفہ سلمہٗ کی تحریک وتحریض سے سالِ گذشتہ بتاریخ ۴؍ رجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۷؍ جون ۲۰۱۰ء مسابقۂ بیت بازی تزک واحتشام، آن وبان اور شان سے منعقد ہوا، جو جامعہ کی تاریخ میں ایک یادگار باب بل کہ ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کا ایک روشن باب ہے۔

اس پورے پروگرام کی کامیابی اور نیک نامی کا سہرا بلا کسی تکلف کے کہا جائے تو یہ ہے کہ جناب مولانا ولی اللہ صاحب ولی قاسمی بستوی کے سر جاتا ہے، جنھوں نے بلا کسی

ذاتی مفاد کے صرف حضرتِ رئیس جامعہ کے منشا کو سمجھ کر پتّہ مار زحمت کے ذریعہ طلبہ کو اشعار یاد کرائے، بل کہ اسلوبِ القاء وصحتِ تلفظ سے بھی آراستہ کیا۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء

لیکن اللہ بھلا کرے عزیزم مولانا حذیفہ سلمہٗ کا کہ انہوں نے آغازِ شوال ۱۴۳۱ھ میں ایک تحریر کے ذریعہ مولانا موصوف کو توجہ دلائی کہ سنجیدہ اور تعمیری ذہن سازی پر مشتمل ایک ایسا شعری مجموعہ تیار کیا جائے جو نہ صرف طلبۂ جامعہ تک محدود ہو، بل کہ تمام مدارس کے طلبہ اس سے فیض یاب ہو کر اپنے ذوقِ ادب اور ذوقِ شعری کو پروان چڑھائیں۔

زیرِ نظر مجموعہ اسی حکم کی تعمیل اور اسی خواب کی حسین تعبیر ہے، یقیناً اس مجموعے کو تیار کرنے میں مولانا موصوف کو کن کن دشوار گذار راہوں اور گھاٹیوں کو طے کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ ان کے علاوہ اور کسی کو کیا ہو پائے گا، مگر مطالعۂ کتاب کے دوران اتنا ضرور مستحضر رہے کہ یہ کتاب ۱۵۰؍ چیدہ چیدہ گلوں سے بنا گلدستہ ہے، جس میں جوش وخروش بھی ہے اور ہوش وحواس بھی، سلیقہ مندی کی جھلک بھی ہے اور ادب شناسی کے گُر بھی۔

الغرض جس جس زاویہ سے کتاب کو دیکھیں ہر اعتبار سے معتبر ہے اور ہاں یوں تو بیت بازی کے موضوع پر کتابیں اور بھی دستیاب ہیں لیکن یہ کتابِ متذکرہ ان پر فائق اعلیٰ اور بالا ہے، کیوں کہ اس میں اشعار مع تعیین شعراء اور مآخذ ومراجع سے آراستہ وپیراستہ ہیں، بل کہ مجھے یہ لکھنے کی اجازت دی جائے کہ متعلقہ موضوع پر یہ کتاب البیلی اور انوکھی ثابت ہوگی، خاص طور پر وابستگانِ جامعہ کے لیے مولانا موصوف ایک نعمتِ گراں مایہ ہیں، کہ کسی زمانہ میں ہم فی البدیہہ، زود گو، منظر کش، اس قسم کے شعراء کا تذکرہ سنتے تھے لیکن ہمارے لیے یہ چیز باعثِ افتخار ہے کہ ہمارے درمیان بھی ایسا صاحبِ اوصاف شاعر، رواں دواں ہے جو ان اوصاف کا حامل ہے۔

صرف بطورتائید ذکر کردوں کہ ایک مدرسہ کے استاذ نے ترانہ بنانے کی کوشش کی اور استاذِ محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب قاسمی گوالیاریؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر سورت گجرات کو تصویب کے لیے پیش کیا تو آپؒ نے فوراً اس استاذ کو فرمایا کہ یہ تم کس چکر میں پڑے ہو، اگر تم کو ترانہ ہی چاہیے تو اکل کوا کے مشہور شاعر مولانا ولی اللہ صاحب ولی قاسمی بستوی کو معلومات بھیج دو اور جب چاہو جیسا چاہو ترانہ تیار ہو جائے گا، حضرت مرحوم کا یہ جملہ مولانا ولی صاحب کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ ’’لکل شئ مقال ولکل فن رجال‘‘۔

ولی بستوی صاحب ہی کے فیضِ صحبت کا یہ اثر ہے کہ احاطۂ جامعہ میں بھی بہت سے خورد و کلاں مشقِ سخن کے ذریعہ، طائرِ شعر و ادب بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری مخلصانہ عاجزانہ اور برادرانہ دعا ہے کہ حق جل مجدہ آں موصوف کو صحت و عافیت نصیب فرمائے اور عمرِ طویل سے نوازے۔ تاکہ حضرتِ حسان بن ثابتؓ کے نقشِ قدم پر چل کر اسلام و مسلمانوں کے لیے آپ کے اشعار تائید و توثیق کی خدمت انجام دیں۔

میری نہ صرف طلبۂ جامعہ بل کہ طلبۂ فروعاتِ جامعہ بل کہ تمام مدارسِ اسلامیہ اور عصریہ کے طلبہ اور تمام ہی ادب نواز حلقوں سے گزارش ہے کہ اس کتاب کو محبت کے ہاتھوں سے لے کر الفت کے پلکوں سے پڑھیں اور اس کی مضامینِ نو کو عقیدت کے پھول سمجھ کر دل میں بسائیں اور عملی جامہ بنا کر اپنے لیے اور مصنف کے اساتذہ اور والدین کے لیے ذریعۂ نجاتِ اخروی اور ہدایتِ دنیوی کا سبب بنے۔ آمین ثم آمین

فقط اخوکم فی اللہ عبدالرحیم فلاحی

۸؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق: ۱۲؍فروری ۲۰۱۱ء

......گلبانگ عنادل......

جمع و ترتیب: مولانا سید خلافت علی صاحب ملّی

ناظم مدرسہ کافیۃ العلوم، اڑاودتعلقہ چوپڑا

قلم برداشتہ

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ، خالق کائنات، رب ارض وسماء نے جہاں اشجار واحجار، حیوانات وجمادات، بحروبراور عرش وکرسی جیسی بے شمار مخلوق کو پیدا فرمایا اوراپنی شان خالقیت وقدرت کو ہر چھوٹی بڑی، عرشی وفرشی، ارضی وسماوی مخلوق پر ظاہر فرمایا، جس کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے، کہ

وَفِیْ کُلِّ شَیءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ..........تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

تو خود باری تعالیٰ نے، مخاطبینِ قرآن کو مخاطب کرتے ہوئے دعوت عبرت و استدلال دیا ہے چناں چہ ارشاد فرمایا ''رَبَّنَامَاخَلَقْتَ ھٰذَابَاطِلاً '' (ال عمران:۱۹۱) جس کا ترجمہ شاعری زبان میں یوں کیا جاسکتا ہے ۔

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں نہیں برا کوئی قدرت کے کارخانے میں

بہر حال اس طویل وعریض مخلوقات کی فہرست میں باری تعالیٰ کی ایک ایسی بھی مخلوق ہے جس کے بارے میں خود باری تعالیٰ نے امتناناً یوں فرمایا ''لَقَدْخَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (التین ٤) اور کہیں ارشاد فرمایا ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَابَنِیْ اٰدَمَ وَحَمَلْنَاھُمْ فِی الْبَرِّوَالْبَحْرِ'' (الاسراء ۷۰) غرض کہ باری تعالیٰ نے مخلوقات میں سب سے ممتاز اوصاف کا حامل حضرت انسان کو بنایا اور ایسا بنایا کہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کو بھی ممنوع فرمایا، جس کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے کہ ۔

نہ دیکھ اے چشمِ عدو مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ -- جس پہ خالق کو بھی ہے ناز وہ انسان ہوں میں

جس انسان کو ترچھی نگاہ سے دیکھنا بھی اس کے خالق و مالک کو گوارہ نہ ہوا، اس کو جن اوصاف حسنہ کا حامل اور جن افعال کا مکلّف بنایا ہے، وہ بھی لا جواب ولا ثانی ہے، چناں چہ فرمایا گیا ''وَمَنحَهُ النُّطقَ '' اللہ پاک نے اس کو قوت تکلم و گویائی بالفاظ دیگر، احساسات و ادراکات کو تعبیر کرنے کا ملکہ وسلیقہ عطا فرمایا ہے، پھر یہ انسان اپنے مافی الضمیر کو دو صورتوں میں ادا کرتا ہے:

ایک بصورت کلام منثور دوسرے بصورت کلام منظوم

پھر کلام منثور، عام بول چال سے لے کر حقائق ودقائق، عمیق سے عمیق مضامین کی افہام وتفہیم کا ایک اعلیٰ ترین ذریعہ اور اغلب طریقہ ہے، لیکن انسان چوں کہ نغمہ سنج اور نغمگی مزاج واقع ہوا ہے، اس لیے کلام منظوم کے ذریعہ بھی بسا اوقات مضامین کو قافیہ بندی کی لڑی میں پرو کر پیش کرتا ہے، کہ سامعین اس کلام سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور اس کا یاد رکھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ معاً انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشارات، استعارات، تمثیلات وغیرہ سے گفتگو کرنے کا ملکہ بھی عطا فرمایا ہے، اور ان صناعات بدیعیہ اور تعبیرات بیانیہ معنویہ کا استعمال، کلام منظوم میں بکثرت ہوتا ہے، اس لیے کہ کلام منظوم، معانی کا بحر ذخّار ہوتا ہے۔ اشعار اور کلام منظوم کی بہت سی اصناف ہیں مثلاً: حمد، نعت، مدح ومنقبت، تہنیت، مرثیہ، طنز ومزاح، قصیدہ، بیت، رباعی، مخمس، مسدس، قطعہ اور بیت بازی وغیرہ وغیرہ۔ جو اربابِ ذوق اور اصحابِ ادب سے مخفی نہیں۔

اشعار کے ذریعہ تشجیع بھی ہوتی ہے اور تحریض بھی، ترغیب بھی ہوتی ہے اور ترہیب بھی، اشعار حوصلہ مند بھی ہوتے ہیں اور حوصلہ شکن بھی، خود اعدائے اسلام جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشی اشعار پیش کرتے تو حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے شعراء دربار رسالت سے دفاعی اشعار

پیش فرماتے، بل کہ ایک مرتبہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو ''أللّٰھم أیّدہ بِروح القُدُس'' کی دعاء سے بھی نوازا اور کبھی تو رسالت مآبؐ کی لسان پُرصداقت پر ارتجالاً اشعار جاری بھی ہو جاتے تھے، جیسے:

انا النبی لا کذب..........انا ابن عبد المطلب

بہر حال حضرات شعراء جس طرح اشعار کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتے رہتے ہیں، امت کے ایک طبقہ نے ادبی دنیا میں اشعار کو یاد کرنے اور حفظ کرنے کے سلسلہ کو بھی جاری رکھا ہے، کوئی دیوان کا حافظ ہوتا ہے، کوئی مخصوص موضوع کے اشعار کا۔ مدارس کی دنیا میں محفوظات کا ایک مستقل شعبہ ہوتا ہے، مثلاً:

محفوظاتِ مفردات، محفوظاتِ مرکبات، محفوظاتِ ادبیات، محفوظاتِ حسنِ تعبیرات، محفوظاتِ کنایات، محفوظاتِ روایات اور محفوظاتِ اشعار وغیرہ۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں گرچہ حساب کی آسانی کے لیے کیلکولیٹر، کسی چیز کو محفوظ رکھنے کے لیے میموری کارڈ اور کسی چیز کی یادداشت کو باقی رکھنے کے لیے ڈیجیٹل ڈائری وغیرہ اشیاء وجود میں آ گئی ہیں، لیکن قادر حقیقی اور خلاق عالم نے ہر چیز کو محفوظ اور دائم وقائم رکھنے کے لیے جو قوت حافظہ عطا کیا ہے اس کی افادیت وہمہ گیریت کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

باری تعالیٰ نے کلام منظوم کے محافظوں اور تخلیق کاروں کی بھی دو قسمیں بنائی ہیں: ایک ہوتا ہے تخلیق کار، اشعار ساز۔ دوسرا ہوتا ہے محافظ اشعار (اشعار کا حافظ) بل کہ محافظ خزینہ اشعار۔

زیر نظر کتاب دنیائے محافظ اشعار کی ایک جھلک ہے، اس کتاب کے جامع سادہ لوح سادہ مزاج، سراپا خلوص، مرنجا مرنج طبیعت کے مالک، جامعہ کی شاخ کافیة العلوم

اڑادو کے ناظم اسم بامسمّٰی مولانا سید خلافت علی ملّی مدظلہ کے محفوظ خزانۂ اشعار کا ایک نمونہ ہے، جس میں کم وبیش ۱۶۰۰/اشعار حروف تہجی کی ترتیب سے اور ۷۰/کے قریب بذلہ سنجیاں ہیں۔

گویا یہ کتاب ادبی دنیا کی ایک شاہکار کتاب ہے، جس کو بڑی عرق ریزی اور جہد مسلسل سے جمع وترتیب سے مزین کیا گیا ہے، بہت ہی کارآمد اور مفید ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ موصوف مرتب کا مادرِ وطن، ادب شناسوں، ادب نوازوں اور اہلِ ادب کے قدردانوں کی سرزمین یعنی قصبہ مارول ہے، جس کی مٹی اور خمیر میں ادب کی آمیزش ہے، تو دوسری طرف جناب موصوف کا مادرِ علمی شہر مالیگاؤں ہے، جس کو ادیبوں کا مسکن اور مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، بالخصوص مصنف کا علمی گہوارہ معہد ملت کا ادبی خوش نما، خوش فضا ماحول نیز ان کے خصوصی اور ہر دل عزیز استاذ، ادیب واریب، محقق زماں، حضرت علامہ مولانا محمد حنیف صاحب ملّیؒ جن کے فیضِ نظر نے کتنوں کو ذرے سے آفتاب بنایا اور علم وادب سے خالی اور عاری کو زیورِ علم وادب سے آراستہ کیا، اس اعتبار سے مولانا سید خلافت علی صاحب کو ادبی دنیا کا مجمع البحرین کہا جاسکتا ہے اور ادیب الطرفین بھی۔

مولانا موصوف کی کتابِ مذکور جہاں جامع کی قوتِ حافظہ کو داد تحسین دے رہی ہے وہیں ہر زمانہ بالخصوص اس دور کے طلبہ کے لیے مشعل راہ بھی ہے اور بیت بازی اور اشعار فہمی کے لیے راہ نما اور دلیل بھی، یوں تو دنیائے ادب میں بیت بازی کے عنوان پر عرفان خلیلی کی ''بیت بازی'' حامد اقبال صدیقی کی ''معیار بیت بازی''سلیم مالیگانوی کی کتاب ''شعروں کا کھیل'' اور ''بیت بازی'' اور چند سال قبل ولؔی بستوی کی ''اشاعتی بیت بازی'' اس میدان میں قابل قدر کتابیں معرضِ وجود میں آچکی ہیں، لیکن ''عکس ثانی از اول بہتر است'' کے اعتبار سے یہ کتاب مدارسِ دینیہ جو اس دور میں روایاتِ اردو کے

پاسبان ہی نہیں بل کہ محافظ اور خدمت گار بھی ہیں؛کے طلبہ وطالبات نیز اردو اسکول، اکیڈمیاں اورانجمنوں وغیرہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔

اردو کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے یہ کہنے کی جرأت کرر ہا ہوں کہ یہ کتاب اشعار کی معنویت، جامعیت اور سہل الحصول اور تعیین شعراء میں محطاط اور زبان کی شگفتگی اور روانی میں لاجواب ہے۔ آیئے !ہم سب مل کر کتاب کو محبت کے ہاتھوں لیں،عقیدت کے لبوں سے گنگنائیں اورامت اورافرادِامت کی رہنمائی اور ذہن سازی کے لیے اس کتاب کو بھی اساس وبنیاد بنائیں، اللہ کرے یہ کتاب اپنے مقصد برآری میں کامیاب ہواور تعمیری ادب میں نمایاں کردار ادا کرے۔

کتاب کو جہاں دنیائے ادب کے بے تاج بادشاہ ''راز ماروَلی'' کا اعتبار واعتماد ادب نواز قاضی اختر علی کا وثوق حاصل ہے اور دنیائے علم وادب کے شناور معہدِ ملت کے استاذ مولانا زبیر احمد صاحب ملّی کی تقریظ نے مستحکم بنایا ہے، تو وہیں عصری ودینی تعلیم کے مجدد خادم القرآن، مربی علماء وصلحاء، محبوبِ اکابرین حضرت رئیس الجامعہ دامت فیوضہم کی دعائیہ تحریر نے چار چاند لگا کر مزید مزین ومستحکم بنادیا ہے، نیز جن جن حضرات نے کتاب کو ٹائپنگ سیٹنگ اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گذار کر طباعت کے مرحلے میں لانے کے لیے پِتّہ مار محنت اور جہد مسلسل کی ہے، ان میں ہمارے جامعہ کے شعبۂ تجوید کے استاذ جناب قاری حسین احمد صاحب معروفی قاسمی (اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے)بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

اللہ پاک سب کو اجر جزیل نصیب فرمائے ، کتاب کو خود مصنف اور ان کے والدین، اساتذہ، متعلقین ومتوسلین کی، دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں ترقیٔ درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق نومبر ۲۰۱۵ء

تذکرہ اکابرینِ تبلیغ

تصنیف حضرت مولانا نظام الدین صاحب قاسمیؔ سیتامڑھی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اللہ جل جلالہ کی شان کریمی اور شان ربوبیت کا کیا کہنا جہاں اس ذات نے ہمیں صفت خالقیت کے ناطے پیدا فرما کر وجود بخشا وہیں اس نے ہماری تربیت و پرورش کے لیے بھی انبیاء کی بعثت، کتب سماویہ وصحف کا نزول اور صحابہ، صلحاء، اولیاء کی شکل میں رجال اللہ کو پیدا فرمایا جس کا حسین سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ جیسا کے سنن ابوداؤد کے حوالہ سے مشکوۃ، کتاب العلم فصل ثانی کی ایک روایت سے اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے ''عن أبی ھریرہؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،قال ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الأمۃعلی رأس کل مائۃسنۃ من یجددلھادینھا ''جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امت کی نفع رسانی کے لیے ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو بھیجتے رہیں گے جو امت کے لیے تجدید دین کا کام کرتا رہے گا۔ علماء اہل حق کا یہ نظریہ بھی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجدید دین کا یہ کارنامہ کبھی شخص واحد سے تو کبھی جماعت واحدہ سے لیتا ہے، اس صدی میں علماء کی ایک جماعت کا رجحان یہ ہے کہ جماعت تبلیغ بھی مجددین کی جماعت ہے، اس پوری جماعت کے مجاہدات، ریاضات آہ وفغاں امت کے لیے تڑپنا، ایک حسین انقلاب، ایک دینی معاشرہ آداب وسنن کی تبلیغ اپنے جان ومال خرچ کرنے کا جذبہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مؤمن کے قلب میں ایمان کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی فکر پیدا ہو، چناں چہ خدا بیزاری، خدا

فراموشی کا ماحول کم ہو کر ذکر خدا یا خدا کا ماحول بننے لگا، اس جماعت کا منشور کچھ اس طرح ہے کہ ؎

ایک نظام ایسا زمانہ میں بنایا جائے
کہ قلب انسان میں ایمان ہی پایا جائے
جو قدم اٹھے شریعت کے نہ باہر پہونچے
وعدہ کر کے سدا اس کو نبھایا جائے
کامیابی اگر تو چاہے فلاحؔی تو سن
قیمتی وقت جماعت میں لگایا جائے

اس سے پتہ چلا کہ اس جماعت نے زمانہ کی رنگینیوں سے ہٹ کر انسانوں کے قلوب میں معرفتِ رب، شریعت کا اہتمام، اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کے علاوہ کوئی اور ہدف نہیں بنایا۔ جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ جیسے مخلص ترین بزرگ اور جس کے مؤید حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ جیسی شخصیات رہی ہوں، جس کے رکن اعظم محدث دوراں حضرت شیخ زکریاؒ جیسی خالص علمی و روحانی شخصیت رہی ہو اور جس کے اکابرین میں حضرت مولانا یوسف (حضرت جی دوم) کاندھلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسن (حضرت جی ثالث) حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ، حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلویؒ، لسان التبلیغ حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوریؒ، فنافی التبلیغ حضرت مولانا محمد سلیمان جھانجھیؒ، میاں جی محرابؒ، مولانا سعید خان صاحب مکیؒ، حضرت مفتی زین العابدینؒ، حضرت مولانا طارق جمیل صاحب، حضرت

مولانا احمد لاٹ صاحب، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ، حضرت مولانا موسیٰ صاحب سامرود، حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ، مولانا سعد صاحب کاندھلوی، مولانا یونس صاحب پالن پوری، جیسی شخصیات جو دعوت الی اللہ کے حسین سلسلہ کی زریں کڑیاں ہیں۔ بعض دعوت الی اللہ کو طبیعت ثانیہ بنا کر واصل بحق ہو گئے، اور یہ کہتے ہوئے چل بسے کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ کی کچھ ایسی ہستیاں ابھی بقید حیات ہیں اور ان کا دعوتی سلسلہ اسی نہج پر جاری اور ساری ہے جس نہج پر ان کو ان کے بڑوں نے لگایا تھا، چناں چہ ایک مرتبہ دعوت وتبلیغ کے خاموش مُدَبِّر حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ دعوت کا تعارف کرائیں، تو بڑے انوکھے اور جامع انداز میں منظوم تعارف کچھ اس طرح کرایا ؎

شب تاریک میں ان ہی سے کہنا ان کے بندوں کی
انہیں سے جوڑنا بندوں کا رشتہ دیں کی محنت ہے
متاعِ بے بہا ایماں کو سمجھے صاحب ایماں
اسی معیارِ محنت پہ یہ تبلیغی جماعت ہے

اللہ پاک ان اکابرین باصفا کے سایہ کو امت مسلمہ پر عافیت وعزت سے برقرار رکھے اور اس مقدس جماعت کی ہر طرح نصرتِ غیبی ہوتی رہے، ہر طرح کے داخلی خارجی فتنوں سے اللہ محفوظ رکھے اور اس جماعت کا فیض جاری وساری رہے۔

خدا بھلا کرے اور جماعت علماء کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے جامعہ اکل کوا کے باوفا ومخلص، قدیم استاد، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ مولانا نظام الدین صاحب قاسمی سیتامڑھی کو، جن کو اللہ نے تصنیف وتالیف کا بڑا صاف ستھرا ذوق نصیب فرمایا ہے جن کے قلم گوہر بار سے ڈیڑھ درجن سے زائد تصنیفات معرض وجود میں آچکی ہیں۔

حسبِ توفیق، حسبِ موقع، حسبِ ضرورت لکھتے ہیں اور جامع مفید موضوع کا انتخاب فرماتے ہیں، ابھی آئندہ ہفتہ احاطۂ جامعہ میں ۲۶/۲۷ر نومبر کو نندور بار و دھولیہ کے پرانے احباب کا جوڑ طے کیا گیا، اس مناسبت سے اللہ نے ''تذکرۂ اکابرینِ تبلیغ'' لکھنے کا جذبہ اور حوصلہ نصیب فرمایا، حق جل مجدہٗ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو بارآور فرمائے۔ اس تصنیف کو آپ کے والدین اور اساتذہ کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے، اس کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ نصیب فرمائے۔

آپ کی کتاب احبابِ دعوت کو اپنے بڑوں سے وابستہ کرنے کا سبب بنے، اور یہ قلمی دنیا کا مسافر اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے میں تعب وتکان کا شکار نہ بنے۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

۱۲ر نومبر ۲۰۱۳ء بروز منگل

......حیاتِ وستانوی (منظوم)......

نتیجۂ فکر مولانا ولی اللہ صاحب ولیؔ قاسمی بستوی

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

عن ابی ھریرۃعن سول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال ان اللہ عزو جل یبعث لھٰذا الأمتہ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا(ابو داؤد)

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سنت اللہ یہ جاری ہے کہ ہر دور وہر زمانہ ہر علاقہ اور خطہ میں کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ کبھی نبی، کبھی صحابی، کبھی ولی، کبھی قطب تو کبھی مجدد کی شکل میں آکرامت کی رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، چناں چہ یہ مجدد یت کا سلسلہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے لے کر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی تک، آج تک کبھی فرد وشخص کی شکل میں تو کبھی جماعت وتنظیم کی شکل میں وجود پذیر ہوتی رہی ہے۔

اور یہ بھی اربابِ علم وفن کی تحقیق، باری تعالیٰ کی یہ سنت کبھی کسی مخصوص دینی تقاضے اور شعبے میں بھی نمودار ہوئی ہے، چناں چہ صاحبِ تذکر وسوانح، خادم القرآن، عامرِ مساجد، ہمدردِ قوم وملت، فخرِ علماء، نازشِ مدارس، حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم ان مؤفق اور منتخب من اللہ اشخاص میں سے ہیں، جن کو دنیائے تعلیم کا بلا مبالغہ مجدد کہنا چاہئے، جنہوں نے میدانِ تعلیم میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، جن کو تجدیدی کارنامہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جو ناخواندہ علاقہ تھا اس کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جو پہاڑوں کے دامن میں سخت جان زندگی گذار رہے تھے، ان کو تعلیم سے روشناس کیا، جو علم کے باوجود میدانِ علم سے محروم تھے ان کے لئے علمی میدان ہموار کیا،

امت کی جو بچیاں تعلیم سے محروم تھیں، مومنات کورس شروع کر کے ان کو والدین کے حق میں قرۃ العین بنایا۔

جو مسلم نوجوان ۱۰/ویں اور ایس ایس سی پاس کر کے بے کار ہو جاتے تھے ان کے لئے ٹیکنیکل کورسز شروع کر کے کسی کو روزگار سے تو کسی کو انجینئرنگ کی ڈگری دلا کر، کسی کو فارمیسی کی ڈگری دلا کر، تو کسی کو ڈاکٹری سے ہم کنار کر کے عزت ورفعت کی زندگی کے گُر سکھائے۔ بہر حال یہ تعلیمی میدان کا ایک انقلاب آفریں اور زرّیں سلسلہ ہے۔ اور بالخصوص جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا اور اس کی ایک سو فروعات، نیز پورے ہندوستان میں مسابقات قرآنی اور علمی کے ذریعہ وہ نہج صحیح سے ہمکنار کیا کہ تقریباً علماء زبانِ حال وقال سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ

بڑی مدت ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

بہر حال خدا بھلا کرے اور اجرِ جزیل وجمیل عنایت کرے ہمارے جامعہ کے مخلص فاضل جناب مولانا حافظ ومفتی محمد غوث اشاعتی کو، کہ انہوں نے اپنے وفا رشعار وفا شناس جذبات سے متأثر ہو کر قیامِ رمضان ۱۴۳۴ھ کے دوران معمولاتِ وستانوی، تہجد کی برکتیں، ذکر کی چاشنی، جفاکشی کی نورانیت، مخلوقِ خدا کی خدمت، جو کچھ دیکھا اُس کو اپنے مشفق ومہربان، سراپا خلوص ومحبت استاذ ومربی جامعہ اکل کوا کے استاذِ ذی شان صاحبِ علم وعرفان، شاعرِ اسلام، حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ولیؔ قاسمی بستوی کے سامنے پیش کر کے ''حیاتِ وستانوی'' مرتب کرنے کی پیش کش کی۔ چناں چہ حضرتِ شاعرِ اسلام نے اس کو گولڈن چانس اور اپنی سعادت سمجھ کر لپک کر قبول ہی نہیں کیا بلکہ بہ

عجلت ممکنہ اس کو دلکش انداز میں صرف دو دن میں مرتب فرما دیا، اور تقریباً ایک سال سے یہ مسودہ اس ہیچ مدان کے حوالہ رہا، مجھے اپنی کوتاہی و کاہلی کا اعتراف ہے کہ جو مولانا ولیؔ صاحب (اللہ ان کو مقامِ ولایت نصیب فرمائے) ہمارے ہر اشارے پر پوری کتاب تیار کر لیتے ہوں، ان کی اس عظیم پیشکش پر قدر افزائی نہ کی جائے تو بندہ، عند اللہ وعند الناس مجرم ہوگا۔ بہر حال حضرت مولانا نے عشقِ محمدی اور محبتِ غلامی میں ڈوب کر اس سوانح کو مرتب کیا ہے اور اس سے قبل درجنوں اکابرینِ مرحومین، جیسے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی، حضرت مولانا ابرار الحق صاح ہردوئی اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے لے کر مولانا محمد سلیمان شمسیؔ، مولانا محمد یعقوب صاحب خان پری اور مولانا محمد طاہر خان صاحب مالیگانوی اساتذۂ جامعہ اکل کوا وغیرہم کی منظوم سوانح اور اکابرینِ موجودین میں سے حضرت مولانا حافظ پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی پاکستانی اور حضرت مولانا شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب پاکستانی سے لے کر خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی وغیرہم جیسے تقریباً ایک درجن حضرات کی سوانح منظوم فرما چکے ہیں۔

یہ کتاب منظوم سوانح ایک خصوصیت وامتیاز کی حامل ہے، اللہ پاک حضرت شاعرِ اسلام کو سلامت رکھے اور ان کے قلم کو مزید جولانی نصیب فرمائے اور اس سوانح کے محرک جناب مولانا مفتی محمد غوث صاحب اشاعتیؔ کو حضرت کی محبت کا پورا پورا اجر نصیب فرمائے اور ان کے ادارے کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔ آمین!

۱۵ / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ

۱۶ / اپریل ۲۰۱۴ء بروز بدھ

اپنی کہانی اپنی زبانی

خود کی تصانیف کے مقدمے اور پیش لفظ

اپنی کہانی اپنی زبانی

3

تحفۂ تراویح

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مقدس کو دیگر کتب سماویہ کی بہ نسبت ایک خاص امتیاز وخصوصیت یہ حاصل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کی محافظت کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی ہے، ارشاد ربانی ہے ''انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحفظون ''(الحجر/۹) ہم نے ہی ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اہل کتاب کے خواص وعوام سب تحریف کتاب کے مرتکب ہوئے اور عذاب الٰہی کے مستحق بنتے رہے، لیکن اس نیلے آسمان کے نیچے اور فرش خاکی پر اگر کوئی کتاب جو اپنے اصل خدوخال اور اسی آن بان اور شان سے باقی ہے جو نزول کے وقت تھی تو وہ صرف قرآن مجید ہی ہے۔

پارے بھی بے کم وکاست، رکوع میں بھی کوئی پھیر وبدل نہیں، نقطوں اور شوشوں میں بھی کوئی تغیر وتبدل نہیں، لیکن ہاں یہ بات ہے کہ جوں جوں ہم خیر القرون اور قرآن کے عہد نزول سے دور ہوتے جا رہے ہیں، ویسے ویسے ہم مضامین قرآنیہ کے تذکیری، موعظتی پیغام سے نا آشنا اور نابلد ہوتے جا رہے ہیں، علامہ اقبالؒ نے ہماری زبوں حالی کی صحیح عکاسی کی ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تجھے پاس نہیں
کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

ہر شخص کھوکھلے دعویٰ وفا کے ساتھ روحانیت سے کٹ کر مادیت کی مشغول ترین زندگی میں ایسا مستغرق ہوتا جارہا ہے کہ طوطے کی طرح کبھی کبھار تلاوت کی توفیق ہوجاتی ہے تو اسی پر قناعت کرتا ہے، حالاں کہ جہاں قرآن کی تلاوت مطلوب ہے وہاں قرآن کے مطالبات سے واقفیت بھی اتنی ہی ضروری ہے۔

عام مسلمان سمجھتے ہیں کہ تراجم قرآنیہ تو مدارس کے طلبہ یا پڑھے لکھے طبقہ کے لیے ہیں اور تفاسیر قرآنیہ علماء و مفسرین کے لیے، حالاں کہ قرآن تو ''ھدی للناس'' ہے، اس لیے سارے لوگوں کو اس کے ضروری مضامین سے واقف ہونا لابدی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر ہمارے مشغول و مصروف اور کم فرصت والے افراد کے کانوں میں بھی صدائے نورانی اور ندائے قرآنی گونجنے لگے اور ہم سب کے لیے کتاب اللہ سے استفادہ آسان ہوجائے، یہ مختصر رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں سواپارہ کی ترتیب سے کل ۲۷ر تراویح میں پورے قرآن مجید کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ کا داعیہ سب سے پہلے اس وقت پیدا ہوا جب مادر علمی فلاح دارین میں جلالین کے درس کے دوران حضرت الاستاذ ناظم تعلیمات مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک کتاب پاکستان میں ایسی لکھی گئی ہے جس میں ہر ترویحہ میں ماقبل کی تلاوت شدہ آیات کا خلاصہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے، اس قسم کا سلسلہ حفاظ کو شروع کرنا چاہیے، بڑوں اور بزرگوں کی باتیں کب رنگ لاتی ہیں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

بہرحال طالب علمی کا زمانہ غفلت و نادانی کا ہوتا ہے، بات آئی گئی ہوگئی اسی دوران رفیق محترم جناب مولانا داؤد صاحب حال مقیم افریقہ، پاکستان سے ''مختصر تراویح'' کے نام سے ایک کتاب لائے اور راقم الحروف کو دی، لیکن بہت جلد اس کو کسی کرم فرما کی نظر لگ گئی اور اس سے متوقع استفادہ نہ ہوسکا، اسی دوران استاذ الاساتذہ حضرت مفتی

عبداللہ صاحب مظاہری مدظلہ بانیٔ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات کے حکم سے انکلیشور (گجرات) اسٹیشن کی مسجد میں اور جامع مسجد ہانسوٹ گجرات میں محراب سنانے کا موقع ملا تو وہاں کے باذوق افراد کے مطالبہ پر نماز کے بعد کوئی نہ کوئی مصروفیت رہا کرتی تھی، من جملہ اس کے تراویح کے مابین خلاصۂ تراویح سنانے کا بھی التزام کیا گیا، نیز رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے حکم سے عنبڑ ضلع جالنہ مہاراشٹر مسجدِ شمشیر میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، اوراس جگہ کے لوگوں نے اسے مفیداور کارآمد قرار دیا، ہر دو بزرگوں نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر اسے مرحلہ طباعت میں لانے کا اصرار کے ساتھ حکم دیا۔

چناں چہ ان حضرات کی توجہات کے پیش نظر اس سلسلہ کی ترتیب جدید شروع کی گئی تو کافی وقت لگا، شدت کے ساتھ اس کی طباعت کا مطالبہ کیا جانے لگا، تو ایک طرف ترتیب دی جارہی ہے اور دوسری طرف اس پر نظر ثانی بھی کروائی جارہی ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر شکریہ ادا نہ کیا جائے شمس العلماء حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب شمسیؒ کا، جو اپنی پیرانہ سالی ضعف وکمزوری کے باوجود اس کے مسودہ کا معتد بہ حصہ بالاستیعاب ملاحظہ فرماتے رہے اور اصلاح کرتے رہے، نیز مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفیؔ شیخ الحدیث جامعہ اکل کوا کا جنہوں نے اس کا بڑے اہتمام سے مطالعہ فرما کر اصلاح فرمائی، اسی طرح مشہور ادیب زمانہ مولانا محمد زبیر صاحب اعظمی، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانیؔ کا بھی شکر گذار ہوں کہ نہایت وسعت ظرفی اور خورد نوازی وافراد سازی کے جذبہ سے اس طفل تصنیف کی حوصلہ افزائی میں کوئی کمی نہ کی اور اپنی پرخلوص و پراثر دعاؤں کے تمغوں سے نوازا، اسی طرح فراموش نہیں کرسکتا عزیزم جمال الدین راجستھانی، اخی محمد راجستھانی اور محمد شوکت فتح پوری (راجستھان) کو جنہوں نے راقم الحروف کی شکستہ تحریر میں مکتوب

مسودہ کی تبییض کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

نیز عزیزم مولانا محمد مستقیم بھاگل پوری استاذ منہاج العلوم رنجنی ناقابل فراموش ہیں جنہوں نے صرف دورات کی قلیل مدت میں پروف ریڈنگ کا مشکل ترین کام انجام دیا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حوصلہ افزائی کرنے والے مشائخ کرام اور دیگر معاونین کو اپنی شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے، مکرر سہ کرر بانی اشاعت العلوم نیز بانی جامعہ مظہر سعادت اور میرے ان تمام اساتذہ ذی مرتبت کا شکر گذار رہوں گا، جنہوں نے نہ صرف اس کتاب کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس ذرۂ بے مقدار کو بنانے کے لیے ہر موڑ اور ہر میدان میں مصروف رکھ کر یہ سبق دیا کہ کام کئے جاؤ کہ یہی سرمایۂ آخرت ہے۔

آخر میں قارئین کرام سے گذارش کرتا ہوں کہ اگر کوئی فروگذاشت سامنے آئے تو ناچیز کو ضرور مطلع فرما کر احسان فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نو آموز کی اس پہلی کوشش کو مفید عام بنا کر میرے لئے اور میرے محسنین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ م ستمبر ۲۰۰۰ء

……المذکرات التفسیریۃ……

(سورۂ یونس، ہود، یوسف، رعد)

الحمدللہ عدد خلقہ و زنۃ عرشہ و مداد کلماتہ و رضا نفسہ و الصلاۃ والسلام علی صفوۃ رسلہ و خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و جمیع الانبیاء والمرسلین۔ اما بعد:

یہ ایک امر واقعی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے بل کہ پوری انسانیت کے لیے حقیقت میں سب سے بڑی نعمت، قرآن مقدس ہے، قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمتِ بے بہا ہے کہ سارا جہاں ارض وسماء اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتیں، انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی مقدور بھر قرآن مقدس سے اشتغال اور شغف رکھے، اور سب سے بڑی شقاوت اس سے اعراض وبے رخی ہے ہر مسلمان کے لیے اس کی فکر تو فرض عین ہے کہ قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھے اور اولاد کو پڑھائے اور پھر جس قدر ممکن ہو معانی اور احکامات کو سمجھے اور سمجھائے اور اس پر عمل کرے اسے اپنی عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ مل جائے اس کو دونوں جہاں کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔

مدارس دینیہ، مراکز علمیہ جامعات اسلامیہ افراد ملت اور نونہالانِ امت کو قرآن سے وابستہ کرنے کے اس اہم فریضہ میں مصروف عمل ہیں، اللہ قبول فرمائے۔

ہمارا جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا جو ملک کے مختلف خطوں میں مکاتب قرآنیہ، معاہد اطفال اور مراکز اسلامیہ کے ذریعہ تبلیغ قرآن کا اہم فریضہ ادا کرتے ہوئے

اپنی چھبیس سالہ مدت قیام میں ۶ ر ہزار سے زائد حفاظ کرام اور پچیس سو سے زائد فضلائے کرام اور دو ہزار سے زائد قرائے کرام کی جماعت بطور سوغات پیش کر چکا ہے۔

اسی جامعہ کے بانی حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی ''خادم القرآن'' گویا ان کا اسم ثانی؛ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذوق قرآنی عطا فرمایا کہ پورے مدارس ہند کے ذریعہ امت کے ایک ایک فرد کو قرآن سے وابستہ کرنے کے جذبہ سے مسابقات قرآنیہ کا حسین و مفید سلسلہ جاری فرمادیا اور مدارس و جامعات کے اکابر مفتیان کرام نے اس کو ایسی ترقی عطا فرمائی کہ اس نے ایک ملک گیر تحریک کا روپ اختیار کرلیا اور ملک کے تقریباً ۴ ر ہزار مدارس کے تقریباً سولہ ہزار طلباء کو وابستہ کرلیا، یہ ایک تاریخی انقلاب بل کہ تجدیدی کارنامہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت رئیس الجامعہ کی یہ تمنا رہی کہ اس مسابقہ کی ایک اہم فرع تفسیر کے لیے کوئی مذکرہ یا نشان منزل تیار کرلیا جائے، جو طلباء کو تفسیر کی فرع میں سہولت اور آسانی کا سامان پیدا کرے، چناں چہ زیرِ نظر تحفۂ مسابقات آپ کے مخلصانہ جذبہ کا عکس ہے، اگر آں محترم کی طرف سے بار بار حکیمانہ وحاکمانہ طرز سے بشدت مطالبہ نہ ہوتا تو اتنی سرعت سے شاید یہ کام نہ ہو پاتا۔

مری یہ کاوش کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

جب کوئی کام منظر عام پر آتا ہے تو ضرورت ہوتی ہے مخلصانہ توجہاتِ قلبیہ اور

6

ادعیہ مقبولہ کی، ضرورت ہوتی ہے اعوان وانصار کی، حوصلہ افزائی کرنے والوں کی، نظر ثانی کرنے والوں کی، رات دن اپنے قیمتی لمحات کی قربانی دینے والوں کی، چناں چہ اس مختصر سی کاوش کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے میرے دوستوں میں رفیقِ محترم جناب قاری سید عارف الدین صاحب مدظلہ العالی اور مولانا احمد صاحب ٹنکاروی (استاذ تفسیر وحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ) عزیزم مولانا مستقیم احمد بھاگلپوری اسی طرح قاری حسین احمد صاحب قاسمی کا دستِ تعاون شامل رہا اوران کے حوصلہ افزاء کلمات نے قدم قدم پر راہ نمائی فرمائی اور میرے عزیزوں میں شمس الدین حیاتی، محمد آصف مالیگاؤں، عرفان برہانپوری، توصیف غازی پوری، رشید الدین اعظمی، حسنین کٹیہاری، فضل الرحمٰن بستوی محمد افضل بمبئی؛ نے انتھک محنت سے ترتیبِ مواد، کمپوزنگ اور سیٹنگ کے کام کو بخیر وخوبی انجام دیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے، ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے ان کی نسلوں کو قرآنی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائے (آمین)

صفر المظفر ۱۴۳۰ھ مطابق جنوری ۲۰۰۹ء

......المذكرات التفسيرية......

(سورۂ مؤمنون،نور)

دستورِ خالقِ دوجہاں کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں اورواضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ خلاق دوعالم نے اشرف المخلوقات حضرت انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ یہ نظام وانتظام بھی کیا ہے کہ سلسلۂ انبیاء کو جاری وساری کیا جو اپنی اپنی امت کی رہبری ورہنمائی کرکے راہ حق کی دعوت، راہ حق پر امت کو مستقیم رکھنا، راہ حق پر رہتے ہوئے، عالم آخرت کی طرف کوچ کرنا اوراس کی ترغیب دینا یہ انبیاء کا خاص مشن رہا ہے، نیز مشعل راہ کئی پیغمبروں کو کتب وصحف سے بھی سرفراز فرمایا۔

چناں چہ قرآن پاک بھی قیامت تک کے انسان کے لیے پیغامِ ہدایت اور نشانِ منزل ہے بل کہ ضامن فلاح دارین ہے،اورانسانی تجربات بھی کچھ ایسے ہی ہیں کہ کسی مرحلۂ علمی وعملی کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لیے کوئی رہبر، گائڈ بک، مذکرۃ العلوم العقلیہ والنقلیہ ہوتو مدد وتعاون ملتا ہے۔

ہمارے جامعہ اشاعت العلوم کا مشن، ملک گیر تحریک، تحفیظِ قرآنی، تجویدِ قرآنی اورتفسیر قرآنی اس تحریک وصدائے دل نواز کے بانی ورئیس، خادمِ قرآن نے جو ہردل عزیز لقب سے ملقب ہیں، ملک کی مختلف ریاستوں کی مستانہ وار کوچہ گردی کی، انہوں نے اپنے اس مشن سے تقریباً ۱۵۰۰/دینی اداروں کو وابستہ کرنے کا تاریخی اورانقلابی بل کہ تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔

آں موصوف کی یہ تمنا اورچاہت رہی کہ مسابقۃ القرآن کی ایک اہم فرع ''تفسیر'' کے لیے کوئی مذکرہ یا کوئی کتاب ہو جو طلبہ کے لیے مخصوص ہو اور مسابقہ میں معین

ہو، چناں چہ آپ کی اس چاہت اور تمنا کے پیش نظر مضمون جو کچھ منتشر و بے ترتیب ہی سہی مگر مسابقے کے مساہمین کے لیے رہنمائی بھی ہے، جسے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ،حضرت مولانا وستانوی صاحب ،حضرت مفتی عبداللہ صاحب ،مولانا رضوان الدین صاحب قاری سید عارف الدین صاحب جیسی شخصیات نے محبت کی نگاہ سے دیکھا۔

نیز میرے عزیزوں مولانا مستقیم احمد اشاعتی ،مولانا نورالدین اشاعتی راجستھانی، مولانا مجتبیٰ رویدروی ،مولانا مختار احمد صاحب ،مولانا محمد مہر علی صاحب عزیزم عظمت اللہ بہرایچی اور کئی طلبہ نے عرق ریزی کی ہے۔

اور کیسے فراموش کروں جامعہ مظہر سعادت کے ہونہار استاذ میرے رفیق درس برادر عزیز جناب حضرت مولانا احمد ٹنکاروی ،مولانا سلیم اجمیری ،مولانا عبدالرحمٰن رویدروی قاری عبدالقیوم اور عزیزم عبدالرب واپی ،زین العابدین مجاوری کو جنھوں نے ٹائپ ،سیٹنگ اور پروف ریڈنگ سے لے کر طباعت کے مراحل کو مجنونانہ انداز میں پار کر کے مسابقہ کے موقع پر پیش کرنے کے قابل بنایا۔

بہرحال اس مختصر سے علمی کام کی تیاری میں کثرت مشاغل اور تنگیٔ وقت شانہ بشانہ رہے ہیں اور بشری تقاضے سے بھی اس لیے فروگذاشت کی اصلاح فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں اور اپنی ادعیہ صالحہ مقبولہ میں ضرور یاد رکھیں۔

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ م جولائی ۲۰۰۳ء

......المذكرات التفسيرية......

(سورۂ آل عمران)

قرآن مقدس ایسی کتاب رہنما، ایسی کتابِ دل پذیر، ایسی جامع اور صدا بہار کتاب ہے جس نے ہر دور، ہر زمانہ میں مکمل اور کامل ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے، چناں چہ قرآن سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں اس کا تعارف بایں الفاظ پیش ہے ”ھو الذی انزل علیك الكتٰب منه ایٰت محكمٰت هن ام الكتٰب و اخر متشٰبهٰت“ قرآن آیاتِ محکمات و متشابہات کو متضمن ہے، محکمات کو عملی جامہ پہنا کر جہاں مؤمنانہ کردار اپنانے کا مطالبہ ہے وہیں متشابہات کے سلسلہ میں بنظریۂ راجح عند المفسرین سر تسلیم خم کر دینے کا مطالبہ ہے، اسی لیے کسی نے کما یلیق بشانہ، کسی نے اللہ اعلم بمرادہ کے الفاظ سے متشابہات کو معلوم المعنیٰ و مجہول المراد اور مجہول المعنیٰ و المراد کے ذریعہ تعبیر کیا ہے۔

دوسری طرف آقا مدنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین قرآنیہ کو بڑے حسین و جامع پیرایہ میں مضامینِ خمسہ میں منحصر کیا ہے جس کو امام بیہقی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے یوں بیان فرمایا کہ ”عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل القرآن على خمسةاوجه، حلال و حرام و محكم و متشابه و امثال، فاحلوا الحلال، و حرموا الحرام، و اعملوا بالمحكم و آمنوا بالمتشابه و اعتبروا بالامثال“ صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے تحت اس روایت کو جگہ دی ہے، ہر ایک کا تقاضہ ہے کہ قرآن کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام جانو! محکمات کو عملی جامہ پہناؤ، متشابہات پر ایمان لاؤ، اور امثال و قصص سے عبرت پذیری کرو، ان نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت

تفہیم، تبلیغ، تعمیل یہ سب حقوقِ قرآنیہ ہیں۔

مدارسِ دینیہ اپنے اپنے دائرۂ خدمت میں رہ کر قرآن کے ان حقوق کی ادائیگی میں مصروف ہیں، ہندوستان کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ اکل کوا کو من جانب اللہ یہ توفیق میسر ہے کہ ہمہ جہتی خدمات قرآنیہ کو اپنا موضوع یوم تاسیس ہی سے بنایا ہے۔ منجملہ خدماتِ قرآنیہ کے ایک اہم خدمت حضرت خادم القرآن کو من جانب اللہ میسر ہوئی، بل کہ الہام ہوئی، چناں چہ پورے ہندوستان کے مدارس دینیہ کو اتحاد کی لڑی میں پرونے کے جذبہ سے مسابقات القرآن کل ہند پیمانہ پر سات مرتبہ کامیابی سے انجام دئے گئے، اور اکثر صوبہ جات نے بنظر استحسان ان مسابقات کو نہ صرف سراہا بل کہ قابل تقلید قرار دیا، ان مسابقات میں ایک فرع تفسیر قرآن کی ہوتی ہے، جس میں سہولت کے پیش نظر مذکرات تفسیر یہ تیار کئے جاتے ہیں، چنانچہ آٹھویں کل ریاستی وکل ہند مسابقہ کے لیے بھی حضرت رئیسِ جامعہ نے سورۂ آل عمران کا انتخاب فرما کر مذکرات التفسیر یہ تیار کر کے طبع کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ یہ کتاب جناب موصوف کی توجہاتِ عالیہ کا نتیجہ ہے، اللہ آپ کو عمرِ نوح نصیب فرمائے، آپ کی قیامت تک آنے والی نسلوں کو خدمات قرآنیہ کے لیے قبول فرمائے۔

کلماتِ تشکر: اس کتاب کی تیاری میں جن احباب اور دوستوں نے مخلصانہ علمی تعاون فرمایا وہ برابر صدقۂ جاریہ کے سہیم وشریک ہیں، جیسے مولانا عبدالعظیم امراوتی نے بغور شانِ نزول کو اصل کتاب سے ملایا، جناب مولانا محمد صادق صاحب تونڈاپوری نے جذبۂ صادقہ سے بھرپور جہد مسلسل کے ذریعہ مکمل تعاون فرمایا، مولانا یحیٰ آسامی نے کلمات القرآن پر کام کیا، اسی طرح دیگر احباب نے بھی تعاون کیا۔

حضرت مولانا افتخار احمد صاحب سمستی پوری، قاری سید عارف الدین صاحب

نے نظرِ ثانی کے ذریعہ عنایت فرمائی، جناب مولانا نظام الدین صاحب قاسمی بھی برابر کے شریک رہے، جناب مولانا سعید صاحب وستانوی دامت برکاتہم نے خوب سراہا، اور مولانا حذیفہ صاحب وستانوی ناظم تعلیمات نے اس کام کو طلباء کے لیے مفید قرار دے کر مہمیز کا کام کیا، قاری حسین احمد صاحب معروفؔی نے پروف ریڈنگ کا کام کیا۔

مولانا شمس الدین صاحب بیدر اور مولانا فائق پورنیہ کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کمپوزنگ کا دشوار گذار کام کیا اور ہاں قاری نثار احمد صاحب مظاہری کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے مذکرات کی تیاری بل کہ مسابقہ کی ہر قسم کی تیاری میں اپنی فکر لگا کر مجھے بہت سے امور سے فارغ کر دیافجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اور میں کیسے اپنے محسنین اساتذہ کو فراموش کرسکتا ہوں جن کے فیض سے دو لفظ لکھنے اور بولنے کی جسارت ہوئی ہے۔ بالخصوص میرے مربی اور مشفق حضرت وستانوی دامت برکاتہم جن کی حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں کچھ کرنے کی ہمت ہوتی ہے، اور ان کی دعاؤں سے تکمیل ہوجاتی ہے۔

اور میرے بہت ہی مہربان حضرت علام مولانا انیس آزاد بلگرامی جو شیخ الحدیث، شیخ التفسیر اور رئیس الواعظین کا مقام رکھتے ہیں بہت دل پذیر حوصلہ افزاء کلمات بنام صدائے دل، دل کی آواز لکھ کر جس خوردنوازی اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اس کو حرفوں اور لفظوں میں تعبیر نہیں کیا جاسکتا، صرف حوصلہ افزائی نہیں بل کہ خدام قرآن کے لیے ایک نافع مضمون بھی اور مفید مقدمہ بھی، اللہ سب کو بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔

میرے والدین اصول وفروع ودیگر متعلقین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، مساہمین کے لیے کامیابی کی راہ آسان فرما کر دارین کی سرخروئی نصیب فرمائے۔ آمین

جنوری ۲۰۱۵ء ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

......المذكرات التفسيرية......

(سورۂ یاسین، صافات، ص)

الحمدلله عدد خلقه و زنة عرشه و مداد كلماته و رضٰى نفسه و الصلاة و السلام على صفوة رسله و خير خلقه سيدنا محمد و آله و صحبه و جميع الانبياء و المرسلين۔

یہ ایک امر واقعی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے بل کہ پوری انسانیت کے لیے حقیقت میں سب سے بڑی نعمت، قرآن مقدس ہے۔

قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں، ارض و سماء اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بدل سکتی، انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی مقدور بھر قرآن مقدس سے اشتغال و شغف رکھے۔ اور سب سے بڑی شقاوت اس سے اعراض و بے رخی ہے، ہر مسلمان کے لیے اس کی فکر تو فرض عین ہے کہ قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھے اور اولاد کو پڑھائے اور پھر جس قدر ممکن ہو معانی اور احکامات کو سمجھائے اور اس پر عمل کرے، اس کو اپنی عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنی اپنی ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ مل جائے اس کو دونوں جہاں کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔

مدارس دینیہ، مراکز علمیہ، جامعات اسلامیہ، افراد ملت اور نونہالانِ امت کو قرآن سے وابستہ کرنے کے اس اہم فریضہ میں مصروف عمل ہیں۔ اللہ قبول فرمائے۔

ہمارا جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا جو ملک کے مختلف خطوں میں مکاتب قرآنیہ، معاہد اطفال اور مراکز اسلامیہ کے ذریعہ تبلیغ قرآن کا اہم فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنی ۲۶ رسالہ مدت قیام میں چار ہزار (۴۰۰۰) سے زائد حفاظ کرام دو ہزار

(۲۰۰۰) سے زائد فضلاء کرام اور پندرہ سو (۱۵۰۰) سے زائد قراء کرام کی جماعت بطور سوغات پیش کر چکا ہے۔اسی جامعہ کے بانی حضرت مولانا غلام محمد وستانوی، خادم القرآن گویا ان کا اسم ثانی، کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ذوق قرانی عطا فرمایا ہے کہ پورے مدارس ہند کے ذریعہ امت کے ایک ایک فرد کو قرآن سے وابستہ کرنے کے جذبہ سے مسابقات قرانیہ کا حسین ومفید سلسلہ جاری فرمایا اور مداری وجامعات، اکابرین ومفتیان کرام نے اس کو ایسی تلقی عطا فرمائی کہ اس نے ایک ملک گیر تحریک کا روپ اختیار کرلیا اور اس کے ذریعہ ملک کے تین ہزار (۳۰۰۰) سے زائد مداری کے آٹھ ہزار (۸۰۰۰) طلبہ کو وابستہ کرلیا۔ یہ ایک تاریخی انقلاب بل کہ تجدیدی کارنامہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت رئیس الجامعہ کی یہ تمنا رہی کہ اس مسابقہ کی ایک اہم فرع تفسیر کے لیے کوئی مذکرہ یا نشان منزل تیار کرلیا جائے جو طلباء کو تفسیر کی فرع میں سہولت اور آسانی کا سامان پیدا کرے چناں چہ زیر نظر ''تحفۂ مسابقات'' آپ کے مخلصانہ جذبہ کا عکس ہے۔اگر آں محترم کی طرف سے بار بار حکیمانہ وحاکمانہ طرز سے بشدت مطالبہ نہ ہوتا تو اتنی سرعت سے شاید یہ کام نہ ہو پایا۔

مری کاوش بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

میرے بھی ہیں کرم فرما کیسے کیسے:

جب کوئی کام منظر عام پر آتا ہے تو ضرورت ہوتی مخلصانہ توجہات قلبیہ اور

ادعیۂ مقبولہ کی ہے، ضرورت ہوتی ہے اعوان وانصار کی، حوصلہ افزائی کرنے والوں کی نظر ثانی کرنے والوں کی، اس مختصر سی کاوش کو معرض وجود میں لانے کے لیے میرے عزیزوں میں مولانا مستقیم بھاگل پوری، مولانا رفعت اورنگ آبادی، عزیزم مقیم الدین دیولائی، عزیزم اسماعیل آسامی، عزیزم عبدالماجد بدنا پوری، اسی طرح عزیزم محمد رضوان ہردا، عزیزم رضی الدین کٹیہاری اور عزیزم محمد کلیم اللہ مغربی چمپارن کا دست تعاون شامل حال رہا۔ آخر الذکر نے تو بالخصوص انتھک محنت سے کمپوزنگ اور سیٹنگ کو انجام دیا ،اسی طرح مولانا افتخار صاحب قاسمی سمستی پوری (استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا) اور رفیق محترم مولانا احمد صاحب ٹنکاروی (استاذ تفسیر وحدیث جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ) نے نظر ثانی کی اور پروف ریڈنگ محنت طلب کام انجام دیا۔ حضرت رئیس جامعہ دامت برکاتہم اور برادر بزرگ حضرت مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم اور رفیق محترم جناب قاری عارف الدین صاحب مدظلہ العالی کے قیمتی اور حوصلہ افزا کلمات نے قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے، ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، ان کی نسلوں کو قرآنی خدمات کے لیے قبول فرمائے۔ آمین۔

......ھدیۃ المتسابقین......

فی کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی درداء رضی الله تعالی عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ”من حفظ من امتی اربعین حدیثًا فی امرِ دینِها بَعَثَهُ اللّٰه فقیهًا و کنت له یوم القیامة شافعاو شهیدًا(مشکوة)

حضرت ابودرداءؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے دین داری کے متعلق ۴۰/احادیث یاد کرے، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کو فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں اس کے لیے سفارش کروں گا، اور اس کے حق میں (ایمان) کی گواہی دوں گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ افرادِ امت کو اللہ تعالی نے اپنے اپنے حوصلے اور جذبات کے مطابق حدیث حفظ اربعین کو عملی جامہ پہنانے کی سعادت نصیب فرمائی، چناں چہ صدرِ اول سے لے کر تا دمِ تحریر اس موضوع پر کتابیں مختصر و مطول آرہی ہیں اور آتی رہیں گی، اللہ سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

ہمارے جامعہ اکل کوا کے رئیس و بانی اور تحریکِ مسابقات کے روحِ رواں حضرت وستانوی دامت برکاتہم آج سے تقریباً ۱۰،۱۱سال قبل اپنے صاحبزادے مولانا حذیفہ سلمہٗ کے ساتھ ماہِ رمضان میں عمرے کے مقدس سفر پر تھے، حرم شریف میں مقیم، عظیم عالمِ دین شیخ عوامہ سے ملاقات ہوئی، ملاقات کے دوران شیخ عوامہ نے جامعہ کے تعلیمی تربیتی نظام کو سن کر اطمینان کا اظہار کیا، ساتھ ہی بطورِ مذاکرہ ایک اہم موضوع کی طرف متوجہ کیا کہ ہمارے مدارسِ عربیہ میں حفظِ قرآن کا جتنا اہتمام والتزام ہے بالخصوص مدارس

ہند میں اتنا اور باضابطہ حفظِ حدیث کا کوئی نظام نہیں ہے، یہ بات شیخ عوامہ نے نہ معلوم کتنے خلوص وللّٰہیت کے جذبہ سے کہی تھی کہ حضرت رئیس جامعہ نے سفر سے واپسی پر اساتذہ اور طلباء کی مجلس میں بار بار اس کو دہرایا، اور جامعہ کے ناظمِ تعلیمات نے ہر سال، سال کے آخر میں جو داخلی مسابقات ہوتے ہیں ان میں بالالتزام عربی چہارم تا ہفتم کے طلباء کے لیے مذکرات تیار کروائے اور ہر درجہ میں دیگر مسابقات کی طرح حفظِ حدیث کے مسابقات رکھے۔ فلله الحمد علی ذلك

اور یہ سلسلہ حدودِ جامعہ سے نکل کر فروعاتِ جامعہ میں بھی چل پڑا، اور ساتویں کل ہند مسابقہ کے موقع پر باقاعدہ ایک فرع حفظِ حدیث کی بھی رکھی، اور بہت کامیابی کے ساتھ طلباء نے ''منهاج الصالحين '' کو یاد کیا، امسال جب آٹھویں کل ہند مسابقہ کا اعلان ہوا تو حضرت رئیس جامعہ نے انتخابِ حدیث کا ہی نہیں بل کہ بالتفصیل مذکرۂ حدیث ترتیب دینے کا مکلّف بنایا، حضرت رئیس جامعہ کے ادعیۂ صالحہ اور توجہاتِ عالیہ کے صدقہ میں دیکھتے ہی دیکھتے اس تربیتی چہل حدیث نے کتابی شکل اختیار کر لی، جس کو طلباء کی سہولت وآسانی کی خاطر ای میل کے ذریعہ ہر ہر مرکز مسابقہ تک پہونچا دیا گیا اب حضرت رئیس جامعہ کے حکم ومنشاء کے مطابق اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب، تحقیق اور تخریج میں فضلائے جامعہ میں سے عزیزم مفتی عبدالمتین، مفتی محمد مجیب، مفتی محمد افضل، مولانا محمد صادق تونڈاپوری صاحبان نے تعاون کیا جب کہ جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری، قاری سید عارف الدین صاحب اور قاری حسین احمد صاحب قاسمی معروفی نے نظرِ ثانی فرمائی، اللہ پاک ان سب

کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز کتابت وکمپوزنگ کی نگرانی جناب قاری نثار احمد صاحب مظاہری نگراں شعبۂ تحفیظ القرآن نے کی، اور کمپوزنگ وسیٹنگ کا مرحلہ مولانا شمس الدین اشاعتی بیدر اور مولوی محمد فائق اشاعتی پورنوی سلمھما اللہ نے انجام دیا، نیز جن جن حضرات نے جس جس طرح سے اس کتاب کی تکمیل میں تعاون کیا ہے اللہ پاک سب کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور دارین میں سعادت وسرخروئی عطاء فرمائے (آمین) اور ہاں مفتی محمد جعفر صاحب نے اس کتاب کا نام **هدية المتسابقين فى كلام سيد المرسلين** تجویز کیا، چناں چہ اسی نام سے اس کتاب کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

اللہ پاک اس کتاب کو والدین واساتذہ کرام کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، مدارس کے طلباء کے لیے عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ بنائے، اور حضرت رئیسِ جامعہ کو عمرِ نوح عطا فرمائے، تاکہ ہم جیسے کم ہمت، کم حوصلہ لوگ، حضرت کی حوصلہ افزائی کے صدقے دین کی خدمت کرتے رہیں۔

۱۴۳۶ھ م ۲۰۱۵ء

......تحفۂ بیٹی......

منظر و پس منظر:

میری پیاری، دلاری، نیاری بیٹی! تیری ایک ایک ادا میرے دل کو خوب بھائی میرے من کو خوب لگی!!

بیٹی! جو مضمون میں نوکِ قلم سے سینۂ قرطاس پر نقل کر رہا ہوں، اسے نقوش و حروف کا محض مجموعہ جان کر یا کسی اخبار و ڈائجسٹ کا تراشہ سمجھ کر ڈسٹ بین یا کچرا پیٹی کے نذر نہ کرنے کا وعدہ کر تو بیٹی! زیرِ نظر تحریر (عموماً ہر والدین کی طرف سے) اور خصوصاً تیرے ماں، باپ کی طرف سے محبت و شفقت کے دریا میں ڈوب کر جذباتِ مسرت اور لمحاتِ فرقت کے ملے جلے تصور سے متأثر ہو کر تیرا ایک زخمی باپ خونِ جگر کی سیاہی سے لکھ رہا ہے، لیکن بیٹی! تیرے اور میرے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر کام میں پہلے نیت کو درست کرنا چاہیے اور اس طرح اپنے آپ کو خوشنودیٔ مولیٰ کی راہ پر لگا کر آگے بڑھنا چاہیے، اسی میں ہماری سعادت ہے اور یہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''انما الاعمال بالنیات'' (بخاری) کے مطابق آ بیٹی! نیت درست کر لے کہ میں اس مضمون کو پڑھ کر، سمجھ کر، عملی جامہ پہنا کر، معاشرہ کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعیٔ جمیل کروں گی اور یہ سب اس لیے کہ میں رضائے الٰہی حاصل کر کے سماج اور سسرال کے افراد کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بن سکوں گی۔

بیٹی! میں تجھے تیری ابتداء کے وہ لمحات یاد دلاتا چلوں کہ کتنا عجیب تھا وہ سماں

جب تو اپنی مشفق ترین والدہ کے پیٹ میں ایک جنین کی شکل میں تھی اور دستور کے مطابق تیرا بے رحم، سخت دل باپ تیری والدہ کو تیرے نانا، نانی کے حوالہ کر کے صرف اور صرف تبلیغ قرآن کا پاکیزہ جذبہ لے کر ''بلساڑ'' کے قریب ایک مقام 'قلعہ پارڈی' میں قرآن سنانے چلا گیا تھا۔

انتظار کے لمحات بہت کٹھن اور بڑے صبر آزما ہوتے ہیں، ان ہی صبر آزما لمحات میں ۴؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۷؍اپریل ۱۹۸۸ء کو تیرے معصوم ومحبوب وجود کی خبر، تیرے بہت ہی مشفق اور مہربان پھوپھا جان، سلیمان استاد کے ذریعے تیرے باپ کو اعتکاف میں پہنچتی ہے، اور تیرا باپ تیری ولادت کی پرمسرت خبر سن کر حاضرین کو بل کہ پوری مسجد کے مصلین کو شیرینی سے شیریں دہن کرتا ہے، پھر مارے خوشی کے تیرے بہت ہی مشفق بڑے ابا جان سے فون پر رابطہ کرتا ہے تو ان کی زبان مبارک سے بلا تأمل تیرا نام ''رَیَّانَہْ'' تجویز ہوتا ہے، تیرے دادا مرحوم نور اللہ مرقدہٗ درازی عمر وسلامتی کی دعائیں دیتے ہیں اور تیری دادی جان تو آج تک تیری عزت وعافیت اور دائمی خوشی کی دعائیں دے رہی ہیں (خدا ان کے سایۂ عاطفت کو بعافیت تمام رکھے) تیری ولادت کا مژدۂ جاں فزا سن کر تیری پھوپھیاں تیری والدہ کو تسلی دیتی ہوئی محبت سے کہتی ہیں ''بیٹی روزی روٹی ہوتی ہے'' غرض ہر چہار جانب سے ''مبارک باد مبارک باش'' کی صدائے دل نواز آتی ہے ؎

صبا جا جا کے مے خواروں کی ٹولی میں پکار آئی
اتار و طاق سے مینا! بہار آئی، بہار آئی

اور واقعی میری بیٹی! میرے جگر کے ٹکڑے! تو میری زندگی میں بہار بن کر آئی اور

میرا دل کہتا ہے کہ تو میرے حق میں ایک بیش بہا نعمت ثابت ہوئی۔

میری بیٹی! کبھی تیری والدہ تجھے لوریاں دے کر سلاتی تھیں اوراب تیری یادیں ہمیں لوریاں دیا کریں گی! ہم چشم تصور سے تیرے لڑکپن کی ادا کو دیکھا کریں گے کہ تو آنگن میں کھیل رہی ہے، صحن میں مچل رہی ہے، ماں کی طرف لپک رہی ہے، کبھی ''رقیہ'' پھوپھی کے گھر میں چلی جارہی ہے اور کبھی ''کلثوم'' پھوپھی کی آمد پر ان کی گردن سے لپٹ جارہی ہے، کبھی تیری ماں تیرے سر پر دستِ شفقت پھیر پھیر کر تجھے سلانے کی کوشش کررہی ہے تو کبھی تیرے نہ سونے پر تیرا ظالم باپ تجھے زور سے ڈانٹ رہا ہے پھر تو مارے ڈر کے لپٹ کر سو جارہی ہے، میری بیٹی! یہ سب تیری محبت کی یادیں ہیں جو ہمیں برسوں رلائیں گی ؂

غیروں کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب کچھ بھی نہیں مجھ کو محبت کے سوا یاد

اور تیرے بچپن کا ایک واقعہ تو ایسا ہے کہ جب جب بھی یاد آتا ہے، ہمیں تڑپا کر رکھ جاتا ہے، بیٹی! ابھی تو نے دودھ چھوڑا ہی تھا، کچھ چلنا سیکھا ہی تھا، کہ تیری بڑی پھوپھی ''فاطمہ پھوپھی'' نے محبت کے مارے یہ کہہ دیا کہ ''ریانہ'' کو میرے یہاں ایک ہفتہ چھوڑ دو! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ٹرک کے ذریعہ اکل کوا سے ''انکلیشور'' لایا اور پھر بس کے ذریعہ ''رویدرا'' چھوڑا، ایک ہفتہ تو پھوپھی کے یہاں رہی، پھوپھا مرحوم نے تجھے لاڈ و پیار دیا (اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) ایک ہفتہ کے بعد تجھے انگوٹھا چوستے ہوئے ننھی آنکھوں سے ٹک ٹکی لگائے دیکھتے ہوئے تیرے پھوپھا ''مولانا احمد لولات'' نے محسوس کیا کہ تجھے ابا کا انتظار ہے تو انہوں نے کہا

کہ ’’بچے کو کھانا پینا چاہے کتنا ہی اچھا ملے لیکن جب تک اسے اماں، ابا کی آغوش نہیں ملتی، وہ اندر ہی اندر کڑھتا ہے، اس لیے اب تو اسے لے جانا‘‘۔ بیٹی! ایک ہفتہ میں والدین کے بغیر تیرے معصوم اور نازک وجود پر کیا گزری ہوگی، اس کا اندازہ مشکل ہے، خیر ’’الخیر فیما وقع‘‘۔

میری پیاری بیٹی! پھر تو شعور کی عمر کو پہنچتی ہے، کھیلتی ہوئی مدرسہ جاتی ہے، پارۂ عم یاد کرتی ہے، قرآن مقدس ناظرہ کی تکمیل پر شیرینی تقسیم کرکے بے حد خوش ہوتی ہے۔

پھر اسکول کی تعلیم کا انقطاع اور خیاطی کے لیے ایک نیک اور صالحہ آپا ’’رقیہ خالہ‘‘ کے پاس تیرا جانا، مسائل کی تعلیم لینا اور دیکھتے ہی دیکھتے امورِ خانہ داری میں اپنی ماں کا سہارا بننا اور تیری ماں کا سختی کے ساتھ پکانے میں خامیوں کی اصلاح کرنا اور تیرے باپ کا طرف داری کرنا، ماں کے ڈانٹنے پر باپ کا دلار دینا، یہ سب کچھ ایک گھر کے نظام کے تحت چل رہا تھا کہ یکا یک ایک دن عصر کی نماز کے بعد متصلا تیرے بڑے ابا کا بڑے پن سے لبریز اور خلوص ومحبت سے بھرپور فون آیا کہ بھائی! میں نے اپنی بیٹی ’’ریانہ‘‘ کو موسم حج میں حرم محترم میں غلاف پکڑ کر بیٹے حافظ عبید اللہ کے لیے مانگا ہے، بولو! تمہاری کیا رائے ہے؟ تیرا باپ اس وقت جذبات وخیالات کے بحر تلاطم میں غوطہ زن ہوکر صد نمناک آنکھوں سے یہ کہہ سکا (جس میں صرف سچائی تھی) ’’حضرت! اگر یہ رشتہ وپیغام کہیں اور سے آتا تو آپ ہی اس کے فیصل اور والی ہوتے، چناں چہ اس مسئلہ میں بھی زمامِ تحکیم آپ ہی کے ہاتھ میں ہے‘‘۔

خیر مدرسہ سے گھر تک میں کیسے پہنچا؟ کیسے کیسے تصورات نے انگڑائی لیں، آنکھ مچولی کھیلیں؟ کہ کیا یہ حقیقت ہے یا عالم خواب کی کوئی کیفیت؟ بظاہر سارے جہاں

کا جائزہ، مگر اپنے جہاں سے بے خبر کا ایک سراپا مجسمہ، ابھی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا ہی ہے کہ فون کی رنگ نے بجنا شروع کیا اور تیری دادی اماں نے رسیور اٹھایا، سامنے تیرے بڑے ابا ہیں! ارے یہ کیا؟ دادی اماں خوشی کے آنسو چھلکا رہی ہیں، اپنی پوتی اور پوتے کی خوش قسمتی پر ناز کرتی ہوئی اور بیٹے کی حسن لیاقت، حسن انتخاب پر داد دیتی ہوئی اس دعا کے ساتھ فون کا سلسلہ منقطع کرتی ہیں کہ "اللہ کرے یہ رشتہ بھائیوں اور خاندان میں ازدیادِ محبت کا ذریعہ بنے" تیرا باپ ابھی اسی شش و پنج میں مبتلا ہے کہ تیرے پھوپھا مولانا غلام محمد اور پھوپھی جو برطانیہ کے لیے روانہ ہو رہے ہیں ان کو کیسے اس سلسلہ میں مطلع کیا جائے؟ سامنے سے فوراً دوسری رنگ ٹون آئی تیرے بڑے ابا کے فون کی، کہ مولانا غلام صاحب سے میں خود رابطہ قائم کر رہا ہوں اور اس طرح تیرے بڑے ابا کے مضبوط ذرائع مواصلات نے آن کی آن میں جہاں جہاں عزیز و اقارب تھے سب کو اطلاع کر دی، سب کی طرف سے مبارک باد آئی اور سب نے اس نسبت کو نسب کی سعادت سے تعبیر کیا۔ فللہ الحمد

ان سب کے باوجود بیٹی! ہم تیرا بھولا چہرہ دیکھ کر ترس کھا جاتے ہیں، تیرے سامنے کبھی شادی کا تذکرہ کرنے کو نمک بر زخم تصور کرتے ہیں اور کبھی تیرے فراق اور جدائیگی کے آنسو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں؟ بیٹی! کہ کہیں تجھے یہ احساس نہ ہونے لگے کہ جس گھر میں میں پلی بڑھی، نشو و نما پائی، نشیب و فراز دیکھے، زیر و بم کا سامنا کیا، ہر چاہت ہر فرمائش ماں کے واسطے سے باپ کے ذریعہ پوری ہوتی نظر آئی، کیا؟ جسے میں کل تک اپنا گھر سمجھتی تھی وہاں کے در و دیوار آج مجھے اجنبیت بھری نگاہ سے کیوں دیکھ رہی ہے؟ ہائے! کچن کے برتنوں سے برسوں انسیت رہی وہ آج مجھے ایک عارضی مہمان کیوں تصور کرتے ہیں؟ جس نعمت خانہ سے، الماری سے، بیڈ روم سے میرا اسولہ

سالہ رشتہ رہا، افسوس! وہ مجھ سے روٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہائے! جن سہیلیوں اور ہم جولیوں سے میرا پرانا میل جول تھا وہ مجھے چھیڑتے ہوئے بے وفا کا لقب دے رہی ہیں، ارے! وہ میرا چھوٹا اور پیارا بھائی ''ریان'' مجھ سے پوچھنے لگا آپی! تو کہاں جائے گی؟

ارے بیٹی! تو تو والدین کی لختِ جگر ہے، کہیں تیرے آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے اس لیے ہم باوجود فراق وجدائیگی کے تصور سے محزون ہونے کے تیرے سامنے احساس تک نہیں ہونے دیتے، باقی ہماری تو یہ حالت ہے کہ باوجود نیک، صالح، باکمال، باجمال، بامنال رشتہ کے، دل پارہ پارہ، جذبات ریختہ ریختہ، آنکھیں نم دیدہ رہتی ہیں، کئی کئی راتیں ایسی گذریں جن میں تیرے والدین نے نیند کا سرمہ تک نہیں لگایا اور رات بھر آنکھیں تارے گنتی رہیں، صرف اس تصور میں گم ہو کر کہ ارے بیٹی! کل تک تجھے ہزاروں ارمانوں کے ساتھ پالا، ہزاروں امیدوں کے سہارے بڑا کیا لیکن آج تو اپنا ایک گھر خیرباد کر کے اپنے دوسرے گھر کو آباد کرنے جا رہی ہے۔

بیٹی! دنیا کو خدا نے رنگ برنگی زینتوں سے آراستہ کیا ہے، بیٹی کا وجود زمانۂ جاہلیت میں ایک جہالت میں مبتلا شخص کو دامِ فریب میں لے کر حیوانیت سے نیچے لے آتا تھا اور وہ اس قدر نیچے اتر آتا تھا کہ اپنی جواں سال، جواں عمر بیٹی کو اپنے ہی ہاتھ سے گڈھا کھود کر موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا۔ (معاذاللہ) لیکن قربان جا بیٹی! اپنے پیارے اور عالم گیر مذہب اسلام پر جس نے بیٹی کو بیٹی سے ترقی کرا کر ایک بیوی ہونے کا بل کہ شریکِ زندگی ہونے کا شرف بخشا، پھر اس کے بعد ایک خوش خصلت بہو سے ترقی دے کر نیک ماں بننے کا حق بھی اسے دیا۔

بیٹی! دنیا میں شادیاں بہت ہوئی ہیں، ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی، بیٹیاں اپنے ماں باپ کے گھر کو خالی کر کے، ویران کر کے، اجاڑ کر کے دوسروں کے گھر کو آباد کرتی ہیں اور کرتی رہیں گی، مگر تیری شان ہی الگ بیٹی! جدا ہو کر تو تو اپنے بڑے ابا کے گھر کو جارہی ہے یعنی بیٹی! اپنے گھر سے اپنے گھر جارہی ہے، بیٹی! چھوٹے گھر سے بڑے گھر کو جارہی ہے، بیٹی! روشن گھر سے منور گھر کو رخصت ہورہی ہے۔

بیٹی! آج جب میں تجھے سینہ پر پتھر رکھ کر شریعت اور نظام حیات کے حُلّہ عروسی پہنا کر الوداع کررہا ہوں تو اس موقع پر میں تجھے کیا دوں، کیا نہ دوں؟ کی کشمکش میں مبتلا ہوں، ہوسکتا ہے تیرا باپ تجھے مادیات ومسائل کی دنیا سے تسکین کرے نہ کرے، لیکن اسے قرآن وحدیث کے فیض سے اور اساتذہ کرام وبزرگان دین کی صحبت کی برکت سے جو ایک عظیم نعمت اور جوہر ملا ہے وہ ہے، حیا کا زیور، حسن ادب کا زیور، حسن اخلاق کا زیور، جس کی روشنی میں خسر محترم، خوش دامن صاحبہ، شوہر اور برادران شوہر نیز شوہر کی بہنیں (جن سے نند کا کم اور بہن کا رشتہ زیادہ ہے) اور شوہر کے دیگر خویش واقارب، ان سب کے ساتھ کیسے زندگی گذاری جاتی ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اپنے اللہ کو کیسے راضی کیا جاتا ہے؟ ان سب پر مشتمل کچھ اصول اور نکاتی پوائنٹ ہیں جو تیرا باپ تجھے بطور "توشۂ راہِ حیات" پیش کرتا ہے۔

☆……☆☆……☆……☆☆……☆……☆☆……☆

وفیات......وفیات

مختلف شخصیات کے انتقال پر ملال پر لکھے گئے مضامین و تاثرات

وفیات..........وفیات

……خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے……

۱۲؍جولائی جمعرات کا دن ہے ٹیلیفون پر بندۂ ناچیز کو یہ دل خراش اور غمناک خبر مل رہی ہے کہ مظاہر علوم سہارن پور کے سابق صدر مفتی حضرت مفتی سعید احمد اجراڑوی کے بیٹے اور سابق ناظم حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے برادر صغیر اور موجودہ ناظم حضرت مولانا محمد سعیدی حفظہ اللہ کے والد بزرگوار اور سرپرست حضرت مولانا شاہ اطہر حسین صاحب اس دنیائے فانی سے چل بسے،انا للہ و انا الیہ راجعون،اللھم اغفرلہ وارحمہ و سکنہ فی الجنۃ۔لیکن بقول کسے

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اس حقیقت کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے اور کون کرسکتا ہے کہ سرزمین ہندوستان کا وہ خطہ جسے سرسبز وشادابی کے لحاظ سے،دوسرے علاقوں سے ممتاز گنگ وجمن دو دریاؤں کے درمیان واقع ہونے کے اعتبار سے دوآبہ سے موسوم کیا جاتا ہے،وہیں علم وفن کے لحاظ سے اللہ کا فضل وکرم کہ اس کے سینہ پر دار العلوم اور مظاہر علوم جیسے دو مضبوط اور ٹھوس علمی ادارے قائم ہیں جن کی سیادت وقیادت میں ہم اپنے مذہبی،ملی فکری تشخص وامتیاز قائم کئے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت ان کی رہبری سے وابستہ رہنا اپنی سعادت تصّور کرتے رہیں گے۔

یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ شریعت محمدّیہ کی نشر واشاعت،تبلیغ وترویج میں علماء کرام اور خادمان دین کو ایک مستقل باب کی حیثیت حاصل ہے،اس کار عظیم سے ملت کے بقاء وتحفظ کے ساتھ ساتھ ان اکابرین کے تذکروں کو بھی بقاء حاصل ہے جنھوں نے اپنی زندگی کی انمول گھڑیاں دین اسلام کے لئے وقف کردیں۔

اسی گروہِ مقدس اور سنہری سلسلہ کی ایک کڑی عظیم دینی علمی شخصیت حضرت

مولانا شاہ اطہر حسینؒ کی رہی، ان کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق نصیحت سے بھر پور اور سبق آموز ہے، ان کا مرحلۂ تعلیم اگر سنگین ہے تو مرحلہ تعلم بھی رنگین ہے، ان کا مرحلۂ معاش اگر قابل رشک ہے تو ان کا مرحلۂ استغناء بھی قابل رشک ہے، ان کی جلوت و خلوت میں یکسانیت بھی اور سادگی بھی، وہ جلوت میں رہ کر خلوت کے مزے لوٹنے والوں میں سے تھے، مسند درس پر بیٹھتے تو فنِ ادب کے رمز شناس اور تحقیقات کی صحرا نوردی کرتے تو بال کی کھال نکال کر رکھ دیتے۔

عربی ادیب ایسے نظم ونثر پر یکساں مہارت، قادر الکلام شاعر بھی اور نثر میں قلم روانی اور جولانی بھی، مختصر یہ کہ حضرت مرحوم ایک باکمال مدرس اور بہترین مربی تھے، فن تصوف کی تشریح کرنے والے صوفیاء کی زیارت تو کی ہوگی لیکن تصوف کی چلتی پھرتی تصویر حضرت والا کی ذات گرامی تھی، حضرت مرحوم کو دیکھنے والا نو وارد زیارت تو دور سے کر سکتا تھا لیکن ملاقات ومصافحہ کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے نہیں کہ مرحوم جلالی تھے، اس لیے نہیں کہ مرحوم کسی پر غضب ناک ہوتے یا خفا ہوتے، صرف اس لیے کہ تقویٰ وطہارت خدا شناسی کے استحضار کے نتیجے میں من جانب اللہ یہ رعب جما ہوا رہتا کہ معلوم نہیں کہ میری ملاقات پر کیا اثر ہو، کیا اصلاحی جملہ نکل جائے، یا مجھ سے کیا تعبیر کی غلطی ہو جائے۔

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور جہاں ایک طرف، فن حدیث کی خدمت میں معروف ومشہور رہے، وہیں دوسری طرف یہ بات بھی زبان زد خاص وعام ہے کہ وہاں فنونِ لطیفہ، علومِ عقلیہ اور ادبیہ کے ماہرین بھی کچھ کم نہیں، چناں چہ نحو میں علامہ صدیق جموی (کشمیر) وعلامہ یامین رہے، وہاں منطق وفرائض میں مولانا وقار علی صاحب مدظلہٗ جیسی شخصیت کا ڈنکا بج رہا تھا، وہیں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری کے بعد ادبی لطائف، عربی زبان کی وسعت معانی وغیرہ پر سب سے زیادہ نظر حضرت مرحوم کی تھی، ایک

طالب علم نفحۃ الیمن کا امتحان دینے گیا تو اس سے ''بہلول'' کے معنی پوچھ لیے اور اس کی خاموشی یا تامل پر فوراً چھ معانی ذکر کردیئے، کسی موقع پر کسی نے حضرت شیخ الہند کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الہند سے تعبیر کیا تو برجستہ فرمایا کہ وہ تو شیخ العالم تھے۔

ہمارے برادر نسبی حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری اپنے ادارے جامعہ ہانسوٹ کے سلسلہ میں نام تجویز کے لیے پہنچے کہ میری تمنا ہے کہ ادارے کا نام ایسا ہو کہ جس میں معنویت بھی ہو اور مظاہر سے استبراک بھی نیز بانیان مظاہر کی تلمیح پر مشتمل ہو تو کچھ ہی دیر میں فرمانے لگے کہ عبداللہ تیرے منشاء کے مطابق تو میرے دل میں ''مظہرالسعادۃ'' نام آتا ہے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر رؤیا سے خاصی مناسبت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے متعلقین مظاہر میں سے کسی کو خواب کی تعبیر دریافت کرنی ہوتی تو اولین مرجع مظاہر میں موصوف کی ذات گرامی ہوتی۔

حضرت والا میں صفت استغناء قدرت نے کوٹ کوٹ کر ودیعت فرمایا تھا، رسوخ وتعلقات سے اولاً تو واسطہ ہی کم رہا لیکن جب ادارے کو ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ادارے کے مالی استحکام کے لیے ممبئی، کلکتہ، گجرات وغیرہ کے اسفار بھی فرمائے لیکن احاطۂ مظاہر میں بھی اور بیرون احاطہ بھی اپنی شان استغناء کو متأثر نہ کیا، گویا آں جناب کی زندگی اس شعر سے عبارت تھی ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

حضرت مرحوم کے علمی کمالات کو بام عروج پر پہونچانے کے لیے جن شخصیات کی پشت پناہی رہی ہے، ان میں سرفہرست جامعہ مظاہر کے سابق صدر مفتی اعظم حضرت مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی کی آغوش تربیت نیز حضرت مفتی مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ کی برادرانہ شفقت ومہربانی کے علاوہ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب نوراللہ

مرقدہٗ اورحضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ ناظم مظاہر علوم قابل ذکر ہیں، باقی اس دور کے تمام ہی اساتذۂ فضل وکمال نے آپ کونکھارا،سنوارااور پروان چڑھایا، مرحوم نے جہاں کامیاب تدریسی دور کے ذریعہ اپنے تلامذۂ راشدین کا ایک جمّ غفیر بطور پسماندگان کے چھوڑا، وہاں پر ولدصالح مظاہر علوم سہارن پور کے ہونہار نوجوان عالم و منتظم عزیزم مولانا محمد سعیدی حفظہ اللہ ورعاہ کی شکل میں نیز عزیزم مولوی احمد یوشع بھی قرۃ عین کا مصداق ہیں۔

نیز باقیات الصالحات کے طور پر آپ نے رسم المفتی پر ایک قیمتی حاشیہ لکھا جو زیر طبع سے آراستہ ہوکر بہت پہلے مقبول خاص وعام ہو چکا ہے نیز حریری اور مقامات جو بالکل انداز کی کتاب ہے اور تاریخ ادب کی شاہ کار ہے اس کا ادیبانہ ترجمہ بھی کیا۔

نیز شجرۂ سعادت اور بہت سے مختلف قسم کے مناجات، مرثیات وتہنیات آپ کے قلمی شاہ کار ہیں الغرض کہاں تک لکھا جائے اور کب تک؟ بہت سے کمالات سے متصف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گم نامی میں رکھنا پسند کیا اور یہ کہتے ہوئے درس زندگی دے کر چلے گئے ؎

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے

القصہ حضرت مرحوم کا حادثہ مظاہر علوم کا عظیم حادثہ ہے، ہمارے بس میں ایصال ثواب کے علاوہ کچھ بھی نہیں، جامعہ کی مساجد (مسجد میمنی، مسجد السلام، مسجد دار القرآن) میں قرآن خوانی کرا کے مرحوم کے لیے ایصال ثواب اور درجات کی بلندی کی دعائیں کی گئیں، اللہ پاک مرحوم کو آغوش مغفرت میں لے کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور عزیزم مولانا محمد سعیدی صاحب کے ہاتھ کو مضبوط فرمائے اور مظاہر علوم کو نعم البدل نصیب فرمائے۔ آمین!

……وہ کیا گئے کہ چارسو منظر اداس ہے……

حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحبؒ فلاحِ دارین سے سعادت دارین تک
(ایک انفعالی تحریر جس میں بہت کچھ ہے)

خدائے ذوالجلال والاکرام، پروردگارِ عالم کا یہ دستورِ قدرت ہے کہ اس سفرِ ہستی پر کسی کا آنا ہے اور کسی کا جانا، زندگی کا ہر لمحہ اور ہر پل ہم کو یہی درس دیتا ہے کہ یہ دنیا آنی جانی اور اس کی ہر شی فانی ہے؛ باقی ذات اللہ کی ہے "کل من علیھافان O ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام" (الرحمن ۲۶/۲۷) لیکن کچھ قدسی صفات اشخاص اس دھرتی پر اللہ نے اپنی قدرت سے ایسے پیدا فرمائے ہیں کہ ان کے جانے پر کوئی ایک گھرانہ یا خاندان نہیں، بل کہ علاقہ در علاقہ اور شہر در شہر، سوگ وار ہو جاتا ہے اور ہر طرف صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور سب لوگ اس حادثہ کو اپنا ذاتی حادثہ قرار دے کر سراپا مغموم ومحزون ہو جاتے ہیں، ان قدسی صفات مردم ساز مگر گمنام شخصیات میں سے ایک عظیم عبقری شخصیت، جسے قلم آج رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر مجبور ہے، میرے استاذِ محترم بل کہ استاذ الاساتذہ شیخِ فلاحِ دارین، مربی کامل، سراپا اخلاص وعمل، وقارِ سادات، حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی ہے، جو مؤرخہ ۱۹/ربیع الثانی، مطابق ۵/ اپریل، بروز پیر، بوقتِ ظہر ۲/بجکر ۴۵ منٹ پر اپنی جان، جاں آفریں کو سپرد کر کے ابدی اور دائمی طور پر آسودۂ خواب ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

عقل حیران، فکر پریشان ہے کہ تعزیت وتسلی کے کلمات اور مرحوم کے حسنِ کردار وحسنِ اخلاق کے انمٹ نقوش لکھوں تو کس کے لیے؟ فرزندگان اور پسماندگان کے لیے یا علمی برادری بالخصوص فلاحی برادری کے ان تلامذۂ باصفا کے لیے، جنھیں اس چشمۂ صافی

سے سیرابی کا شرف حاصل ہوا ہے؛ یا بذات خود اپنے آپ کے لیے لکھوں، خود کو تسلی دوں کہ ہر ایک، ایک دوسرے کو سوگوار محسوس کر رہا ہے اور ہر ایک کے قلبِ حزیں سے آواز سنائی دے رہی ہے کہ ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بہر حال ہماری شریعت مطہرہ نے ہمیں ہر مرحلہ پر تعلیم دی ہے کہ غمنا کی، المنا کی ابتلاء و آزمائش کا مرحلہ ہو تو اسے کیسے انگیز کیا جائے؟ اور فرحت و انبساط کا موقع ہو تو اسے کیسے اڈجسٹ کیا جائے؟ بہادر شاہ ظفر نے مزاجِ شریعت کی کیسی سچی عکاسی کی ہے کہ ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

حضرت الاستاذ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

ہماری ناقص معلومات کے مطابق جھانسی، گوالیار کے مضافات میں ایک سادات کے خاندان میں آپ نے آنکھیں کھولیں، حضرت کے والد حاجی مختار صاحبؒ دیندار، ملنسار، علم دوست، علم پرور شخص تھے؛ جن کا یومیہ ایک قرآن شریف سے زیادہ تلاوت کرنے کا معمول تھا، انہوں نے حضرت کو گھریلو ابتدائی ضروری تربیت اور دینی و عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے بعد، باوجود اس کے کہ علاقائی ماحول میں عصری تعلیم کا رجحان پایا جاتا تھا، مگر گھریلو ماحول میں دینی رجحان غالب تھا تو مالکِ قضاء وقدر نے اپنے مستحکم نظام کے تحت حضرت حاجی مختار صاحبؒ کو ایک دوست کے ساتھ آستانۂ حضرت مدنی پر پہونچا دیا، ملاقات پر علیک سلیک کے بعد صاحبزادگان کے نام دریافت فرما کر کہنے لگے کہ ذوالفقار کو میرے پاس بھیج دو، والد صاحب نے حامی بھرلی، پہونچانے

میں تاخیر ہوئی تو بقول حضرت وستانوی ''حضرت مدنیؒ کا والا نامہ پہنچا کہ ابھی تک ذوالفقار کو پہونچایا نہیں؟ چناں چہ آپ نے پہونچایا اور وابستۂ دارالعلوم کر دیا'' وہاں پر پہنچ کر ابتدائی ایام میں حضرت مدنیؒ کے دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے رہے اور کم عمری وکم سنی کی وجہ سے آپ کو حضرت مدنیؒ کے حکم پر ۵ رسال تک فارسی خوانی میں مشغول رکھا گیا۔

اس دور کے اساطینِ علم وفضل سے آپ نے خوب استفادہ کیا، بل کہ ایک مرتبہ اپنے ذوق علم اور وسعت مطالعہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ایک سال میں اردو کی تین سو سے زائد اور چار سو کے قریب کتابیں پڑھیں۔

پھر دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ فلاح دارین ترکیسر کی جوہر شناس وقدر شناس، عظیم شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی نظر انتخاب مسندِ تدریس وتربیت کے لیے حضرت پر پڑی، جو ایسی مقبول ہوئی کہ فراغتِ دارالعلوم کے بعد سے لے کر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ایک ہی ادارہ سے وابستہ رہے، بقول خادم القرآن حضرت وستانوی صاحب دامت برکاتہم ''اتنے طویل زمانۂ تدریس کے باوجود نہ کسی مسئول سے، نہ مدرس سے، نہ معاصر سے، نہ کسی تعلیمی وغیر تعلیمی اسٹاف سے کوئی تلخی پیش آئی، نہ رنجش ہوئی بل کہ صلح کل کا حامل بن کر زندگی گذاردی''۔

حضرت الاستاذ کی اپنے ادارے سے مثالی وارفتگی:

حضرت والا فلاحِ دارین کو ذرے سے آفتاب بنانے میں اپنے شباب کو شیخوخت اور اپنی سیاہی کو سفیدی میں بدل ڈالا، اور بلاخوف لومۃ لائم آپ نے فلاحِ دارین کے ہر شعبہ کی اپنی دور بینی، حکمتِ عملی سے ایسی آبیاری فرمائی کہ تعلیمی معیار ہو، یا طلبہ کا تربیتی گوشہ، مہمانوں کی تسلی وتشفی کا مرحلہ ہو، یا طلباء کی انجمنوں کا مرحلہ، اساتذہ کا انتظامیہ

سے کوئی شکوہ ہو، یا انتظامیہ کو کسی سے کوئی رنجش، پولیس محکمہ کی انکوائری ہو، یا مقامی آزمائشی گتھی کو سلجھانا؛ ہر ایسے نازک موڑ پر انتظامیہ کی شانہ بشانہ ہر قسم کی قربانی و ایثار کرنے کے لیے کوئی شخصیت اگر تھی، تو حضرت مرحوم کی تھی، آپ نے اپنے آپ کو فلاحِ دارین پر ایسا نچھاور کیا کہ فلاحِ دارین کا تصور آپ کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا، آپ پر اس وقت یہ شعر بجا صادق آرہا ہے ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضرت الاستاذ کی درسی مقبولیت وخصوصیات:

حضرت مرحوم کو جنہوں نے آخری دور میں دیکھا ہے، انہوں نے ایک منتظمِ مدارس، صاحبِ رائے اور صائب الرائے کی حیثیت سے دیکھا ہے، حالاں کہ آپ مختلف علوم وفنون میں اردو وفارسی سے لے کر نحو وصرف، ادب وبلاغت، منطق وفلسفہ، فقہ واصول فقہ، تفسیر وحدیث ؛غرض ہر علم وفن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، چناں چہ فلاحِ دارین کے زمانۂ قدیم میں بوستاں، قواعدِ فارسی، علم الصیغہ، الدروس النحویہ، ہدایۃ الحکمۃ، ہدایہ، شرح وقایہ، جلالین جیسی اہم کتابیں زیر درس رہیں؛ اور اخیر میں مسلم اور صحیح بخاری بھی آپؒ کے زیر درس رہیں، جس سے آپ کو جامع معقول ومنقول کہنا بجا ہوگا۔

حضرت الاستاذ کے درس کی خصوصیات میں سب سے پہلی خصوصیت یہ رہی کہ:

(۱) آپ ماہر نفسیات ہونے کی وجہ سے طلباء کی نفسیات کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے، طلباء کب طویل بحث کو برداشت کر سکتے ہیں اور کب اختصار کے خواہاں ہوتے ہیں؟ اس بات کا آپ خوب خوب خیال فرماتے۔

(۲) کتاب کے آغاز میں مصنف کے احوال اس طرح پیش فرماتے کہ گویا ابھی مصنف سے مشافہۃً متعارف کرا رہے ہوں۔

(۳) مقدمۃ العلم کو مختصراً مگر ایسا جامع پیش فرماتے جو معین مقصود ہوکر، بصیرت فی الفن کا موجب بنتا۔

(۴) کسی آیت کی تفسیر، کسی حدیث کی تشریح، یا کسی عبارت کی توضیح کرتے ہوئے بین السطور، حاشیہ اور شراح کے خیالات کے ساتھ ساتھ اپنی رائے اور رجحان کو اس طرح بلیغ اسلوب میں پیش فرماتے کہ آپ کی رائے ورجحان راجح نظر آتا۔

(۵) آیات وروایات کی تشریحات حالاتِ حاضرہ پر اس طرح منطبق فرماتے گویا یہ آیت وحدیث اسی موقع ومحل کے لیے ہے۔

(٦) اگر کوئی نئ تصنیف وتالیف، یا کوئی مضمون ورسالہ آپ کے نظر نواز ہوتا تو اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے اور درس میں آکر ادنیٰ سی مناسبت سے اس کتاب یا رسالہ کا ایسا خلاصہ بیان فرماتے، جو طلباء کے لیے مشعلِ راہ ہونے کے ساتھ ساتھ کئی سو صفحات کے مطالعہ سے مستغنی کر دیتا۔

ان ساری خصوصیات وامتیازات پر حاوی ایک خاص خوبی درس کی یہ رہتی کہ آپ کے جواہر پارے اور شفقت آمیز لہجے سے نکلے ہوئے قیمتی جوہر و گوہر کو دامن علم میں سمیٹتے ہوئے، کبھی کسی ادنیٰ طالب علم کو بھی اکتاہٹ یا گراں باری کا احساس نہ ہوتا، یعنی ہر طالب علم یہ چاہتا کہ حضرت کا درس مزید طویل ہو، کبھی گھنٹہ ختم ہونے یا وقت ختم ہونے کا احساس نہ ہوتا۔

حضرت الاستاذ کی شخصیت ہر ایک کے لیے سراپا شفقت ورحمت تھی:

کسی اللہ والے نے کہا ہے کہ ”قلب مؤمن پر جب ایمان کا غلبہ ہوتا ہے تو آثارِ ایمان؛ تواضع وانکساری، ہمدردی وبھائی چارگی اور شفقت ومروت کی شکل میں اعضاء انسانی سے جھلکتے ہیں“ ہمارے پیارے اور بہت پیارے استاذ کی ایک ایک ادا اور ایک

ایک بول دریائے شفقت کے پانی سے لبریز تھا، آپؒ کے تلامذہ میں سے ہر تلمیذ یہ تصور کرتا تھا کہ حضرت کا مقرب ترین اور راز دار میں ہی ہوں، ہر ایک کو ''بیٹے'' کے ایسے البیلے انداز میں خطاب فرماتے کہ مخاطب محسوس کرتا کہ اس جگہ ''مفکر وقت، علامہ، خادم القرآن'' کے سارے القاب آپ کے شفقت بھرے خطاب کے سامنے ہیچ اور کمتر ہیں۔

آہ!! اب یہ کان ترستے رہ جائیں گے خلوتوں اور جلوتوں میں کہ ''بیٹے غلام محمد'' تمہاری ذکریٰ کی کیا خبر ہے؟'' بیٹے یوسف، بیٹے ارشد، بیٹے صدیق، بیٹے عبد الرحیم، کب آئے؟'' بیٹے احمد، بیٹے سعید، بیٹے حذیفہ''۔

آہ! ہم یتیم ہوگئے اپنے مشفق کی ایسے شفقت بھرے خطاب سے۔ اگر کوئی شاگرد یا غیر شاگرد عالم بطور تقریظ کے کچھ لکھنے کو کہتا تو حضرت اہتمام سے اپنی مصروفیت و ضرورت سمجھ کر اس طرح حوصلہ افزا کلمات تحریر فرماتے کہ کبھی چھوٹوں کو بھی احساسِ برتری ہونے لگتا۔

کوئی عالم کسی نئی کتاب کو حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا تو نہ صرف یہ کہ اس کا مطالعہ فرماتے، بل کہ اس کی افادیت واہمیت کا تذکرہ حسب موقع ومحل کرتے اور ملاقات پر اس کتاب پر ایسا جچا تلا تبصرہ فرماتے کہ مارے مسرت کے مصنف کی باچھیں کھل جاتیں۔

ہمارے جامعہ کے استاذ جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی سمستی پوری کی تصنیف ''باطن کا سفر مذہب اور سائنس کی رہ نمائی میں'' حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی تو اس پر آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کی قدر دانی فرمائی، بل کہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''مولانا کی کتاب بہت عجیب وغریب ہے، میں نے مطالعہ کے بعد اپنے بیٹے ''مفتی جنید سلمہ'' کو بھیج دی کہ میں نے تو حرف بحرف مطالعہ کرلیا، اب تم بھی اس کا مطالعہ ضرور کرو''۔

جامعہ کے استاذ مولوی عبد الرحیم قاسمی (بیڑ) ایک پروگرام میں بحیثیت ناظمِ جلسۂ استقبالیہ، یہ شعر کہہ رہے تھے کہ ؎

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اس پر حضرت نے مزاح آمیز تبصرہ فرمایا، مولانا عبد الرحیم نے حضرت مولانا ریاست علی بجنوری صاحب کا ایک دوسرا شعر برملا استقبال میں پیش فرمادیا ؎

نادم ہیں واقعی اس کرم بے حساب پر
خوش آمدید؛ آپ کہاں میرا گھر کہاں

اس برمحل حسن تبدیلی پر آپ نے خصوصی انعام سے نوازا۔

جامعہ کے استاذ قاری سید عارف الدین صاحب نے جامعہ اسلامیہ بنجاری چوپاٹی میں چھٹے آل ایم پی مسابقہ کے فروعات میں سوالات کئے تھے، جنہیں سن کر حضرت نے معانقہ کرکے حوصلہ افزائی فرمائی۔

فلاحی برادری اور جامعہ اکل کوا کی چہار دیواری کی اینٹ اینٹ آپ کی الفت و شفقت پر غماز ہے، اللہ آپ کو بھی اپنی وسیع رحمت کی آغوش میں لے کر الفت ابدی نصیب فرمائے۔ (آمین)

حضرت الاستاذ کی شانِ وعظ وخطابت:

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ رحمۃ اللہ کو ادارہ کے ساتھ تعلیمی و تربیتی لحاظ سے مربوط رکھا تھا، وہیں آپ رحمۃ اللہ کی ذاتِ گرامی مخلوقِ خدا سے روحانی و دینی اعتبار سے ایسی مربوط تھی کہ جہاں کسی غمناک کو تسلی، بیمار کی بیمار پرسی اور شادی بیاہ کی تقریب کا موقع ہوتا یا کوئی دینی و دعوتی مجلس ہوتی، آپ رحمۃ اللہ اسباق کا ناغہ کئے بغیر حتی الوسع 1

حاضر ہوتے اور موقع محل کے موافق، مقتضائے حال کے مطابق، مختصر مگر ایسی دل نشیں تقریر وخطاب فرماتے کہ حاضرین محسوس کرتے کہ اس وقت اس سے بہتر کوئی نصیحت اور وعظ نہیں ہوسکتا۔

"جامعۃ الفلاح "اندور میں مسابقہ کی اختتامی مجلس تھی، سب اپنے اپنے تأثرات پیش فرماتے ہوئے حضرت وستانوی پر خادم القرآن کے لقب کو منطبق فرما رہے تھے؛ اس وقت پہلی مرتبہ اذان کی فرع رکھی گئی تھی، تأثرات کے درمیان منتظم کو بلوا کر کہا کہ میرے لئے بھی کچھ وقت متعین کیا ہے؟ ہاں میں جواب ملنے پر آپ نے بیان فرمایا اور فلسفۂ اذان پر اندور کی عوام کے سامنے ایسا دل نشیں خطاب فرمایا کہ اس پورے خطاب کا عنوان ہی ایسا تھا ﴿......مجھ سے دیکھا نہ گیا حسن کا رسوا ہونا......﴾

اس کے علاوہ کنج کھیڑا میں ختم بخاری شریف کا درس آپ کی جامعیتِ علم وفن کا غماز ہے، اگر یہ تأثراتی مضمون اس کا متحمل ہوتا تو آپ کی شانِ خطابت کے کچھ یادگار نقوش ضرور سپردِ قرطاس کئے جاتے۔

آپؒ کے اس دعوتی وخطابی پہلو نے ایسی مقبولیت پائی کہ ہندوستان ہی نہیں، بل کہ بیرونِ ہند فرانس، موریشش، افریقہ، برطانیہ، کنیڈا وغیرہ کے لوگوں نے بھی آپ کے حسنِ تعبیر سے آراستہ اور حکمت سے لبریز خطاب سے لطف اندوز ہوکر اپنی متاعِ گراں مایہ دولتِ ایمان ہی کو سمجھنے کی کوشش کی اور آپ نے "قُلْ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا" کی شانِ استغناء کے ساتھ امت کی رہبری ورہنمائی میں کوئی کمی نہ ہونے دی۔

حضرت الاستاذ کی گمنامی وبے نفسی:

بایں ہمہ کمالات وخدماتِ جلیلہ آپؒ نے اپنی شانِ ولایت اور مقامِ عارفیت کو ظرافت وسادگی، بے نفسی وگمنامی میں ایسا چھپایا تھا کہ اقبال مرحوم کے خرقہ پوشوں کا

12

آپ ایک فرد نظر آتے تھے ۔

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کو، ارادت ہوتو دیکھ ان کو
یدِ بیضاء لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت والا ایک مرتبہ ختم بخاری شریف کے موقع پر اکل کو تشریف لائے، حضرت باندویؒ صدر نشیں ہیں، حضرت سمشیؒ بھی موجود ہیں، حضرت باندوی نے ابتدائی تمہیدی خطاب کے بعد فرمایا کہ ختم بخاری تو مولانا سمشیؒ ہی فرمائیں گے اور اس ضمن میں افتتاح و اختتام کے موقع پر استاذ کے علاوہ دیگر عالم کو بلاکر جو درس دلایا جاتا ہے، اس کے نقصانات بیان فرمائے اور فرمایا شیخ الحدیث ہی ختم کرائیں اور وہیں ختم بخاری شریف سے فراغت پر حضرت باندویؒ نے سمشیؒ صاحب سے فرمایا کہ مجھے آپ کے گھر چلنا ہے، چناں چہ حضرت مولانا ذوالفقار مرحوم کے ہمراہ ایک گاڑی میں شیخ صاحب کے گھر پہنچ کر کہنے لگے کہ بخاری شریف لاؤ، مجھے ایک جگہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے چناں چہ بخاری شریف دی گئی، ایک مقام کو نکال کر کہنے لگے کہ میں ضرورت سے فارغ ہوکر آتا ہوں آپ دونوں حضرات مجھے یہ مقام سمجھادیں جہاں میں اٹکا ہوں، اس پر یہ دونوں بزرگ حیران کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت باندویؒ کو سب سمجھ میں آرہا ہے، لیکن وہ اپنے باطن کا علاج کررہے ہیں، اب حضرت کو کیا جواب دینا چاہیے؟ فرمایا کہ حضرت کو یہ کہا جاوے کہ اس مقام پر آپؒ نے جو سمجھا ہے، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں سمجھ پائے ہیں، ادھر سے بھی بے نفسی کا مظاہرہ اور ادھر سے بھی نفس کشی کا مظاہرہ۔ اللہ اکبر!

میرے بہنوئی حضرت مولانا احمد لولات صاحب کا جنازہ حاضر ہے، اطراف و اکناف کے علماء وصلحاء موجود ہیں، ان کے عالم بیٹے مولانا مجتبیٰ صاحب سعادتی نماز

جنازہ پڑھانے کے لیے تیار ہیں، ان کی نظر حضرت مرحوم پر پڑی تو انہوں نے حضرت سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، آپ نے عجیب تربیتی جواب دے کر اپنے کسر نفسی کا مظاہرہ کیا کہ بیٹے! ابا کی آخری خدمت کا موقع ہے، کر لے، اس میں پس وپیش مت ہو!۔ اللہ اکبر

حضرت کی ادائے خسروانہ:

☆......حضرت کے مزاج وطبیعت میں فطری نرمی تھی جس کو انتظامی ارتباط بھی متأثر نہ کر سکا۔

☆......حضرت اجنبی سے اجنبی آدمی کو بھی اپنی نرم گفتاری سے گرویدہ بنا لیتے۔

☆......معمولات کا بے حد اہتمام تھا جو سفر وحضر میں بھی برقرار رہتا۔

☆......آپ کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو بھی نظر انداز نہ فرماتے۔

☆......آپ ہمیشہ اپنی جیب میں چاکلیٹ رکھتے اور موقع محل کی مناسبت سے چھوٹے بچوں، اپنے تلامذہ بل کہ ہم عصر علماء تک کو ایسے محبت بھرے انداز میں پیش فرماتے کہ آپ کے مبارک ہاتھوں کے چاکلیٹ کی لذت ہی کچھ اور ہوتی۔

حضرت رئیس جامعہ اور جامعہ پر آپ کا شفقت بھرا سایہ:

تلامذہ کو استاذ سے اور استاذ کو تلامذہ سے والہانہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور یہ ارتباط ہی تلامذہ کی سعادت مندی اور اساتذہ کے لیے آخرت کی سرخ روئی ثابت ہوتا ہے، پھر استاذ وسیع النظر ووسیع الظرف ہو اور تلمیذ احسان شناس وقدر شناس ہو تو طرفین کا تعلق ایسا مستحکم اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ ناساز گار اور مسموم حالات بھی اس ارتباطِ فولادی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔

ہمارے جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے بانی ورئیس حضرت مولانا غلام محمد

صاحب وستانوی دامت برکاتہم کا اپنے استاذ کے ساتھ ایسا ربط وتعلق تھا کہ ان کو بیٹے غلام محمد سے لے کر سلطان المدارس وخادم القرآن کے مقام تک پہنچانے میں آپ کی دعائے نیم شبی اور آہِ سحر گاہی نے اکسیرِ عظیم کا کام کیا تھا، حضرت مولانا غلام صاحب نے جب جب بھی اور جہاں جہاں بھی آپ کو مدعو کیا، اگر اس دعوت پر لبیک کہنا ممکن ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس مجلس کا حق ادا کیا، مدارس ومساجد کے افتتاحی مواقع ہوں یا تقریب تکمیل حفظ قرآن، ختم بخاری شریف کی محفلیں ہوں یا انجمنوں کے سالانہ اجلاس، ریاستی وملکی پیمانہ کے مسابقات القرآن ہوں یا کوئی اور مواقع، کون سا موقع ایسا ہے کہ حضرت کو بلایا گیا ہو اور حضرت نے زحمت سفر نہ فرمائی ہو۔

جامعہ اکل کوا کی طرف سے آل گجرات مسابقات القرآن کا انعقاد ۲ر نومبر ۱۹۹۴ء میں آج سے تقریباً ۱۶ر سال قبل شہر احمد آباد کی عظیم دینی درسگاہ فیضان القرآن میں بہت ہی تزک واحتشام کے ساتھ ہوا تھا، جس میں ہمارے محسن، مربی ومشفق حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئے، اور گجرات بھر کے مدارس کے طلبا وعلماء اور شہر احمد آباد کے زندہ دل مسلمانوں کی اجتماعیت سے متأثر ہو کر، حضرت وستانوی کو اپنے وقت کا ''عالمگیر'' اور اس سے بھی بڑھ کر ''سلطان المدارس و المساجد'' کے لقب سے ملقب کیا اور مسابقۃ القرآن کے اس حسین سلسلہ کو ''بیٹے غلام محمد'' کا تجدیدی کارنامہ قرار دیا۔

اسی طرح ریاض العلوم انواء، جو ترکیسر سے ۶۰۰ر کلومیٹر پر واقع ہے، منہاج العلوم رنجنی، اور مدرسۃ الفلاح پپلہ، مدرسہ ابوبکر صدیق عنبر، مدرسہ عمر بن خطاب کنج کھیڑا جو ترکیسر سے ہزار ہزار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں، نیز وشاکھا پٹنم، بیجاپور کرناٹک تک کے اسفار صرف ایک فون پر محبت آمیز انداز میں یہ کہتے ہوئے قبول فرمائے کہ سنٹرل گورنمنٹ

کا آرڈر رہے، اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟

ایک مرتبہ جامعہ حسینیہ آکولہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت رئیس جامعہ کے ہمراہ وہاں سے سیندھوا کا سفر تھا، حضرت وستانوی دامت برکاتہم کو عارضۂ قلب پیش آیا، اس پر اس قدر متفکر بل کہ مضطرب ہوئے کہ خاندان کے ہر چھوٹے بڑے کو تاکید کی کہ ان کی زندگی بڑی قیمتی ہے، سفر پر بریک لگاؤ! اور جب تک شفاء یابی کہ خبر نہ آئی، اس وقت تک خود بھی دعاء فرماتے رہے اور اپنے متعلقین کو بھی اہتمامِ دعاء کی تلقین کرتے رہے۔ اور شفقت ومحبت کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی کوئی کیا پیمائش کرے کہ جب اپنے خونِ جگر سے سینچے ہوئے بیٹے ''غلام محمد'' کو ایک مرتبہ فرمایا کہ ''جب جب اللہ پاک تہجد کی توفیق دیتا ہے اور رجوع الی اللہ کی توفیق ملتی ہے تو بیٹے! پہلے تیرے لیے دعاء کرتا ہوں، پھر اپنے لیے''۔

اس ایثار وقربانی پر ہزاروں جانیں نچھاور:

ایثار وقربانی آپ کی حیاتِ مبارکہ کا وہ روشن باب ہے جو پوری دنیا کے مدارس ومراکز کے لیے آئیڈیل ونمونہ ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم نے فلاح دارین کے تعزیتی اجلاس میں فرمایا کہ:

☆......اگر کسی سابق وقدیم استاذ کی کوئی کتاب ہٹا کر آپ کو نامزد کی جاتی تو بڑی حکمتِ عملی سے فرماتے کہ دل شکنی کسی کی نہ ہو، اس لیے مجھے یہ کتاب نہ دی جائے۔

☆......کبھی اضافۂ تنخواہ یا ذاتی ضرورت کا اشارہ تک نہ کیا، یہ تو وہ ایثار ہے جس کا احساس بہت سے حضرات کرتے ہوں گے، لیکن ایک ایسا ر ایثار جس کا احساس بہت کم احباب کو ہوگا کہ حضرت کاپودروی دامت برکاتہم کے کنیڈا تشریف لے جانے کے بعد آپ کے تلامذہ بل کہ تلامذہ کے تلامذہ بھی منصبِ اہتمام پر جلوہ افروز ہوئے، اس پورے دور میں

فلاحِ دارین کی عزت پر حرف تو کیا آتا؟ بل کہ اس سے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نانا محترم کی تعلیم (ولو کان عبدا حبشیا) کا ایسا مظاہرہ کیا جو یقیناً ایک سید ہی کی شان ہے، ان سب کے فیصلوں کو تسلیم کیا اور کبھی جلوت میں حرف غلط کے طور پر بھی حرف شکایت تو کیا، حرف حکایت بھی زبان پر نہ لائے۔

بخاری شریف کے سلسلہ کا ایثار:

حضرت مرحوم کی بے نفسی کے نقوش اور اپنے ادارے سے وفاداری کے نشانات کیسے ختم کیے جاسکتے ہیں۔ حضرت مولانا سید ابرار احمد دھلیویؒ کے وصال کے بعد بخاری شریف کے ایک حصہ کے لیے بلفظ دیگر شیخ الحدیث کی جستجو کے سلسلہ میں بنفس نفیس حضرت مہتمم صاحب مولانا خلیل احمد صاحب راوت کے ہمراہ دیو بند اور اطراف دیو بند تشریف لے گئے اور متعدد مشائخ سے ملاقات کی، لیکن تلمیذ رشید مولانا خلیل صاحب نے آپ کو دوران سفر آمادہ کرلیا کہ کہاں ہم شیخ الحدیث کی تلاش میں در در گھوم رہے ہیں شیخ الحدیث تو ہمارے پاس آپ کی شکل میں موجود ہے، آپ کا بخاری کا مطالبہ نہ کرنا، جب کہ آپ ناظم تعلیمات بھی ہیں، آپ کا تلاش کے لیے ہمراہ جانا اور حضرت مہتمم صاحب کے کافی اصرار کے بعد اسے قبول کرنا، ایک ایک پہلو سے جاں نثاری، وفاداری بے نفسی کے کتنے اعلیٰ اوصاف اجاگر ہوتے ہیں، سچ ہے قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم "من تواضع لله رفعه الله" (مسند احمد بن حنبل)۔

آپؒ کی خاندانی نوازشات:

ہمارے حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ! آپ کے کن تابندہ نقوش کو سپرد قرطاس کروں اور کن کو نظر انداز کروں؟ آپ نے تو نہ صرف یہ کہ علمی وتربیتی امور پر نگرانی فرمائی، بل کہ گھریلو امور میں بھی آپ کی مشفقانہ عنایتیں ایسی رہیں کہ اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ہمشیرہ صغیرہ کے نکاح کے موقع پر رویدرا میں تشریف لاکر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی موجودگی میں خدمات جمعیۃ العلماء پر آپ کا خطاب ایسا پر مغز تھا کہ خود فدائے ملت آپ کو فرمانے لگے کہ آپ اطمینان سے اپنی گفتگو جاری رکھیں، آپ کی یہ شفقت ہم کیسے فراموش کر سکتے ہیں؟

حضرت وستانوی کی بیٹی ''اسماء'' اور داماد ''مولانا محمد حنیف وستانوی'' شیخ الحدیث دار العلوم اکواڑہ، بھاؤنگر کے ساتھ آپ کا مع اہل خانہ سفر حج ہوا تو آپ کی شفقتوں اور مہربانیوں کا مدتوں تذکرہ ہوتا رہا اور لذت لے لے کر سنایا جاتا رہا اور آپ کی درویشی کا گن گایا جاتا رہا۔

صرف ایک واقعہ عبرت انگیزی کا ذکر کرتا چلوں کہ حضرت مع الاہل اور مولانا محمد حنیف مع الاہل منیٰ سے مزدلفہ پیدل آرہے ہیں، لیکن مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پہلے دونوں جوڑے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور ازدحام کثیر کی وجہ سے ناممکن تھا کہ ملاقات ہو، طرفین میں اضطرابی کیفیت شروع ہوئی، مولانا حنیف وستانوی کا بیان ہے کہ ایک جگہ پانی لینے کی غرض سے ہم رکے تو حضرت نے بڑے پیار سے دور سے آواز دی کہ بیٹے حنیف! میں لپک کر حضرت سے لپٹ گیا، فرمانے لگے بیٹے! جب سے ہم جدا ہوئے تو اتنے وقفے میں مجھے جو رجوع الی اللہ نصیب ہوا، اس میں یہی دعا رہی کہ اے اللہ! مجھے حنیف اور بیٹی اسماء سے ملادے! مولانا حنیف فرماتے ہیں کہ وہ میری زندگی کا یادگار لمحہ ہے۔

بیٹی ''اسماء'' آپ کے انتقال پر اضطراب کے ساتھ اپنے ابا اور ماموں کو فون کر کے کہتی ہے کہ حضرت کو اتنی دور کیوں لے جایا جارہا ہے؟ اور اگر لے کر ہی جانا تھا تو کیا بذریعۂ طیارہ ممکن نہیں تھا، ایسا انداز کہ جیسے اپنے ہی قریبی گھرانہ کا حادثہ ہوا اور ایسا 15

کیوں نہ ہو کہ بیٹی ''اسماء اور حنیف'' کے ایک ایک بچے تک کا نام حضرت کے نوک زبان تھا، حتی کہ جب عزیزہ ''ذکریٰ'' مرحومہ کی علالت کی خبر سنی تو بے چین ہو کر بارگاہِ الٰہی میں دعاؤں کا خوب اہتمام فرمائے۔

ماہ شوال میں بیٹی ''ربیعہ سلمہا'' کے عقد مسنون کے موقع پر دعوت نکاح کے سلسلہ میں حاضری ہوئی تو بالکل متفکر ہو کر فرمانے لگے کہ بیٹے! اسماعیل بھی اصرار کر رہا ہے، تم بھی آئے، مفتی صاحب کا فون آیا اور ادھر ڈاکٹر سے ٹائم لے رکھا ہے، ایک طرف ہمارے جذبات تھے دوسری طرف حضرت کو آنکھ کا شدید عارضہ تھا، بہت ہی ادب کے ساتھ ہم نے آپ کی مجبوری کو سامنے رکھ کر اصرار نہ کیا، پھر بھی عدم حضوری پر حضرت بار بار معذرت فرماتے رہے اور دعاؤں کی سوغات سے نوازتے رہے۔

ابھی اوائل مارچ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے افتتاحی اجلاس کے اختتام پر حضرت مفتی صاحب سے جامعہ مظہر سعادت کے سلسلہ میں بہت توجہ کے ساتھ طویل گفتگو فرمائی، ایک ایک عمارت کے حسن اور ایک ایک پروگرام کی کامیابی پر حوصلہ افزا مبارک بادی پیش فرمائی، اس وقت کیا معلوم تھا کہ اس مرد قلندر کے قلندرانہ بول کو پھر کان ترس جائیں گے، ان کی بابرکت دید سے آنکھیں محروم ہو جائیں گی ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت الاستاذ کی حیات مبارکہ کے خصائل حمیدہ کا تذکرہ اتنا لذیذ تر محسوس ہو رہا ہے کہ ہر صبح ایک نئی کرن لے کر اور ہر شام ایک نئی یاد لے کر نمودار ہوتی ہے، کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ آفتاب علم و عمل شبِ جمعہ کو اپنے پالنہار و پرورگار سے وصال کی تیاری میں مصروف ہے اور یکایک یادالٰہی میں غرقاب ہو کر، مضطرب دل ہو کر ظاہر بینوں کی نظر میں عارضۂ قلب کی صورت اختیار کرے گا اور زبان ذکر الٰہی سے لذت آشنا ہو کر

شدتِ شوگر کی شکل اپنائے گا کہ صبح ہوتے ہوتے جامعہ اکل کوا کی وسیع و عریض مسجد میں آپ کا یہ شاگرد عزیز اور مقرب ترین یہ اعلان بذات خود کر رہا ہے کہ ابھی ابھی بذریعۂ ٹیلیفون یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مربی محترم استاذ مکرم سخت علیل ہیں، ہم سب اللہ سے دعاء کریں کہ اللہ پاک حضرت کو شفاء کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے اس پر پوری مسجد دل کی گہرائیوں کی آمین سے گونج اٹھی۔

اس کے بعد رئیس جامعہ برابر صاحب زادے محترم اور خدام سے رابطے میں رہے اور جمعہ کے بعد آپ کو بے قراری بڑھی تو اس راقم الحروف کو حکم فرمایا کہ حضرت کی عیادت کے لیے بڑودہ چلنا ہے چناں چہ راستہ سے صوفی اسماعیل صاحب اور مولانا حسن عبداللہ بھڑکودروی اور مولانا اویس صاحب کو لیتے ہوئے پانچ نفری قافلہ عیادت کو پہنچا۔ حضرت باوجود بے چینی کے اپنے لاڈلے اور عزیز کو دیکھ کر بیٹھ گئے، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کبھی مدرسہ کی، کبھی مولوی سعید سلمہٗ کی اور کبھی مولوی حذیفہ کی خبر پوچھتے رہے، اس دوران فرمایا کہ مولانا ابراہیم اندوری سے بعض مرتبہ کئی کئی مہینوں تک ملاقات نہیں ہوتی، لیکن اب کی مرتبہ وہ آئے اور دو گھنٹے مجھ سے گفتگو فرماتے رہے، اس کے بعد جوبات فرمائی وہ یہ کہ ان کو بھی الہام ہو گیا تھا کہ یہ اب جانے والا ہے، راقم الحروف بڑی عقیدت سے رقم طراز ہے کہ کیا یہ الہام ابراہیمی کے ساتھ الہامِ ذوالفقاری نہ تھا؟

حضرت کو جب ذرا راحت ہوئی تو حضرت وستانوی نے دوسرے کمرے میں جا کر فلاح دارین کے نائب مہتمم اور حضرت کے صاحب زادے مفتی جنید اور دیگر رفقاء سے بہت ہی اشارے اور رمز کے انداز میں باصرار فرمایا اور بار بار فرمایا کہ حضرت کو بہ عجلت ممکنہ اقرب الی البیت کر دیا جائے لیکن ضابطہ ہے کہ ہر تدبیر پر تقدیر غالب آ کر رہتی ہے، چناں چہ جن حضرات کی رائے شفاخانہ میں رکھنے کی ہوئی، انہوں نے بیماری

کی حالت میں سفر کرانے کو مناسب نہ سمجھا اور جن کی رائے گھر لے جانے کی رہی، ان کے جذبات یہ رہے کہ اہل خانہ بیٹے، بیٹیوں کی زیارت سے یک گونہ تقویت پا کر اسباب کے درجہ میں شفایابی ممکن ہو جائے لیکن حضرت ہی سے کبھی یہ سنا تھا کہ

ع عجب تیری قدرت عجب تیرا کھیل

ہم تو بادلِ ناخواستہ بیمار کی عیادت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے عجیب کشمش کی حالت میں واپس آئے اور حضرت محبوب حقیقی سے وصال کے تصور میں سرشار ہونے لگے۔

حضرت کا وصال اور محبین میں اضطراب:

فرصت پا کر دار الیتامی بھروچ میں قیام کیا اور صبح حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی خدمت میں پہنچے، جہاں حضرت مولانا غلام کی زبانی حضرت کے حالات سننے کے لئے بے قراری تھی، حضرت کاپودروی حالات سن کر بہت متفکر اور مغموم ہوئے اور بار بار اپنی تشویش کا اظہار فرماتے رہے۔ سنیچر، اتوار کے دن شدتِ مرض کی خبر سن کر کافی تشویش تھی، پیر کی صبح کو بہت امید افزا خبر آئی کہ حضرت نے تہجد ادا فرمائی اور چائے نوش فرمائی وغیرہ وغیرہ، لیکن کسے پتہ تھا کہ محدثِ عظیم کی یہ خبرِ صحت تو سب کو غفلت میں ڈالنے والی ہے، ایک طرف ملک و بیرون ملک کے شاگردوں نے اطمینان کی سانس لی تو دوسری طرف حضرت مولانا شیر علی صاحب دامت برکاتہم کا یہ جملہ کہ ''ذوالفقار! تیرے درس کا طلباء تو کیا شیر علی بھی منتظر رہے گا'' طلبائے فلاح دارین بالخصوص طلباء دورۂ حدیث سراپا منتظر ہیں کہ ہمارا مشفق و مربی کل صحت یاب ہو کر ہمارے درمیان آئے گا اور ہمیں اپنے علمی جواہر پارے سے نوازے گا، اسی امید و آس کے دوران آپ کی زبان مبارک سے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کا سنا شعر، صادق آ گیا کہ ؎

پھول کیا ڈالو گے تربت پر مری　　　خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

یکا یک ۲/بجکر ۳۰/منٹ کے درمیان یہ خبر صاعقہ بن کر کانوں سے ٹکرائی کہ مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت کے وصال کی خبر اس برق رفتاری کے ساتھ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک اور ہند سے بیرون ہند تک پہنچی کہ ہسپتال کے باہر ایک ازدحام تھا جو حضرت کی خیریت معلوم کرنے کا منتظر تھا۔ ادھر برطانیہ میں مولانا اسماعیل بن عبداللہ اور حافظ ابراہیم کو، نیز حضرت رئیس فلاحِ دارین کو وصال کی خبر معلوم ہوئی اسی طرح جن جن کو اطلاع ہوئی، وہ اپنے محبوب کے آخری دیدار کے لیے رواں دواں ہو گئے، کوئی بڑودا پہنچنے کی سعی کر رہا ہے تو کوئی اندور کے لیے دوڑ لگا رہا ہے، تو کوئی حضرت کی آخری آرام گاہ "نرور" تک پہنچنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

آپ کے حقیقی قدرداں اور جوہر شناس رفیق قدیم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے بڑودہ میں نماز جنازہ پڑھا کر تسکین حاصل کی، حضرت مولانا وستانوی صاحب دامت برکاتہم نے شہر اندور کے قریب جامعہ اسلامیہ بخاری چوپاٹی میں پہنچ کر ایک جمِ غفیر کی موجودگی میں اپنے مربی و مشفق کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی؛ اور باکمال بیٹے مفتی محمد جنید فلاحی سلمہٗ الرحمٰن نے اپنے وطن میں نمازِ جنازہ پڑھا کر اپنے حقِ ابنیت کو ادا کیا، اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے، قبر میں جنتی لہروں اور حسین منظروں سے لطف اندوز فرماتا رہے۔ (آمین)

ساتھ ہی حضرت کے ظریفانہ مزاج کے مطابق یہ ڈر بھی لگ رہا ہے کہ اطرافِ بھروچ، سورت وبلساڑ والے بہت سے آپ کے احباب وتلامذہ اور بالخصوص طلباءِ فلاحِ دارین کے سلسلہ میں آپ نانا جان پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ اور بارگاہِ الٰہی

میں شکایت نہ کردیں کہ

میری نمازِ جنازہ تو پڑھی غیروں نے
مرے تھے جن کے لیے رہ گئے وضو کرتے

موتِ سید کو موتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدو وجہ مناسبت:

بہر حال جو مقدر تھا وہ ہوا، ہر شخص اپنی اپنی میعاد پوری کر کے جانب منزل کوچ کرنے والا ہے اور سفر آخرت ہر شخص کا مقدر ہے؛ نہ معلوم اس مردِ مجاہد کے لئے آسام، اڑیسہ، بنگال، منی پور، مدراس، کرناٹک، کیرلا، مدھیہ پردیش، یوپی، بہار، جھارکھنڈ بالخصوص گجرات ومہاراشٹر کے سینکڑوں مدارس میں تعزیتی اجلاس اور قرآن خوانی کے پروگرام میں حضرتؒ کی ترقیٔ درجات کے لئے کتنی دعائیں کرائی گئیں، جو انشاء اللہ ضرور مقبول بارگاہِ الٰہی ہو کر رہیں گی۔ بس ایک حسین مناسبت پر اپنے مضمون کو بادلِ ناخواستہ ختم کرنے کی سعی کر رہا ہوں کہ اس حقیقی سید کو اپنے آقا سید الانبیاء کی موت سے کتنی مناسبت وہم آہنگی تھی؟ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایّام مرض الوفات میں ایک دن بالکل تندرست اور صحت یاب نظر آنے لگے، جس سے اصحابؓ نے اطمینان کی سانس لی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے؛ لیکن یکا یک آپؐ پر موت طاری ہوئی اور وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت الاستاذ کو بھی ایسے ہی حالات پیش آئے۔ اللہ پاک اس مناسبت کو باسعادت بنائے۔ آمین۔

دوسری مناسبت یوم الاثنین کی ہے، مشہور قول کے مطابق آپؐ کا وصال پیر کے دن ہوا اور اس سید زادے کا وصال بھی پیر کے دن، اللہ پاک اس مناسبت کو بابرکت فرمائے۔ آمین!

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

……زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے……

محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی کی وفات حسرت آیات پر ایک تأثراتی تحریر

اس جہانِ فانی میں کس کو دوام ہے اور کون یہاں باقی رہنے کے لئے آیا ہے؟ بس رہے نام اللہ کا! یہاں تو سبھی کا وجود بساطِ عالم پر ایک چراغِ شب کی مانند ہے، جو اپنی عمر طبیعی کی سحر ہونے تک ٹمٹماتا رہتا ہے اور پھر اپنی طبیعت سے گل ہوتا نہیں؛ بلکہ قدرت کے ہاتھوں گل کر دیا جاتا ہے

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے رات بھر
رو کر اسے گذار یا ہنس کر گذار دے

تاہم کوئی کوئی چراغ ایسا بجھتا ہے کہ اس سے اٹھنے والا دھواں اس کے سوزِ دروں کی علامت ہو جاتا ہے اور باطنی سوز کے متوالے اپنے شوقِ جنوں کو مہمیز کرنے کی اس سے راہ پا جاتے ہیں۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی بھی بزم اشرف کے ایسے ہی آخری چراغ تھے، جو اپنی حیات میں بساط بھر چراغِ مصطفوی بن کر شرار بولہبی، رسم و روایت، بدعات و خرافات اور جاہلیت و مداہنت کے طوفان سے نبرد آزما رہے اور رہروانِ شوق کو راہ دِکھلاتے رہے۔ آج وہ چراغ بجھ گیا، مگر اس سے اٹھنے والا دھواں اس کے سوزِ دروں کا پتہ دیتا ہے اور باطل کی ظلمتوں سے ٹکرانے والے جیالوں کو دم بھر آگے ہی آگے بڑھتے رہنے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے؛ اللہ پاک ایسے چراغ سے چراغ جلاتا رہے۔ آمین!

۱۷/مئی ۲۰۰۵ء مطابق ۹/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ کی ابتدائی شب ہے، مغرب،

عشاء کا درمیانی وقت ہے؛ بل کہ عشاء کی اذان ہوا چاہتی ہے کہ یکا یک صحن جامعہ میں فون کی بیل بجتی ہے اور اوائل شب کی یہ ظاہری تاریکی، ایک معنوی اور روحانی تاریکی کا پیغام لاتی ہے؛ پوری برادری میں ہی نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور چہار دانگ عالم کا سارا ماحول سوگوار ہو جاتا ہے: مدرسہ عمر بن خطابؓ کنج کھیڑا'' کے سکریٹری، جناب صالح بھائی، رئیس جامعہ اکل کوا، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی حفظہ اللہ کو فون پر ایک دل خراش اطلاع دیتے ہیں کہ برکت ہندوستان، سرمایۂ ملت اسلامیہ، سرتاج اولیا، جیلانیٔ وقت، جانشین اشرفؒ سراپا برّ وصلاح، حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی اس دارِ فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ دنیا فانی ہے اور اس کی ہر شئی بھی فانی، باقی تو صرف خدا کی ذات ہے'' کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاکرام '' (الرحمن۲۶/۲۷) جب سے دنیا قائم ہے، تب سے لے کر اب تک آسمان نے نہ جانے کیسے کیسے واقعات کو دیکھا ہوگا اور کتنے مصائب وحادثات کا سامنا کیا ہوگا اور نہ معلوم اس فرش خاکی نے کتنے جبال العلم کو اپنے آغوش میں چھپا لئے، کتنے اصحاب سلطنت، اصحاب جاہ ومرتبت کو نگل لئے اور کتنے ہی اصحابِ ثروت کو اپنے سینۂ گیتی میں دفن کر لئے؛ جن کی تاریخ طویل بھی ہے اور تلخ و شریں بھی ۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

لیکن اسلام کے مزاج اور انسان کے صحیح مذاق کی خاصیت یہ نہیں کہ کون کیسی صورت کا مالک تھا؟ کس منصب پر فائز تھا اور کتنی دولت رکھتا تھا بلکہ اسلام یہ دیکھتا ہے کہ جانے والا کس سیرت کا حامل تھا؟ اس نے کیسے اخلاق وکردار اپنائے؟ اور اپنے اخلاق کے

کیا کیا نشانات چھوڑے؟ اس لئے ایک سمجھ دار انسان کے لئے سیرتِ نبیؐ، احوالِ صحابہؓ اور سوانحِ اولیا؛ اس حیثیت سے مشعلِ راہ ہوتے ہیں کہ وہ علوم نبویہ کو عمل کے قالب میں ڈھال کر افرادِ امت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

جانشینِ حضرت تھانویؒ، حضرت ہردوئی آج انہیں رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر قلم مجبور ہے، اصحابِ قلوب اور انفاسِ قدسیہ کے سلسلۃ الذہب کی وہ قیمتی کڑی ہیں، جن کی ولادت ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۰/دسمبر کو شہر ''ہردوئی'' میں ہوئی۔

سلسلۂ نسب شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے ملتا ہے اور سلسلۂ روحانی میں آپ کے والد ماجد حضرت ''محمود الحق'' صاحب قدس سرہ حضرت تھانویؒ کے مجازِ صحبت تھے۔ آپ وطناً ہردوئی، نسباً حقی، علماً مظاہری اور مشرباً تھانوی تھے۔

ابھی عمر عزیز کی آٹھ ہی بہاریں دیکھی تھیں کہ حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور ۱۳۵۵ھ میں ہندوستان کی عظیم بافیض دینی درس گاہ ''جامعہ مظاہر علوم'' سے فنون متداولہ کی تکمیل فرمائی اور اپنے جبال العلم والعمل اساتذہ سے خوب خوب اکتساب فیض کیا اور بہت بہت دعائیں لیں۔

زمانۂ طالب علمی ہی میں راہ سلوک طے کرنے کے لئے شاہ راہِ تھانویؒ سے وابستہ ہو چکے تھے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر جوہر شناس نے نورِ فراست سے کم عمری ہی میں منور فرما کر بہ زمانۂ قیام ''فتح پور'' ۱۳۶۱ھ میں اجازتِ بیعت دے کر خلعت خلافت سے سرفراز فرمادیا، حضرت ہردوئی کو حضرت تھانویؒ کی کیمیا اثر نظر نے ایسا بنادیا کہ حضرت مرحومؒ جہاں اکابرین کی نظروں کے تارے، وہیں ہم عصروں کے دل کے دلارے اور اصاغرین کے حق میں بااصول معلم و رہنما تھے، بقولِ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ ''حضرت ابرار اپنے وقت کے اسماعیل شہیدؒ ہیں'' اور بقولِ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

19

''حضرت مولانا ابرار الحق صاحب بڑے صاحبِ عزیمت داعی الی اللہ شیخ ہیں''۔

حضرت مرحوم رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمود الحسنؒ صاحب کے شاگرد رشید اور تلمیذ بافیض تھے، ایک مرتبہ کچھ احباب نے حضرت مفتی صاحب سے درخواست کی کہ حضرت ہردوئی صحتِ اذان، صحتِ اقامت اور صحتِ قرآن کے سلسلہ میں شدت کے ساتھ بہت اصولی گرفت فرماتے ہیں، آپ کے شاگرد ہیں، آپ تخفیف کی فہمائش کریں تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی! سب ٹھیک ہے، مگر ان کی پیشانی پر تقوی کا ایسا نور جھلکتا ہے کہ کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، کسی نے کہا اور بجا کہا ہے کہ ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

حقیقت ہے کہ حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکابرین کی توجہ، عشق مع القرآن اور اتباع سنت کے صدقہ میں با اصول زندگی، بارونق بود و باش اور بارعب و باوجاہت چہرے کے ساتھ ساتھ بااثر ملفوظات و مواعظ سے ایسا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا کہ ہر وقت علم و حکمت کے چشمے آپ کی لسانِ ترجمانِ حق سے جاری رہتے اور اس طرح حضرت مولانا کی حیات، قرآن مقدس کی آیت ''ولو ان اھل القریٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض '' (الاعراف ۹۶) کا آئینہ دار تھی؛ چناں چہ حضرت کے ملفوظات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حرف بحرف اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ مشتِ نمونہ از خروارے:

(۱) انحطاطِ امت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں: ایک عموماً مساجد کے انتظام کا صحیح نہ ہونا، دوم دینی مکاتب و مدارس میں صحت قرآن کے فقدان کا ہونا، پھر اس کی تفصیل ہے جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۲) کبھی آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اذان کے وقت تلاوت و ذکر روک دے

جب سنت پر عمل کرے گا تو قلب میں نور پیدا ہوگا؛ پھر نورِ قلب سے تلاوت کرے گا تو خوب نور پیدا ہوگا۔

(۳) کبھی ارشاد فرمایا کہ دین کے تین اہم شعبے ہیں:

تعلیم......تزکیہ......اور......تبلیغ

ہر ایک شعبہ والے کو ایک دوسرے کا معاون و رفیق ہونا چاہئے، جیسے محکمۂ ڈاک خانہ میں کوئی مہر لگا رہا ہے، کوئی رجسٹری اور خطوط تقسیم کر رہا ہے، کوئی پارسل کر رہا ہے؛ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) ولی اللہ بننے کا نسخہ تجویز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان عقیدے کی درستگی، معاصی سے اجتناب، نماز با جماعت کا اہتمام اور طمانینت فی الصلاۃ کا التزام کرے، تصحیحِ قرآن کی طرف خاص توجہ دے، وضع و لباس، معاشرت و معاملات کو حدودِ شریعت کے مطابق انجام دے، اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو اذیت نہ پہونچائے اور اپنے ہر عمل میں خوشنودئ مولیٰ کو پیشِ نظر رکھے۔

اسی طرح دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے خلاصۂ آداب کو اس طرح بیان فرمایا کہ مبلغ ایسا ہونا چاہئے:

(۱) اخلاص کا اہتمام ہو۔

(۲) عمل کا اہتمام ہو۔

(۳) نرم کلامی اختیار کرنا۔

(۴) تکالیف پر صبر کرنا۔

(۵) اہلِ دنیا سے زیادہ تعلقات نہ ہوں۔

(۶) رغبت دلانے والے مضامین بیان ہوں۔

(۷) تبلیغ کے وقت اور تبلیغ کے بعد ذکر کا اہتمام کرنا۔

(۸) طالب کو غیر طالب پر ترجیح دینا۔

(۹) اپنے مدعیٰ کو دلیل سے ثابت کرنا۔

(۱۰) کسی شخص کے مخفی عیب کی فہمائش خفیہ طور پر کرنا اور جو منکر علانیہ ہو، اس پر نکیر بھی علانیہ کرنا؛ وغیرہ وغیرہ۔

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بافیض شخصیت بنایا تھا، ایسی شخصیت کا دنیا سے اٹھ جانا حقیقتاً ''موت العالِم موت العالَم '' کا مصداق ہے، بل کہ بہ طور نیک فالی کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرحوم اس دور کے مجدد اور محی السنۃ تھے، نہ معلوم کتنی مردہ سنتوں کو زندہ کیا، اللہ پاک سے امید ہے کہ کل محشر میں بہ فحوائے حدیث ''من تمسك بسنتی عند فساد امتی فلہٗ اجر مائة شهيد '' (مشکوۃ) ان شاء اللہ آپ شہداءِ حکمی کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے۔

جامعہ میں اطلاع ہوتے ہی طلبہ نے قرآن خوانی کا اہتمام کیا اور رئیس جامعہ نے ہر طالب علم کو ایک ایک قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کی تلقین فرمائی اور پھر بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مرحوم کے محاسن اور خوبیوں کا ذکر خیر فرمایا نیز بڑی دل سوزی اور تضرع سے ان کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا مانگی۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کوٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

……ایک پکا موحد؛ توحید کا علم بردار چل بسا……

مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبریؒ مہتمم دار العلوم کنتھاریہ کی حیات کے چند اوراق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ دنیا آنی جانی ہے، باقی صرف اللہ کی شانِ عالی ہے، جیسا کہ قرآنِ مقدس ناطق ہے ”کل من علیھافان ٥ویبقٰی وجہ ربك ذو الجلال و الاکرام“ (الرحمن ۲۶/۲۷) اس دنیا میں جو آیا، جب آیا، جیسے آیا، جس شان سے نشو ونما پائی، ذرہ سے آفتاب، عام سے خاص، مامور سے امیر، مدرس سے منتظم بنا حتی کہ بادشاہت تک پہنچا لیکن آخر کار انجام، حالتِ نزع، موت تجہیز، تکفین، قبر کی مٹی اور پیوندِ خاک کے علاوہ کچھ بھی نہیں، یہ دستورِ دنیا نہیں بل کہ سنت اللہ ہے، ہاں مگر جس کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول، ہر کام میں منشاءِ خداوندی کی تلاش، تقربِ باری کا شوق اور بھرپور خلوص وللّٰہیت ہو وہ اپنے عمل و کردار، مستحکم ایمان وعقائد اور اپنے وہ اعمال جو صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے اوصاف کے حاملین اشخاص مرنے کے بعد بھی لطفِ زندگی حاصل کرتے ہیں، قرآن نے ایسے ہی باصفا افراد کے سلسلہ میں کہا ہے ”ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات“

ہمارے مرحوم ومغفور جامعہ اکل کوا کے محسن وہمدرد، گجرات کی کثیر الخدمات، دینی دانش گاہ کے سربراہ، دار العلوم کنتھاریہ کے مہتمم، حاملِ شریعت، جرأتِ ایمانی، غیرتِ دینی کے حسین امتزاج کے حامل ”اشداء علی الکفار رحماء بینھم“ (الفتح ۲۹) کا پرتو، توحید جن کے رگ وریشہ میں پیوست، آیاتِ توحید تو گویا قابلِ رشک انداز سے آپ کے وردِ زباں، بل کہ ”قال“ سے ترقی کر کے ”حال“ کی حد تک ازبر، ایسی ہستی جن کو برکت العصر سے تعبیر کیا جانا چاہئے، مؤرخہ ۶ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰ نومبر بروز پیر ظہر و عصر کے درمیان اس دنیا سے چل بسے، انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ ۱۵۶)۔

ہمارے جامعہ اکل کوا کے رئیس حضرت وستانوی دامت برکاتہم نے بروز سنیچر آپ کی بیماری کی اطلاع پاتے ہی بغرضِ عیادتِ مسنونہ طلباء اور اساتذہ وانتظامیہ کی چاہت پر ''کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے عنوان سے اپنی طبیعت اور عادت کے خلاف ۴۵ منٹ کا طویل خطاب کیا اور دار العلوم کنتھاریہ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی عظمت کی تلقین کی، پھر وہاں سے محدثِ کبیر، حضرت شیخ محمد یونس صاحب جون پوری دامت برکاتہم کی عیادت کے لیے بمبئی تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر حضرت منوبریؒ کی وفاتِ حسرت آیات کی غمناک والمناک اطلاع نے پورے جامعہ کو سوگوار، اور فضا کو مغموم بنا دیا۔

کہیں جامعہ کی فروعات میں حضرت کے لیے دعائے مغفرت کی اطلاع دفتر اہتمام سے ہو رہی ہے، تو کہیں جامعہ دار التربیت، دار القرآن، مسجد میمنی میں قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کا اہتمام ہو رہا ہے، تو دوسری طرف کئی موٹر کاریں وفودِ اساتذہ کی شکل میں حضرت رئیس جامعہ سمیت اپنے اس محسن کی تدفین، تکفین اور نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت کے لیے رواں دواں ہیں، اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

حیاتِ منوبری کی ایک جھلک:

حضرت مرحوم ''دار العلوم کنتھاریہ'' کے بانی حضرت مولانا آدم منوبریؒ کے برادرِ حقیقی اور معاون اولین تھے، جن کی ولادت بمقام منوبر ضلع بھروچ ۱۹۲۸ء میں ہوئی، پھر ابتدائی دینی عصری تعلیم سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے گجرات کی بافیض قدیم دینی درسگاہ جامعہ حسینیہ راندیر سے وابستہ ہو کر ۱۹۵۱ء میں فراغت پائی، اس کے بعد اپنے وطنِ عزیز ''منوبر'' کو دینی خدمت کا میدان بنانے کی سعادت حاصل ہوئی، اور مکتب کی تعلیم وتربیت میں مہارت کا درجہ حاصل کیا، مارچ ۱۹۶۹ء سے دار العلوم کنتھاریہ میں جز وقتی خدمت کا اس طرح آغاز فرمایا کہ منوبر کی مکتبی خدمات سے فارغ ہو کر دار العلوم تشریف

لاتے اور مغرب تک قیام فرما کر طلباء کی تعلیمی اور تربیتی نگرانی فرماتے۔

قضاوقدر کا فیصلہ: رزق جس کا جہاں جس طرح مقدر ہوتا ہے آدمی پہنچ کر رہتا ہے، چناں چہ حضرت منوبریؒ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے ایک مشہور مقام ’’بلیک برن‘‘ خدمتِ دین کے ارادے سے ہجرت فرما کر تشریف لے گئے، اور وہاں پہنچ کر امامت، تدریس اور خطابت کو اپنا دائرۂ خدمت بنایا، اثباتِ توحید آپ کا موضوعِ خاص تھا، خلاف توحید وعمل پر آپ غضبناک حد تک ناراض ہوجاتے تھے، جو آپ کی جرأتِ ایمانی اور غیرتِ ایمانی پر غماز ہے، آپ کے برادرِ کبیر، مہتمم دارالعلوم کنتھاریہ کی وفات حسرت آیات پر دارالعلوم کو ضرورت محسوس ہوئی ایک ایسے فکر مند، خدا ترس، صفتِ توکل، درویش صفت انسان کی جو اس عظیم ادارے کی باغ بانی اور سربراہی کرسکے، چناں چہ اربابِ شوریٰ، حضراتِ اساتذہ کرام کی چاہت وطلب پر دینی ضرورت کے پیشِ نظر ۱۹۷۹ء میں ہندوستان تشریف لائے اور تاحیات تقریباً ۳۶؍سال اپنے خونِ دل سے ادارے کی آبیاری فرمائی۔ تغمده الله برحمة واسعة

اس ۳۶؍سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم کنتھاریہ نے تعلیمی، تربیتی، خانقاہی، نشرواشاعت اور ہر شعبہ میں نمایاں ترقی کی ہے، جس کے حسین، جمیل ولذیذ تذکرے کے بغیر دارالعلوم کنتھاریہ کی تاریخ نامکمل رہے گی، یہاں اس وقت ہم مشت نمونہ از خروارے کے طور پر اتنا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ دارالعلوم کنتھاریہ میں توسیع مسجد، دو دارالقرآن، دارالمدرسین، شعبۂ افتاء کا قیام شعبۂ نشرواشاعت کا استحکام، جامعۃ الصالحات منوبر کا وسیع نظام، شعبۂ محاسبی کا انضباط، شعبۂ مکاتب کی توسیع شعبۂ مبلغین کا آغاز، تعداد طلباء میں اضافہ، خانقاہی نظام کا آغاز اور اس کا فروغ یہ سب حضرت مرحوم کے وہ حسین اور تاریخی کارنامے ہیں جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

22

جامعہ اکل کوا کے رئیس و بانی سے حضرت منوبری کا تعلق:

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کو دار العلوم کنتھاریہ سے جدا نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ جس جامعہ کی بنیاد ۱۹۸۰ء میں ہوئی اس کے بانی حضرت وستانوی اس وقت دار العلوم سے تدریسی وابستگی رکھتے تھے، اس لیے وہاں کی مخلص اور تجربہ کار شخصیات کے ساتھ اولین مشورہ دار العلوم میں ہوا، حضرت وستانوی نے ظاہری طور پر الگ ہونا چاہا تو انتظامیہ نے شفقت آمیز انداز میں رخصت لے کر جانے کا مشورہ دیا، پھر جب جامعہ اپنی بے سروسامانی اور کم مائیگی کے عالم میں شروع ہوا، اس کی ہر نوع کا تعاون حتی کہ امتحانات کے موقع پر صبر آزما سفر کر کے آنا، سال میں دو، دو مرتبہ دفترِ محاسبی کے افراد کا جانچنے کے لیے آنا اور جامعہ کے دفترِ محاسبی کو مستحکم و منظّم کرنا حتی کہ حضرت مولانا علی یوسف کاویؒ، حضرت مفتی اسماعیل بھڑکودرویؒ، نیز حضرت مولانا ایوب وسراوی دامت برکاتہم کا، رئیس جامعہ کے طویل سفر کے دوران تعلیمی جانچ کے لیے آنا اور نائب رئیس جامعہ حافظ اسحاق صاحب کو مخلصانہ مشوروں سے نوازنا، نیز حضرتِ مرحوم کا بار بار آکر مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ دینا، اساتذہ کے ساتھ مذاکرہ کرنا جامعہ کا مہمان خانہ اور مسجد میمنی کا سنگِ بنیاد رکھنا، یہ موصوف کے وہ احسانات ہیں جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور ہاں جامعہ میں دار العلوم کنتھاریہ کے فضلاء کی ایک مستحکم ٹیم ہے جو نظام تعلیم میں معاون ہے اللہ پاک ان حسین کارناموں اور خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر مرحوم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

آخری منظر: حضرت منوبریؒ کے انتقالِ پُر ملال کی خبر آناً فاناً ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچ گئی، اطراف واکناف ہی نہیں دُور دَراز کے معروف وغیر معروف اداروں کے متعلقین ومتوسلین کی ایک بڑی جماعت بالخصوص گجرات کے اداروں کے ذمہ داران، مشائخ، شیوخ الحدیث، اساتذۂ کرام اور دعوت

وتبلیغ کے احباب وغیرہ کے ایک جمِ غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی، خود جامعہ کے ناظم تعلیمات عزیزم مولانا حذیفہ صاحب جو کشمیر کے ایک رفاہی دورے پر تھے، انہوں نے بھی براہِ راست اپنے مشفق ومربی کی تجہیز وتکفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق 35000 کے قریب افراد شریکِ جنازہ تھے، آپ کے خلف الرشید، منظورِ نظر لختِ جگر، صلاحیت وصالحیت کے سنگم، جامعۃ الہدیٰ والعلم کے بانی ومہتمم، دارالعلوم بری UK کے فاضل جناب مولانا مفتی عبدالصمد صاحب مدظلہ نے احاطۂ دارالعلوم میں نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی۔

مرحوم کے پس ماندگان: حضرت مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ پانچ صاحب زادے، مفتی عبدالصمد صاحب، جناب خالد بھائی، جناب حافظ ثناء اللہ صاحب، جناب حافظ سلیم صاحب، بھائی محمد شفیع اور تین صاحب زادیاں، جن میں ایک مرحومہ ہوچکی ہیں، باقی دو بقید حیات ہیں، نیز دارالعلوم کنتھاریہ برادری جو در حقیقت آپ کی حاصلِ حیات اور زندگی کی کمائی ہے، اس کے فضلاء، علماء، صلحاء بالخصوص بافیض مخلص اساتذہ کی ٹیم ہے جو مرحوم کی لیے توشۂ آخرت اور ذخیرۂ آخرت ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ ان کے حسین کارناموں کے صدقے مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند سے بلند تر فرمائے، دارالعلوم کی ترقی اور فیض رسانی مزید عام تام کرے، اساتذہ وفضلاء میں مزید استحکام نصیب فرمائے اور موجودہ مہتمم جناب حاجی خالد صاحب اوران کے رفقاء کو تائیدِ ارضی اور تائیدِ سماوی ہر دو سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

......ملت؛ فدائے ملت سے محروم......

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد ربانی ہے ''کل شیئ ھالك اِلا وجھه'' (القصص۸۸)۔

دنیا فانی، اس کی ہر شی فانی، باقی صرف اللہ کی ذات ہے، لیکن بعض اولو العزم اور بابصیرت شخصیات اپنے تابناک کارناموں کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کر جاتے ہیں کہ انہیں ورق ورق پڑھا جاتا اور ان کی زندگی سے سدا روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ فنا کے بعد بھی زندہ تصور کیے جاتے ہیں، وہ آنے والی نسلوں کے لیے ''خضر راہ'' کا کام دیتے ہیں، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی قابل قدر عظیم شخصیات میں شامل ہیں:

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو اللہ تبارک وتعالی نے زہد وتقویٰ کے بلند رتبہ پر فائز فرمایا تھا، اس کی رفعت وبلندی اور قدر وقیمت کا اندازہ ہم جیسے بے بصیرت وکم علم لوگ بھلا کہاں سے لگا سکتے ہیں؟ ان حقائق سے آگہی، ان رتبوں کی معرفت اولیاء کرام اور روحانیت کے حامل افراد ہی لگا سکتے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' یا یوں کہیے کہ ''قدرے گوہر شاہ داند یا بداند جوہری''۔

ایک اللہ والے نے بڑی عجیب بات کہی ہے کہ کسی ولی کی روح جب قفص عنصری اور عالم فانی سے پرواز کر جاتی ہے، تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور تاریکی بڑھ جاتی ہے یہ علامت ہے کہ کسی اللہ کے دوست کا انتقال ہو گیا ہے۔

میرِ کارواں چل بسا:

وہ منظر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا، جب ۶ رفروری بروز منگل ۶ رنج کر ۱۵ ر منٹ پر جامعہ کے مطبخ میں تشریف فرما حضرت رئیس جامعہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم فون کی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا رہے ہیں، کسی خبر سنانے والے نے خبر سنائی، رئیس جامعہ حضرت وستانوی کی زبان پر بے ساختہ ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' کا ورد جاری ہوگیا، بدن کانپ رہا تھا، انگلیاں حرکت کر رہی تھیں، ہر محسوس کرنے والا یہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی ایسی المناک اور وحشت اثر خبر ہے، جو سماعت سے ٹکرائی اور بجلی بن کر قلب پر گری اور خرمن دل کو خاکستر کرگئی، سلسلۂ گفتگو ختم ہوا، تو آپ صرف اتنا بتا سکے کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اللہ کو پیارے ہوگئے، اس خبر کو سنتے ہی مجلس سوگوار ہوگئی سب کی آنکھیں نم ہوگئیں، ایسا محسوس ہوا کہ ہم سب کے سر سے ایک گھنا سایہ اُٹھ گیا ہو۔

علالت کی خبر ایک عرصہ سے سنی جارہی تھی، لیکن اسے کیا کہیے کہ دل وفات حسرت آیات کی خبر سننے کے لیے کسی طور آمادہ نہ تھا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے جاں نثاروں نے جب نبی مبعوث اور نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ رحلت صبر و تحمل کے ساتھ سنی، تو دیگر اولیاء، علماء عظام اور صوفیاء کرام کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر وہ صبر کے دامن کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے! البتہ رنج و ملال کا احساس ایک فطری عمل ہے اس سے کوئی کیسے دامن چھڑا سکتا ہے۔

ایک ولی صفت انسان، ایک مردِ آہن، عزم و استقلال کا پیکر، ملک و قوم پر فدا ہونے والوں سے دلی وابستگی رکھنے والا، ایک شجرِ سایہ دار کل تک ہمارے درمیان تھا اور ہم پر سایہ فگن تھا، آج وہ ذات روپوش ہوگئی، ہمارے درمیان نہ رہی، ہمارے سروں

سے اس کا سایہ اٹھ گیا، دنیا ہماری نظروں میں تاریک ہوگئی۔

موجودہ قحط الرجالی دور اور انتہائی نازک حالات میں جب کہ ملک وملت پر ہر لمحہ خطرے کی تلوار لٹکی رہتی ہے، کسی با حوصلہ، بصیرت اور دور اندیش رہبر کی جدائی اور فراق سے دل ودماغ کا متاثر نہ ہونا، ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف نہ کرنا، اُن کی صدائے حق کا کانوں میں نہ گونجنا، بھلا کیسے ممکن ہے!!

ایک وفا شعار ملت: اپنے ایسے جاں نثاروں اور محسنوں کو سدا یاد رکھتی ہے اور کبھی فراموش نہیں کرتی، ایسے ممتاز افراد کے لیے ایصالِ ثواب کرنا، بلندیٔ درجات کی دعائیں کرنا ملتِ اسلامیہ کی ایک نمایاں صفت ہے۔

جانشین شیخ الاسلام تک:

آپ بجا طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، ان کے افکار وروایات کے امین تھے، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جیسے خدا رسیدہ صوفی، عالم، مدبر اور رہبرِ قوم وملت کی آغوشِ تربیت میں پلے بڑھے، تصوف کے منازل ان کی زیرِ نگرانی طے کیے، عبادت وریاضت سے شغف ان کو ورثہ میں ملا تھا، پھر والد ماجد کی غیر معمولی خدمت نے ان کو ہر اعتبار سے دین داروں میں بلند وبالا بنا دیا، اس طرح وہ مثالی شخصیت قرار پائے۔

فدائے ملت: ملت نے سرمایۂ ملت کے اس نگہبان کو فدائے ملت کے خطاب سے نوازا، اس کے پیچھے تھی ان کی قربانی، اخلاق، ملت کا غم، ان کے عروج وترقی کا جذبہ، ہر مشکل اور کڑے وقت میں سینہ سپر ہو جانا، اِن بے مثال صفات کو دیکھ کر ملت نے ''فدائے ملت'' کے نام سے اس طرح پکارا کہ وہ اُن کے نام کا جزو بن گیا۔

خاندان اور تعلیم:

آپ مرحومؒ مجاہد آزادی محسن ہندوستان، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بڑے فرزند ارجمند تھے، حضرت مولانا کی ولادت ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ ۶/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ سرزمین علوم نبوت ''دیوبند'' میں ہوئی اور ۶ فروری ۲۰۰۶ء کوملک وملت کا یہ بے لوث خادم اس جہانِ رنگ وبو سے منہ موڑ کر اپنے خالق و مالک سے جاملا، آپ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ابتدائی تعلیم گھر کے دینی ماحول میں والد ماجد کی زیرِ نگرانی ہوئی، اس کے بعد دارالعلوم سے باضابطہ وابستہ ہوکر ۱۹۴۹ء میں سند فراغت حاصل کی، اس دور کے اساطین علم وفضل سے اپنے دامن مراد کو گوہرِ مقصود سے آراستہ کیا۔

ہوتا ہے جادہ پیما وہ کارواں ہمارا:

حضرت والا اپنی ۷۸/سالہ زندگی میں تعلیمی ملی، سماجی، سیاسی خدمات میں پیش پیش رہے، لیکن کبھی بھی اپنے مریدین ومتوسلین کے تزکیے اور ان کی اصلاح وتربیت سے غافل نہ رہے، اللہ کی رضا کا حصول مقصدِ حیات تھا، ان کی عبادت خشوع وخضوع سے لبریز ہوتی، حضرت کی مصروف زندگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں مکمل ۱۰/سال تک تدریسی خدمات سے وابستہ رہے، ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ علماء یوپی کے متفقہ صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۶۴ء سے ۹/سال تک جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے رہے اور ۱۹۷۲ء سے تازیست ۶/فروری ۲۰۰۶ء کل ۳۳/سال تک ''جمعیۃ علماء'' کے منصبِ صدارت پر فائز رہے، اس طویل مدت میں بالخصوص ۱۹۶۰ء تا ۲۰۰۶ء تک آپ نے مسلمانانِ ہند کی، ہر معاملے میں بھرپور شاندار قیادت کی۔

25

جمعیت کی قیادت:

آپ کی سربراہی میں ''جمعیۃ علمائے ہند'' نے زبردست اور یادگار کام کیے، چناں چہ اسی تنظیم نے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' چلائی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کرانے کے لیے سپریم کورٹ کے دروازے کو دستک دی، آسام کے مسلمانوں کو غیر ملکی اور بنگلہ دیشی و پاکستانی درانداز قرار دینے والے شر پسند کا جم کر مقابلہ کیا، زلزلہ سے متأثر علاقوں میں بنفس نفیس جا کر یا نمائندہ بھیج کر سدا مذہب وملت کی تفریق کے بغیر مدد ونصرت اور نظروں میں بھی وقار واعتبار حاصل کیا، ان کے دلوں میں اس کی محبت گھر کر گئی، اس طرح گجرات کے ہولناک فسادات کے موقع پر ''جمعیۃ علمائے ہند'' نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ناقابلِ فراموش اور تاریخی حیثیت کے حامل ہیں، بے سہارا، بے گھر خانماں برباد مسلمانوں کے لیے ایک کالونی نگر جمعیۃ علماء ہند کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جہاں فسادات سے متأثر ہزاروں خاندانوں کی بازآبادکاری کی گئی انہیں بسایا گیا، ان کے لیے اسکول، مدرسہ، مسجد، کمیونٹی ہال فراہم کیے گئے، بیوہ عورتوں کے لیے چھوٹے روزگار (سلائی، کڑھائی، اگربتی سازی وغیرہ) فراہم کیے۔ مختصر یہ کہ ہمیشہ فساد، آفت ناگہانی اور حادثات کے مواقع پر حضرت مولاناؒ متاثرین کی اشک شوئی اوران کی امداد میں پیش پیش رہے۔ فجزاهم الله احسن الجزاء

همه گیر شخصیت:

آں محترم ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، صدر جمعیۃ علماء ہند ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر تحریکات وتنظیمات سے بھی آپ کا گہرا اور ذمہ دارانہ ربط رہا، چناں چہ آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ممبر، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

کے ممبر، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی، دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ، مدرسہ شاہی مراد آباد کے سرپرست، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے رکن شوریٰ اور نہ معلوم کتنے ہی مدارس کے بانی، سرپرست اور نگرانِ اعلیٰ رہے۔

مولانا وستانوی سے تعلق خاطر:

چناں چہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیری کے توسط سے حضرت مولانا وستانوی کے تعلقات کا آغاز ہوا اور مولانا وانکانیری نے بھروچ جمعیۃ علماء کی صدارت عین جوانی میں مولانا وستانوی کے سپرد کی، حضرت مولانا غلام صاحب نے یہ ذمہ داری نہایت کامیابی وکامرانی کے ساتھ انجام دی۔

پھر جب جامعہ اکل کوا میں ۱۴۰۹ھ میں پہلا جلسۂ دستار بندی کا انعقاد ہوا، تو اس تاریخی اجلاس میں برکتِ گجرات مولانا رضاء اجمیریؒ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی تشریف لائے اور اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔

اور جب بمبئی میں ۱۹۹۱ء میں جمعیۃ کا ادھویشن ہوا تو حضرت فدائے ملتؒ نے جمعیۃ علماء کی ایک ذیلی کمیٹی ''آل انڈیا دینی تعلیمی بورڈ'' کی صدارت کے لیے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا انتخاب فرمایا اور پھر جب مولانا وستانوی ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے تو اس تعلق میں مزید اضافہ واستحکام پیدا ہوا، اور یہی تعلق فی اللہ، رشتہ داری میں تبدیل ہوا کہ آپ کے برادر زادے سید حبیب مدنی ابن مولانا سید ارشد مدنی سے حضرت وستانوی صاحب کی بیٹی منسوب ہوئیں، اس موقع پر نکاح خوانی کی غرض سے حضرت مدنیؒ نے پہلے ''موسالی'' اور پھر ''وستان'' تشریف لا کر اس ہونے والے رشتہ کے تعلق سے مسرت وسعادت میں چار چاند لگا دیئے۔

26

ملت کے بے باک قائد:

حضرت فدائے ملت کل ۱۸؍سال تک (راجیہ سبھا) کے اعزازی رکن رہے، اوراس دور میں جب جب بھی ملک میں مسلمانوں پر مسائل آئے، مظالم ہوئے، فرقہ وارانہ فسادات میں انہیں ہدف ستم بنایا گیا، ایسے تمام مواقع پر آپ نے پارلیمنٹ میں انتہائی جوشِ ایمانی اور غیرتِ اسلامی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت جرأت، حوصلہ، حق گوئی وبے باکی سے لبریز صدائے احتجاج بلند کیا، پولیس مظالم کے خلاف حکومت سے زبردست محاسبہ کیا، اس کے علاوہ مسلمانوں میں عزم وحوصلہ بلند کرنے کے لیے موقع بہ موقع کنونشنس اور کانفرنس کا انعقاد کیا اور قوم مسلم میں اپنی بات بے لاگ یوں کہہ دینے کا شعور وحوصلہ بیدار کیا اور بذات خود مولانا نے کمالِ جرأت مندی سے ایمرجنسی کے دوران ہونے والی زیادتیوں کے خلاف شاہ کمیشن میں گواہی دی۔

اسی طرح جب ۱۹۶۴ء میں کلکتہ، جمشید پور، راورکیلا میں منصوبہ بند طریقہ سے مسلم کش فسادات ہوئے، کئی مسلمانوں کوشہید کر دیا گیا، اس وقت آپ نے پہلا جمہوری کنونشن منعقد کرکے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے خلاف حکومت سے سخت احتجاج کرتے ہوئے دستور ہند کے دفعہ ۴۴؍کو خارج کرنے کا بے باکانہ مطالبہ کیا۔

نیز مسئلۂ آسام ہو، شہریت کے مسائل ہوں، بابری مسجد، مقابر ومساجد کے تحفظ کا مسئلہ ہو، فسادات کی روک تھام، امن وقانون کی بحالی ہو، مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ ہو یا اوقاف کے مسائل ومشکلات ہوں ان تمام مراحل میں اپنے صاف وشفاف نقطۂ نظر کو پیش کیا اور ایک جری قائد ورہنما بن کر تمام مسلمانوں کی طرف سے صحیح اور بہتر قیادت کا فریضہ انجام دیا۔

کمالِ دیانت: موجودہ سیاست کی گندگیوں اور آلائشوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے آپ نے ہمیشہ مثبت تعمیری صاف ستھری اور ذاتی مفادات سے بالاتر سیاست کا شاندار نمونہ پیش کیا، آپ کے کمالِ دیانت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے جو مشاہرہ ملتا تھا اس کا استعمال کبھی اپنی ذات یا اولاد پر نہیں کیا، آپ کی سیاسی قیادت کی تفصیلی معلومات کا اندازہ جمعیۃ سے شائع ہونے والی ایمانی تقاریر پر مشتمل کتاب ''صدائے حق'' سے لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ طریقت:

حضرت مولانا نے سیاسی، ملی، سماجی ہر اعتبار سے اپنی وسیع خدمات کے ذریعہ جہاں اپنا لوہا منوایا، وہیں آپ کامل شیخ طریقت کی حیثیت سے بھی مقبول ہوئے، چناں چہ جہاں بھی آپ کا دورہ ہوتا عوام وخواص آپ سے بیعت ہو کر رجوع الی اللہ ہوتے، آپ رمضان المبارک میں مختلف مقامات پر رشد وہدایت کی غرض سے اعتکاف فرماتے، پچھلے کئی سالوں سے دار العلوم دیوبند کی وسیع وعظیم مسجد ''مسجد رشید'' میں اعتکاف فرما کر ذکر و اشغال سے مسجد کو معمور فرماتے، کثیر تعداد میں آپ کے متوسلین بھی آپ کے ساتھ اعتکاف فرماتے اور ہمہ وقت ذکر وتلاوت سے مسجد کو آباد رکھتے۔

ایسے اللہ والے کی رحلت سے ملت کا کتنا خسارہ ہوا؟ کیسی عظیم قیادت کا فقدان ہوا؟ کون کس کی تعزیت کرے؟ کس کو تسلی دے؟ ہم سب ہی ایک دوسرے کی تعزیت کے محتاج ہیں ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

...... آہ! گجرات کے امیر شریعت نہ رہے ......

حضرت مولانا مفتی بیمات صاحبؒ کے انتقال پر ملال پر ایک دل سوز تحریر

"کل من علیھافان " (الرحمن ۲۶) زمین پر موجود ہر حیوان کو فنا ہونا ہے، قدرت کا یہ ایک ایسا اٹل اور طے شدہ قانون ہے کہ اس وسیع وعریض دنیا میں آنے والے ہر جاندار کو ایک نہ ایک دن عالم آخرت کی طرف کوچ کر کے یقیناً اپنے اصلی مقام کی طرف لوٹنا ہی ہے، اس وجہ سے زندگی جو اللہ کی ایک بڑی امانت ہے، اس کا خیال رکھ کر جو انسان زندگی گزارتا ہے، وہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق ہے "الکیس من دان نفسہ وعمل لمابعدالموت " (شعب الایمان) عقل مند انسان وہ ہے جو اپنی ذات کا محاسبہ کرلے اور موت کے بعد کی زندگی کی پوری تیاری کرلے۔

ابھی حال ہی میں ۱۲ر جنوری بروز پیر ۲۰۰۴ء مطابق ۱۹ر ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو یہ حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی، جو اہل علم کے لئے عموماً اور اہل مدارس اور گجرات کے لئے خصوصاً بہت ہی غمناک اور دل کو چیر دینے والی ہے کہ ایک حق گو، حق پرست، حق پسند عالمِ دین، شاگردِ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، جمعیۃ علماء ہند کے ایک مخلص اور بے لوث رکن رکین، سابق استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سابق شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر اور امیر شریعت گجرات حضرت الاستاذ مفتی احمد بیمات صاحبؒ اس دارِفانی سے رحلت فرما کر ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

"للہ مااخذولہ مااعطی " (بخاری) جو کچھ واپس لیا وہ اللہ ہی کا ہے؛ اور جو کچھ عطا کیا تھا وہ بھی اللہ ہی کا تھا۔

کیسے تھے ہمارے حضرت مفتی احمد صاحبؒ؟:

بحیثیت عالم، مفتی، مدرس، مربی، مبلغ، مہتمم، ناظم اور مؤلف کے کیسے تھے ہمارے مفتی صاحبؒ۔

اس کا جواب یقیناً یہی ہے کہ آپ علم وفضل میں غیر معمولی درک وبصیرت اور خداداد صلاحیت کے مالک تھے اور ہر میدان میں نگاہِ دوررس، فراستِ ایمانی، قلبِ سلیم اور فکر ارجمند کی دولت سے مالا مال تھے۔

سورت اور بھروچ ضلع کے درمیان واقع مشہور پانولی علاقہ اور تبلیغی زبان میں کہا جائے تو (پانولی حلقہ) کے کرمالی نام کے ایک گاؤں میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی آنکھیں کھولیں، آپ کے والد محترم گاؤں کے ایک قابل احترام، علم دوست اور علماء نواز شخص ہونے کے ناطے اس خاندان کو، بل کہ یوں سمجھئے پوری بستی کو کسی ولی کی دعا لگی کہ گھر گھر قرآن کریم کے حفاظ اور علماء دین پیدا ہوئے اسی دینی ماحول اور اکابرین امت کی دعاؤں کی برکت تھی کہ حضرت مفتی صاحبؒ ایک باکمال، باکردار اور باصلاحیت عالمِ دین ہوئے، آپ ابتدائی عربی تعلیم کے لئے جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے آپ نے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، دونوں دینی درس گاہوں میں پوری محنت ولگن اور جان توڑ کوششوں کے ساتھ اپنے مقصد کی حصولیابی میں برابر منہمک رہے، خاص طور پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تو آپ نے خوب خوب فیض حاصل کیا، اس کے بعد ۱۳۴۹ھ میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں متوسطات کی تدریس وتعلیم کے لئے آپ کا انتخاب ہوا اور آپ ۱۳۶۶ھ یعنی مسلسل ۱۷ سال تک اس بابرکت خدمت میں لگے رہے، اس کے بعد دارالعلوم فلاحِ دارین

ترکیسر میں حضرت مولانا تقی الدین صاحب کی جگہ پر شیخ الحدیث اور صدر مفتی کے عہدہ پر جلوہ افروز ہوئے، ہمارے جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے بانی اور رئیس حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم کو حضرت موصوف سے سب سے پہلے بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا؛ مسلسل اکیس سال تک بخاری شریف کا درس اس قدر پابندی کے ساتھ دیا کہ علمی دنیا میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، ہمارے مربی مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم نے کرمالی کی تعزیتی مجلس میں ایک بہت ہی عجیب وغریب بات بیان فرمائی کہ میرا اور مرحوم حضرت مفتی صاحب کا ڈابھیل میں تدریس کا زمانہ تقریباً ایک رہا، حضرت مفتی صاحب کا درس طلبہ میں مقبول تھا اور آپ کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ بہت ہی پیچیدہ اور گنجلک علمی بحثوں کی گتھیاں بہت ہی آسانی کے ساتھ سلجھا دیا کرتے تھے اور ایسا ایک باکمال، باصلاحیت اور ٹھوس استعداد کا حامل استاذ ہی کرسکتا ہے۔

اس راقم الحروف کو بھی حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے پر فخر حاصل ہے، حضرت الاستاذ کو میں نے خود کرمانی، فتح الباری اور عینی کا دماغ سوزی کے ساتھ بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن درس میں جو تقریر ہوتی تھی وہ ایسی دلچسپ اور مٹھاس سے بھری ہوتی کہ طلبہ اس کو آسانی سے سمجھ جایا کرتے تھے، ہمارے سامنے حضرت والا کی فلاحِ دارین ترکیسر کی تدریسی زندگی، ایک کھلی کتاب کے مانند ہے، ہمارے سب زملاء درس اور اراکینِ مدرسہ بھی اس بات کی ضرور تائید کریں گے کہ حضرت مفتی صاحب ؒ مدرسہ کے اوقات کے بہت پابند تھے، اپنے درسی اوقات سے پانچ منٹ پہلے ہی مدرسہ کے احاطہ میں اپنی درس گاہ کا زینہ چڑھتے ہوئے نظر آتے تھے اور تاخیر کبھی نہیں

کرتے، جہاں تک بیماری کا تعلق ہے تو ہم نے مادرِ علمی فلاحِ دارین ترکیسر کی سات سالہ زندگی میں آپ کو بیماری کی حالت میں بھی غیر حاضر نہیں پایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ ایک طرف کامیاب مدرس تھے، تو دوسری طرف ایک بامقصد مربی تھے، تربیتی مزاج کی جھلکیاں کبھی کبھی دورانِ درس بھی نظر آتی تھیں، بلکہ طلبۂ کرام کو اس کی طرف خصوصاً توجہ دلاتے تھے، طلبہ کے رہن سہن اور چال ڈھال کی نگہداشت اور بار بار روک ٹوک فرماتے تھے، حضرت مولانا وستانوی صاحب دامت برکاتہم اساتذۂ کرام کی میٹنگ (مجلس) میں آپ کی ایک خصوصیت بار بار دُہرایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ دورۂ حدیث میں پڑھنے والے طلبۂ کرام کو آخری سال میں اپنے اکابرین سے منسلک ہونے کی بے حد کوشش کرتے تھے، اور بار بار آپ بیتی، تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، نقشِ دوام وغیرہ کتابیں پڑھنے کی ترغیب فرماتے اور طلبہ میں بیداری کے لئے اکابرین کی زندگی کے حالات پر خاص طور سے روشنی ڈالا کرتے تھے اور اس کے علاوہ کسی چھوٹی سی بھی نسبت پر اکابرین دیوبند کا کوئی ایسا واقعہ سناتے تھے، جس سے طلبۂ کرام ان سے مانوس ہوتے چلے جاتے، یہ ایک باکمال استاذ ہی کا وصف ہے کہ وہ دورانِ درس درسی تقریر کے ساتھ ساتھ طلبۂ کرام کی تربیت پر توجہ دیتا چلا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ جہاں مدرس کی حیثیت سے کامیاب وکامران رہے، وہیں مفتی کی حیثیت سے بھی آپ نے پرخلوص اور بے لوث خدمات انجام دیں، آپ کے زمانہ میں فلاحِ دارین ترکیسر کا دارالافتاء ہر خاص وعام کیلئے مرکزِ توجہ تھا، بسا اوقات مفتیانِ کرام سے کوئی تسامح ہو جاتا، تو وہ لوگ حضرت مفتی صاحبؒ سے رجوع فرماتے، فتاویٰ نقل کرنے اور کروانے میں آپ پوری توجہ سے کام لیتے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ

گجراتی زبان میں بڑی ادبی مہارت رکھتے تھے، بل کہ بلا مبالغہ گجراتی زبان کے ادباء سے بھی فوقیت رکھتے تھے، حضرت کے ہاتھوں گجراتی زبان میں اولاد کے حقوق، مختصر شمائل ترمذی جیسی بہت سی قیمتی وانقلابی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، ان میں سے بعض کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا وستانوی صاحب دامت برکاتہم کو حضرت مفتی صاحبؒ سے ملّی ومذہبی مسائل کے تعلق سے خاص دلچسپی رہی ہے، اس کے لیے مرحوم ہر طرح کی خدمت پیش فرماتے، مولانا وستانوی صاحب نے بمقام کرمالی تجہیز وتکفین کے موقع پر تعزیتی تقریر میں فرمایا تھا کہ وہرا برادری سود خوری کے مہلک مرض میں مبتلا تھی، دیندار اور غیر دیندار ہر خاندان اس لعنت کا شکار تھا، ایسے پریشان کن حالات میں حضرت مفتی صاحبؒ کا قلم جوش میں آیا اور ”سود کی شرعی حقیقت“ کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرما کر اس بھیانک لعنت سے لوگوں کو بچانے کا ایک مجددانہ کارنامہ انجام دیا، اس کے علاوہ بھی وقتِ ضرورت مناسب موضوع پر ماحول اور حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر بہت سی مفید اور کارآمد کتابیں آپ کے رشحۂ قلم سے وجود میں آچکی ہیں، مرحوم نے وقتاً فوقتاً صدق دل سے قیمتی بل کہ انقلابی کتابیں تحریر فرما کر قوم وملت کی رہنمائی کی خدمت انجام دی ہے۔

انتقال کے ایک ہفتہ قبل (کلا پریس بمقام بھروچ) مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا حسن صاحب دامت برکاتہم بھڑ کادروی کو فرمایا کہ میں نے اسلام اور دہشت گردی کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا گجراتی ترجمہ آپ ہی سے کرانا ہے، اور اس کو انگریزی زبان میں بھی طبع کرائیں گے اور ہندی میں بھی ترجمہ کا بندوبست آپ ہی کے ذمہ ہے، مسودہ سنیچر کو بھیج دوں گا، دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات کے

نام سے گجراتی اردو اور انگریزی میں چھپ چکا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آں محترم گجرات دینی تعلیم بورڈ کوسمبا شاخ کے محترم بانی اور روحِ رواں تھے، اسی ادارہ کے ماتحت دین کے اعتبار سے حضرت مفتی صاحبؒ نے بالکل اَن پڑھ اور دین سے تہی دامن دیہاتوں میں بڑے پیمانے پر دینی مکاتب قائم فرمائے، ان مکاتب سے بہت سے مسلم بچوں میں تعلیم وتربیت کا حیرت انگریز کام انجام دیا، ان کو دینی علم کے قیمتی زیورات سے آراستہ اور علمی ادبی شہ پاروں سے مالا مال کرنے میں حضرت مفتی صاحبؒ کا بہت ہی بڑا پر خلوص تعاون رہا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

آپ نے اپنی قابلِ رشک اور قابلِ ستائش خدمات کے باوجود اپنے پہلے شیخ حضرت مدنیؒ اور دوسرے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کے ساتھ اپنے روحانی تعلقات اور روابط تادمِ حیات قائم رکھا۔

جمعیۃ علماء ہند کے تو آپ گجرات میں زندگی بھر مخلص اور وفادار خادم بنے رہے جمعیت کی ہر پکار پر آپ ہمیشہ لبیک کہتے اور اس کی ہر خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے، بل کہ اگر یوں کہا جائے تو ذرہ برابر مبالغہ نہ ہوگا کہ فنافی الجمعیۃ تھے، آپ نے اپنے شیخ کی محبت اور ان کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے ہی کی غرض سے اپنے وطن مالوف کرمالی میں ''مدنی دارالتربیت'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس میں کم وبیش ۴۹۰ رطلبہ عزیز تعلیم وتربیت کی پیاس بجھا رہے ہیں، ماشاءاللہ یہ ادارہ تعلیمی، تربیتی اور ہر لائن سے دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہے، جمعیۃ علماء ہند نے بھی آپ کی بے لوث خدمت اور وفاداری ہی کے پیشِ نظر آپ کو ورکنگ کمیٹی کا رکن منتخب کیا تھا، اور آپ کو بحیثیت امیرِ شریعت، گجرات کی ذمہ داری سپرد کی تھی، آپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی

جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب بذاتِ خود بذریعہ ہوائی جہاز کرمالی تشریف لے آئے اور پس ماندگان کو سنت کے مطابق تسلی بخش تعزیتی کلمات سے نوازا۔

حق بات کہنے میں آپ کبھی کسی وقت ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، گویا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرے بغیر سچ بات کہنے کے خوگر تھے، ابھی انتقال کے چند روز پہلے ہی بمقام کوسمبا ایک علمی مشورہ کے سلسلہ میں شرکت فرمائی تھی، اور اس وقت آپ کو جو بات کہنی تھی وہ بلا کسی جھجک کے کہہ ڈالی، اس وقت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کو فرمانے لگے کہ ہم تھوڑے ہی دنوں میں آپ کو کرمالی آنے کی دعوت دیں گے۔ان شاءاللہ

اس وقت کس کو کیا خبر تھی کہ حضرت مفتی صاحبؒ جمعرات اور جمعہ کی مبارک رات کے درمیان پنچ محل سے لے کر بلساڑ تک کے اپنے عقیدت مند علماء کرام اور محبین ومخلصین کو اپنے جنازہ میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں، گجرات میں جہاں جہاں آپ کے انتقال کی خبر پہنچی اور جہاں جہاں سے پہنچنے کا امکان تھا، وہاں سے ہر ایک نے آپ کی تجہیز وتکفین میں اپنی شرکت کو خوش قسمتی خیال کیا، تقریباً پچیس ہزار لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا اور رویدرا، کرمالی گاؤں کے شاندار انتظامات کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا۔

آپ کی تجہیز وتکفین میں فلاحِ دارین ترکیسر، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، دارالعلوم کنتھاریہ، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، مرکز اسلامی انکلیشور، دارالعلوم اشرفیہ راندیر، جامعہ حسینیہ راندیر، ہدایت الاسلام عالی پور،

جامعہ علوم القرآن جمبوسر، جامعہ قاسمیہ کھروڈ، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، جامعہ حمیدیہ پانولی، تعلیم المسلمین لوناواڑا اور بچوں کا گھر آمود وغیرہ مدارس کے سرکردہ اور سربراہ لوگ آپ کے جنازہ کی نماز ادا کرنے کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مدظلہم العالی (شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا) نے آپ کی جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم نے دعائے مغفرت کرائی۔

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں جمعرات کے دن تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت کے سانحۂ ارتحال کو امت کے لیے بڑا خسارہ محسوس کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی اور اس موقع پر حضرت مرحوم کے پس ماندگان کے حق میں صبر جمیل اور ادارے کے حق میں نعم البدل کی بھی دعا فرمائی گئی، جس نے بھی کہا ہے سچ کہا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

مارچ ۲۰۰۴ء

......تیرے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو......

حضرت مولانا محمد یعقوب ولی صاحب خان پوریؒ

رکن رکین وناظم مکاتب، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

پر لکھی ہوئی ایک سوانحی تحریر

یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء، یہ عمل کرنے کی جگہ ہے اور وہ حساب دینے کی جگہ، یہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ،اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاوھو العزیز الغفور“ (الملک۲) اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ آزمائے کہ کون کیسا عمل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست اور مغفرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قانون ودستور کی روشنی میں موت وحیات کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ اتنا پختہ اور مضبوط ہوا کہ کسی کے انکار کی مجال نہیں۔پھر بھی یہ موت طبیب یا غیر طبیب، امیر وغریب،شہری ودیہاتی ، بادشاہ ورعیت،نیک وبد، بیمار وتندرست سب کو آتی ہے، اسی پر بس نہیں بل کہ رات ودن، اندھیرا واجالا، بازار ودواخانہ ہر جگہ آتی ہے۔

الغرض موت جب آتی ہے تو وہ زمانے کے رفتار کی پابند نہیں ہوتی اور جگہ یا سبب اور مقصد اس کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی، وہ جب جہاں، جس طرح آنا چاہے آکر جان دار کو لقمہ بنا لیتی ہے،قرآن نے کتنی صحیح بات کہی ہے،وماتدری نفس ماذاتکسب الخ(لقمان۳٤) کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کل کیا کرے گا اور یہ کہ وہ کہاں مرے گا۔

بعض لوگ اس فانی دنیا میں ایسی زندگی گذار لیتے ہیں کہ جس کو راہ عمل اور آئیڈیل

بنانے کو انسان، سعادت دارین سمجھتا ہے اور جس کو اسوۂ حسنہ ومثالی زندگی کہا جاتا ہے۔

الغرض اس تمہید کا مقصد تاریخی ادارے کی بے انتہا خدمات انجام دینے والے مغربی ہند کی مشہور دینی درس گاہ بل کہ دانش گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے روح رواں، بل کہ جامعہ کے بانیوں میں سے ایک حضرت مولانا یعقوب ولی خان پوری صاحب (جن کو آج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے ہمارا رواں رواں کانپتا ہے) کی سوانح حیات اور کتاب زندگی کے بعض واقعات طالب علمانہ جذبے کے تحت لکھ رہا ہوں کیوں کہ موصوف مرحوم کی زندگی کا ہر پہلو قابل تقلید اور قابل رشک ہے۔

پیدائش : حضرت موصوف کی پیدائش صوبہ گجرات کی ایک مردم خیز بستی خان پور تعلقہ جمبوسر ضلع بھروچ کے ایک عزت دار اور محنتی خاندان میں ہوئی۔ اللہ کی مرضی کہ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، مگر ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' مثال کے مصداق خانپور ہی کے ایک خاموش طبع انسان جناب ابراہیم بھائی نے آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی معقول تعلیم کا بندوبست کیا، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں اور عصری تعلیم گاؤں کے اسکول میں ہوئی اس کے بعد فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم دار العلوم فلاح دارین ترکیسر میں حاصل کرنے بعد گجرات کی عظیم علمی دینی درس گاہ دار العلوم بھروچ کنتھاریہ میں فراغت تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل شمالی گجرات کی دینی درس گاہ دار العلوم وڈالی سے ہوئی اس کے بعد پانولی میں منعقد عالمی اجتماع میں اکل کوا کے دعوتی احباب کی ملاقات نے موصوف مرحوم کو امامت وتدریس کے لئے اکل کوا پہونچا دیا، تقریباً ۱۹۷۳ء میں حضرت نے جذبہ محنت ولگن کے ساتھ سرزمین اکل کوا پر قدم رنجہ فرمایا، یہاں پہنچ کر اس انجان اور ویران سرزمین پر ایک غریب الوطن کو اس کی غربت واجنبیت اور وطن واعزہ سے دوری کا احساس تک نہ ہونے دیا اور اکرام

واعزاز میں کوئی کسر نہ چھوڑی، یہ تھے جناب الحاج یعقوب دادا اور جناب حاجی سلیمان حوالدار صاحب جن کے موصوف مرحوم پر کئے ہوئے احسانات لکھنے سے قلم قاصر ہے، یہاں تک کہ حضرت مرحوم کی رفیقۂ حیات کا مناسب انتخاب بھی اپنی صوابدید سے کیا۔

دوسری طرف حضرت مرحوم نے بھی اپنی جملہ صلاحیتیں وخدمات اس ویران و بنجر زمین میں تعلیمی انقلاب کے لئے صرف کردیں جیسا کہ مولانا سعید صاحب مکرانی اور مولانا مختار صاحب مکرانی اساتذۂ جامعہ اکل کوا اس کی زریں مثال ہیں جب ان دونوں حضرات نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کو بیان کے لئے اکل کوا آنے کی دعوت دی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کنتھاریہ سے جب پہلی بار تشریف لائے تو علاقہ کی زبوں حالی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس علاقہ میں ایک دینی علمی ادبی دانش گاہ کے قیام کا دل میں تہیہ کرلیا، اسی وقت سے مرحوم نے تا حیات بانی جامعہ کے لئے جانثاری وجاں سپاری اور ہمہ وقت مخلصانہ تعاون کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ دارین میں مرحوم کو بہترین بدلہ عنایت فرمائیں۔

دومخلص سنگِ بنیاد :

جب بانیٔ جامعہ حضرت مولانا وستانوی صاحب نے جامعہ اکل کوا کی بنیاد رکھی تو اس کی ابتداء مکاتب قرآنیہ سے ہوئی اور دوسرے سال دار الاقامہ کا آغاز ہوا، حضرت خان پوریؒ اور جناب حافظ محمد اسحاق صاحب وستانوی کی شکل میں جامعہ کو دو ایسی مخلص اور مضبوط اولین شخصیات بطور نعمت ملیں کہ رئیس الجامعہ کی بے مثال وانگنت وبے شمار لمبی خدمات اور دور دراز کے علاقوں میں قائم دینی وعصری درسگاہوں میں ان دونوں کا بھی پورا پورا حصہ ہے، جب تک بھروسہ مند وبردبار وفعال معاونین وکارکنان کسی ادارے یا تنظیم کو نہیں ملتے جب تک وہ پروان نہیں چڑھ سکتی اور نہ تو ذمہ دار شخص اپنے ادارے سے باہر

نکل سکتا ہے۔

مرحوم کے دل میں حضرت رئیس الجامعہ کی عظمت :

زندگی کی طویل ۲۳ر سالہ رفاقت میں مرحوم حضرت خانپوری نے اپنی خانگی و معاشرتی زندگی کے اہم مسائل میں حضرت وستانوی کے منشا و مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا، جیسا کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی جب ڈاکٹروں نے ایک اہم قلبی معائنہ کے بارے میں کہا تو کہا کہ میں پندرہ دن کے بعد حضرت رئیس الجامعہ سے مشورہ کر کے آؤں گا، یہی اس فانی زندگی کے آخری الفاظ تھے۔اس کے بعد کسی کے ساتھ بھی کسی طرح کی بات نہیں ہوئی، بل کہ انہیں الفاظ کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

تغمده الله في رحمة واسعة

یادگار داستان:

حضرت نائب رئیس الجامعہ حافظ محمد اسحاق صاحب سے مرحوم کا تعلق اور مضبوط رابطہ کی طویل داستان کو احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔لگ بھگ ۲۲ر سالہ سایہ کی طرح کا ساتھ، اس طرح تھا کہ مرحوم کے جنازے کے وقت حضرت حافظ صاحب اتنے غمگین اور غم زدہ تھے جیسے کسی نے اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ دیا ہے۔

مدرسہ میں کوئی اہم مسئلہ درپیش ہو یا مدرسہ سے باہر کا کوئی معاملہ ہو، سرکاری یا غیر سرکاری کوئی پروگرام ہو یا درباری یا غیر درباری کوئی الجھاؤ ہو، دونوں مل کر حل کیا کرتے تھے خصوصا مدرسہ کے اہم مسائل میں حضرت رئیس الجامعہ کی غیر موجودگی میں ان دونوں کا فیصلہ ہی حرف آخر ہوتا تھا۔

حافظ اسحاق صاحب کا خانوادۂ یعقوب سے اتنا گہرا تعلق رہا ہے کہ ان کی خوشی اپنی خوشی ان کی غمی اپنی غمی اور حضرت مرحوم کی صاحبزادیوں کی شادی کو اپنی بیٹیوں کی

شادی سمجھتے، حضرت نائب رئیس الجامعہ اور حضرت خان پوریؒ کی اس یکجہتی نے جامعہ کو اس بلند ترین مقام تک پہونچایا کہ جس کو سمجھنے کے لیے بڑی عقل درکار ہے۔

کامیابی کا راز:

ہر تحریر اپنی کامیابی وکامرانی کے لیے قربانی وجاں نثاری چاہتی ہے، جامعہ میں رہنے والے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ طلباء پر کنٹرول ایک اہم ترین اور خاص صلاحیت کی حامل جامعہ کی تین شخصیات میں جن کی ساری خدمات جامعہ کے لیے وقف رہی ہیں یہ رہیں وہ سہ شخصیات ناظم جامعہ مرحوم مولانا یعقوب صاحب خانپوری، نائب رئیس الجامعہ حضرت حافظ اسحٰق صاحب وستانوی اور ناظم مطبخ حافظ عبدالصمد صاحب پانولی، یہ ابھی ربیع الاول کی ہی تو بات ہے کہ جامعہ میں امتحان ششماہی کے بعد کی تعطیلات ہو رہی تھیں اور تینوں کا کوئی پروگرام طے نہیں ہوا تھا کہ ایک سفر سے رئیس الجامعہ کا فون آیا کہ آپ تینوں کو جامعہ کے احاطہ سے نہیں جانا ہے اور جامعہ ہی میں رہنا ہے تینوں نے سنتے ہی سر تسلیم خم کرلیا۔

عظیم قربانی:

جامعہ کی سرگرمیوں نے ان حضرات کو بہت مصروف کردیا تھا، ہر شخص کے ساتھ اپنی نجی زندگی بھی ہوتی ہے جس کو قربان کرنا بے حد مشکل اور پر مشقت ہے لیکن اس گنہگار راقم الحروف نے حضرت مرحوم کو پچھلے ۱۷ رسال سے مسلسل، بلاناغہ دونوں وقت کا کھانا احاطۂ جامعہ میں حافظ اسحاق اور حافظ عبدالصمد صاحبان کے ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا ہے، یہ بات لکھنے اور بولنے میں تو آسان ہے؛ مگر ایک وقت کا کھانا گھر سے باہر کھانا خانہ جنگی کا سبب بن جاتا ہے، کوئی معمولی قربانی نہیں یہ تو میرا مشاہدہ ہے نامعلوم یہ روایت کب سے برقرار تھی۔

مرحوم کی جاں نثاری:

مرحوم نے اپنی ہر خوشی جامعہ پر قربان کردی تھی، جامعہ کی تعمیرات (جس کی تاریخ یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں جامعہ میں عمارتیں بنتی نہیں بل کہ اگتی ہیں) اس میں بھی مولانا مرحوم کی روح کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

جامعہ کافی الحال دارالتجوید بن رہا تھا تب رات کو چار بجے آکر نئی تعمیر پر پانی مارتے ہوئے کئی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسی طرح مسجد میمنی کی تعمیر کے درمیان مسلسل رات کے اندھیرے میں پانی چھڑکتے ہوئے آپ کو دیکھا گیا ہے، آج مولانا کی وفات پر یہ عمارتیں بھی خاموش آنسو بہا کر ماتم کناں ہیں۔

طلباء سے ہمدردی:

مرحوم؛ طلبائے جامعہ سے اتنی ہمدردی رکھتے تھے کہ ان کی تکلیف کو خود کی تکلیف سمجھتے تھے، اور اس کے ازالے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں لگا دیتے تھے اور اس کام سے آپ طبعی خوشی محسوس کرتے تھے، جامعہ میں کئی لوگوں کی وفات ہوئی، تو آپ خود ان مرنے والوں کو ان کے اقرباء کے حوالے کرنے جاتے اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے آپ کو کئی لوگوں نے دیکھا ہے۔

ایک طالب علم بہت ڈر گیا تھا، آپ نے اس کے لیے پانی منگوایا اس درمیان اپنے خود کے رومال سے اس طالب علم کی ناک صاف کرنے لگے تو کسی نے کہا کہ حضرت آپ کوئی کپڑا منگوا کر اس سے صاف کرلیں اس پر فرمانے لگے کہ ان بچوں کے وجود سے تو ہم ہیں کیا یہ رومال ان بچوں سے زیادہ قیمتی ہے، یہ خالص محبت نہیں تو اور کیا ہے۔
اگر ہم مرحوم کی زندگی پر، آئیڈیل و نمونہ بنانے کے لیے نظر ڈالیں تو آپ اس شعر کے مصداق نظر آتے ہیں۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جامعہ واطراف جامعہ کے تمام لوگ بل کہ بستی کے ہر گھر وخاندان کے لوگ آپ کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے، آپ بھی امیر، غریب، مسلم، غیر مسلم، اپنے، پرائے ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے، میاں بیوی یا بھائی بھائی کے جھگڑوں کو سلجھانے میں، بیماروں کے علاج کے بندوبست میں، مکانات کی تعمیر میں یا کاروبار میں پیش آنے والے مسائل میں آپ مددگار رہا کرتے تھے۔

الغرض آپ کی اس طرح کی بہت سی خدمات ہوا کرتی تھیں کہ مولانا جامعہ کے ساتھ ساتھ بستی والوں کے حق میں بھی ابر رحمت ثابت ہوتے تھے۔

چہار جانب ابر غم واندوہ:

مولانا خانپوریؒ کی وفات کی خبر سنتے ہی ہر چہار جانب ایک عجیب کیفیت چھا گئی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے اکل کوا کا پورا بازار مکمل بند ہو گیا، جس جس نے بھی خبر سنی غم واندوہ کی تصویر بن گیا دیکھتے ہی دیکھتے احاطۂ جامعہ پورا کا پورا ہجوم سے بھر گیا اور غم میں شریک حضرت رئیس الجامعہ ونائب رئیس الجامعہ کی تعزیت کر کے جامعہ سے ہمدردی کا مکمل ثبوت دیا، جن لوگوں نے تجہیز وتکفین میں شرکت کی وہ گویا زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے کہ ع..........ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

قابل تحریر عظیم اور مہتم بالشان خدمات:

جہاں تک مرحوم کی باقیات الصالحات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جامعہ کی ہر ایک تعلیمی، تعمیری اور شعبہ جاتی سرگرمیاں نیز مساجد، مدارس اور مراکز کی تعمیر مرحوم کی باقیات الصالحات میں شمار کی جاسکتی ہیں، اس لیے کہ آپ حضرت وستانوی کی

فکروں میں برابر شریک رہے ہیں، اس کے علاوہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جس کو آپ کا کارنامہ کہہ سکتے ہیں، جس میں سب سے پہلے آپ کی محنت کا پھل مکرانی محلہ کے علما و حفاظ کی ایک بڑی جماعت ہے، جو جامعہ اور مراکز جامعہ میں عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مرحوم کے لیے رفع درجات کا سبب بنائے۔ آمین!

اسی طرح اکل کوا کی جامع مسجد، چھوٹی راجموہی، بڑی راجموہی، رائسنگ پور، کھاپر، کورائی، دھڑ گاؤں، ساگ بارہ، اکل کوا بس اسٹینڈ وغیرہ جگہوں پر مساجد کی تعمیر میں مرحوم کا خون پسینہ بہا ہے، ہم لوگوں کو اس کی قدر کرنی چاہئے۔

یہ تو باقیات الصالحات کی ایک جھلک ہے، جو نظر آتی ہے ہر آئینہ وہ عالی اخلاق وکارنامے جن کو یاد کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے وہ اتنے اور ایسے ہیں کہ یہ مختصر مضمون جس کا متحمل نہیں ہے، پھر بھی خانوادۂ جامعہ بسر وچشم اس کا اعتراف کرے گا کہ اندھیری رات ہو یا کڑکڑاتی سردی، سخت گرمی ہو یا گرمیوں کی چھوٹی راتیں، جب کوئی بچہ بیمار پڑے یا کسی کے رشتہ دار کا انتقال ہو تو ان کو ان کے ٹھکانے پر پہونچانے کا انتظام، کسی کے یہاں ولادت کا مسئلہ ہو تو ڈاکٹر کا انتظام کرنے میں مرحوم کبھی پیچھے نہیں ہٹے، یہ وہ خدمات ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور قلم یہ لکھنے پر مجبور ہو رہا ہے کہ

ع.........خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

یہ تمام مجاہدات پھر بھی طبیعت میں نرمی اور انکساری اتنی تھی کہ جھاڑو مارنے والا (ہریجن) جھاڑو مار رہا ہے اور یہ عاشق جامعہ اس کے پیچھے پیچھے پانی کا چھڑکاؤ کرتے کرتے چلا جارہا ہے، اس کو تو صرف یہی فکر ہے کہ مہمانانِ رسول کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔

ہائے تیری کسر نفسی کو سلام تقدس اے جانے والے:

ابھی کل کی بات ہے کہ ناظم مطبخ حافظ عبد الصمد صاحب کے مشورے سے مطبخ

کے نزدیک ایک پکی سڑک اپنی نگرانی میں خود بیمار ہونے کے باوجود کھڑے کھڑے بنوا ڈالی جس کی وجہ آنے جانے والے طلباء کو کیچڑ سے بچانا، کسی کو کیا خبر تھی کہ ہزاروں لوگ اشکبار و غمگین آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اسی سڑک سے مرحوم کو آخری منزل پر پہونچائیں گے؟ تعزیت کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت اسی سڑک کے آس پاس بیٹھ کر رئیس الجامعہ سے تعزیت کرنے میں مصروف تھی۔

ھائے تیرے جذبۂ راحت رسانی کوسلام :

ارے اس سے بھی بڑھ کر قابل رشک چیز یہ رہی کہ حضرت رئیس الجامعہ اور نائب رئیس الجامعہ کے درمیان بیٹھا تھا تو یہ بات سننے میں آئی کہ ابھی ہم طلبہ کی زیادتی کے پیش نظر اور جامعہ کے احاطہ کے باہر تنگ آنے جانے کے راستے نیز جلسہ کے موقع پر گاڑیوں کی پارکنگ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے سڑک بنوائی جائے ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ مرحوم کی بے چین اور چنچل طبیعت نے جامعہ کے احاطہ سے متصل ایک بہترین کشادہ ایسی سڑک تعمیر کروادی کہ آنکھیں دیکھتی رہ گئیں، کیا خبر تھی کہ آپ یکا یک داغِ فرقت دے جائیں گے اور آپ کی آخری رسم میں آنے والے ساتھیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ اس پر ہوگی؟

سلامِ شوق تیری قلندرانہ نگاھوں کو:

لکھوں تو کہاں تک اور کتنا لکھوں؟ جذبات واحساسات رکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں، اور قلم باز آنے کو تیار نہیں ہے، مگر ساتھیوں کا تقاضہ ہے کہ تحریر جتنی جلد تیار ہو بھیج دو، اس وجہ سے بادلِ ناخواستہ قلم روک کر بس اتنا کہنا ہے کہ رئیس جامعہ اکل کوانے نہ تو صرف اپنا خود کا ایک پرانا رفیق گنوایا ہے بل کہ ایک کامیاب ناظم، چست وچالاک منتظم، بااخلاق وبے مثال ایک ایسا کارندہ گنوایا ہے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے،

جن کی نس نس اور روئیں روئیں میں جامعہ بسا ہوا تھا۔

اخلاص، وفاداری اور ایمان داری کا ایسا مرد مؤمن کہ خود بیوہ، عالم فرزند اور لڑکیوں نیز ایک ایسا چھوٹا بچہ عبدالرحمٰن بھی پسماندگان میں چھوڑ گئے ہیں، جس کو ہزاروں امنگوں اور امیدوں کے ساتھ تحفیظ القرآن میں داخل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جلد سے جلد حافظ قرآن بنائے۔ آمین

حضرت مولانا مرحوم جامعہ اور جامعہ سے وابستگان کو داغ مفارقت دیتے ہوئے ۷ ارجولائی جمعرات کی رات کو (حضرت مولانا وستانوی کی رقت آمیز نماز جنازہ ودعا کے ساتھ غم کے مارے ہزاروں عاشقوں کی حاضری میں تڑپتے دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ) سپرد خاک ہوئے، بہت سی مسنون وماثور دعاؤں کے ساتھ جگر مرادآبادی کا یہ شعر تڑپا رہا ہے ؎

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
تیرے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

اگلے صفحہ پر ایک منظوم کلام ہے جو صرف مناسبت کی وجہ دیا گیا ہے۔

روح رواں جاتا رہا......

بیاد: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب خان پوری علیہ الرحمۃ

نتیجۂ فکر: مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

جامعہ اکل کوا کا پاسباں جاتا رہا
گلشن دین نبی کا باغباں جاتا رہا
کھو گیا اک صاحب سرِ نہاں دنیا سے آہ!
کاروان علم کا، روح رواں جاتا رہا

پیکر مہر و اخوت مولوی یعقوب تھے
اور وہ اپنے پرائے کو بہت محبوب تھے
ہر کسی تقریب میں رہتے رہے وہ پیش پیش
محفل یاراں میں وہ پہلے پہل مطلوب تھے

وہ رہے اپنے پرائے میں بہت ہی معتبر
جلوۂ اخلاص سے معمور تھا قلب و جگر
وہ بڑوں کے قدر داں تھے اور چھوٹوں پر شفیق
صاحبان علم و فن کے درمیاں تھے با اثر

وہ غلام وستانوی کے تھے مشیر با وفا
حافظ اسحاق کے وہ تھے صدیق با صفا
حافظ عبدالصمد کے وہ رہے ہیں یارِ غار
تھے رحیم محترم کے وہ رفیق بے ریا

قصبۂ اکل کوا میں وہ تھے اٹھائیس سال
جامعہ میں خدمت اسلام کی بائیس سال
صاحب ایثار تھے وہ پیکر خلق حسن
ان کی ذات محترم تھی مخزن فضل و کمال

ان سے پھیلی علم و حکمت کی یہاں پر روشنی
ان سے لوگوں کو ملی خلق حسن کی چاشنی
مسلم و ہندو سے ان کا خوب یارانہ رہا
ان سے گونجی مہر و خو کی بانسری کی راگنی

ان کی محنت کا ثمر ہے جامعہ اکل کوا
ان کے دم سے پُر اثر ہے جامعہ اکل کوا
ان کی سعی کامراں کا جامعہ ہے نقش تام
اہل حق کی رہ گذر ہے جامعہ اکل کوا

ہے چمن زارِ اشاعت میں انہیں سے رنگ و بو
ان کی محنت کا اثر بکھرا ہوا ہے چار سُو
جذبۂ اخلاص سے معمور تھا ان کا عمل
مرضی مولا کی ان کو تھی ہمیشہ جستجو

مسلم و ہندو کی نظروں میں رہے وہ محترم
مغتنم یعقوب کی تھی ہستی والا شیم
داغ فرقت وہ ہمیں دے کر گئے دنیا سے آہ!
یا الٰہی کر تو ارزاں ان پہ فیضان کرم

جامعہ ہے ان کی مرگ ناگہاں پہ سوگوار
جامعہ کا بچہ بچہ ہوگیا ہے اشکبار
یہ چمن زار اشاعت بن گیا ماتم کدہ
ہیں در و دیوار اس گلزار دیں کے غم گسار

یا الٰہی نور تیرا قبر میں ہو جلوہ بار
تیری نظر خاص ہو یعقوب پہ لیل و نہار
ہے ولی کی یہ دعا اے صاحب عز و جلال
تربت مرحوم میں رحمت کی ہو فصل بہار

......آہ! اجالو کا سفیر چل بسا......

حضرت مولانا محمد طاہر خان صاحب مالیگانویؒ کی یاد میں

یوں تو دنیا چین وعافیت کی جگہ نہیں ہے۔آنا، جانا، صبح وشام، اندھیرا، اجالا، ٹھنڈی، گرمی الغرض کہ یہ تبدیلیاں فطرت کا ایک حصہ ہیں، اسی وجہ سے انسان مختلف حالات سے گھرا ہوا ہے۔انسان بڑے سے بڑے حادثات کو برداشت کرکے اس کے رنج وغم کو برداشت کرلیتا ہے اوراس کو قضاوقدر سمجھ کر سر تسلیم خم کرلیتا ہے۔

خانوادۂ جامعہ کو گذشتہ دنوں میں ایک بڑے حادثہ (حضرت مولانا یعقوب صاحب خانپوریؒ کے انتقال پر ملال) سے جو رنج وغم پہنچا تھا تو وہ زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا کہ دوسرا ایک حادثہ ہمیں برداشت کرنا پڑا، وہ ہے جامعہ اکل کوا کے استاذ حدیث، مقرر شیریں بیاں، مفسر قرآن حضرت مولانا محمد طاہر خان صاحب سلوڑیؒ (مالیگاؤں) کا اچانک انتقال پر ملال ہے، جن کے بارے میں قلم رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر مجبور ہے، آپ اچانک جامعہ وطلبائے جامعہ کو داغ مفارقت دے کر اور غمگین کرکے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا طاہر صاحب کا قد درمیانہ گندمی رنگت، دبلا پتلا جسم تھا، شروع میں جناح کیپ اور ابھی کچھ پہلے سے گول ٹوپی، چوڑا پائجامہ، سادہ لباس زیب تن کئے کاندھے پر رومال رہا کرتا تھا، سیدھا سادہ انسان ملنسار طبیعت، ہنس مکھ چہرہ، ہر بڑے چھوٹے سے پیاری شخصیت تھی آپ کا اصل وطن سلوڑ ضلع اورنگ آباد پھر آپ کے آباء واجداد مالیگاؤں منتقل ہوگئے اسی لیے آپ مالیگاؤں کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔

محنتی اور متوسط خاندان میں پرورش پائی، مالیگاؤں کے تاریخی ادارے جامعہ

اسلامیہ (بڑا قبرستان) سے فراغت حاصل کر کے مالیگاؤں کے ہی ایک ادارے کو اپنی محنت کا میدان بنایا، پھر اپنی مادر علمی ہی میں تدریسی خدمت انجام دی، یہ وہ ادارہ ہے جہاں حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور جامعہ ڈابھیل کے فاضل حضرت مولانا جمال الدین لبیبؒ براجمان تھے۔

جب سے جامعہ اکل کوا میں دورۂ حدیث کی تعلیم شروع ہوئی آپ کا شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیمان شمسیؒ کے ایماء پر استاذ حدیث بنا کر تقرر کیا گیا، جو آخری سانس تک قائم رہا، حضرت مرحوم مسندِ حدیث پر تشریف فرما ہو کر ۱۴ سال تک درس حدیث دیتے رہے۔

ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خوبیاں رکھی ہیں، اصول کے تحت حضرت مولانا بھی کئی خوبیوں کے مالک تھے، ان خوبیوں میں سے ایک خوبی اپنے فرائض و ذمہ داریوں کی کماحقہٗ ادائیگی ہے، آپ کو جو بھی ذمہ داری سونپی جاتی آپ اسے بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، چاہے وہ امتحانات کی ذمہ داری ہو یا درسی ذمہ داری ہو یا طلباء کی نظروں میں حاضری ہو، یا پھر کسی جگہ تقریر کی ذمہ داری ہو، آپ بہتر سے بہتر طریقے اور پابندیٔ وقت اور فراخ دلی وخوش دلی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ کسی بھی شخص کی زندگی میں یہ ایک اہم خوبی شمار کی جاسکتی ہے کہ اس کے اندر احساس ذمہ داری وفرض شناسی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس خوبی سے مالا مال فرمائیں۔ آمین!

حضرت مرحوم کی ذات پُرفیض اور مستفید کرنے والی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں جہاں علم سے وابستہ لوگوں کو علم کی بڑھوتری کی دعا کا حکم دیا گیا ہے وہیں علم نافع کے سوال کی بھی تلقین کی گئی۔ جیسا کہ بندہ دعا کرتا ہے أللهم إني أسئلك علما نافعا کہ اے اللہ میں آپ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں۔ حضرت مرحوم اپنی درسی

ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ جہاں بھی رہتے عوام سے بھی ملے رہتے، اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ افہام وتفہیم کی صلاحیت بھی مکمل عطا فرمائی تھی، اسی وجہ سے جہاں بھی پہنچتے میدان مار لیتے، جمعہ میں جامع مسجد اکل کوا، مکرانی پھلی، ککرمنڈا، نندوربار، تلودہ، شہادہ وغیرہ تشریف لے جاتے اور تشنہ امت کی سیرابی فرماتے بل کہ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹکتی امت کو روشنی کے دیے دکھائے، آپ جہاں بھی رہے وہاں مبارک سلسلہ جاری فرمایا۔

اکل کوا کی جامع مسجد کے امام وذمہ داران کی خواہش پر آپ نے درس قرآن کی ابتداء کی جو برسہابرس سے ہفتہ میں جمعہ بعد نماز مغرب منعقد ہوتا تھا، ساتویں پارے تک ہی پہنچے تھے کہ اس اجالوں کے سفیر کو موت نے اپنی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سلا دیا!

اللھم نور قبرہ

اسی وجہ سے حضرت والا درس کے درمیان فارغ ہونے والے طلباء کو تلقین کرتے کہ عوام کے اندر گھس کر دین کا کام کرنے کا داعیہ پیدا کرو، امت کے ہر ایک طبقہ سے رابطہ رکھو، مالیگاؤں میں حضرت والا کے دوست واحباب نے بتلایا کہ مولانا جب بھی یہاں آتے تو چین وسکون سے نہیں بیٹھتے تھے، یہاں تک کے کلبوں میں منڈیوں میں مالدار لوگوں سے ملاقات کرتے اور باتوں باتوں میں ان کو دین کی باتیں بتلا دیتے۔

ع.........خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

اس کے علاوہ مولانا بین الاقوامی خبروں سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے، پابندی سے بی بی سی اور دیگر خبریں سنا کرتے اور خاص خاص خبریں اپنے ساتھیوں کو سنایا کرتے اور اس پر تبصرہ بھی فرمایا کرتے اور امت مسلمہ پر ہونے والے مظالم کی خبریں سن کر غمگین ہو جایا کرتے، خصوصا فلسطین کے ظلم وستم، مالیگاؤں کا فساد اور گجرات میں کھیلی گئی خون کی

ہولی کی خبروں سے آپ بے چین اور رنجور ہو گئے تھے، آپ کی اسی صفت کو دیکھتے ہوئے برجستہ یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ویسے تو آپ کی بے شمار خوبیاں ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے؛ لیکن جو بھی مختصر خوبیاں آپ کی بیان کی گئیں وہ قابل تقلید ہیں، آپ اسم با مسمیٰ تھے یعنی ساری زندگی مرحوم آلائشوں اور دنیاوی خرابیوں سے پاک رہے، آپ کا نام نامی ''طاہر'' تھا، طلباء و قارئین کو آپ کی زندگی نمونہ بنانے کے لیے یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔

بہر حال حضرت مولانا کے انتقال پر ملال پر خصوصاً دورۂ حدیث کے طلباء اور عموماً تمام طلباء فکر مند ہو گئے سارے جامعہ پر ابر غم چھا گئے، یکا یک جمعرات کو بعد نماز عصر طلباء کے سامنے رئیس الجامعہ کا بیان ہوا جس میں آپ نے طلباء اور اساتذہ کو صبر کی اور مالیگاؤں جنازے میں شرکت کی تلقین فرمائی۔

جامعہ اکل کوا، اکل کوا کے برادان اسلام اور جامعہ کے مراکز کے نظماء مالیگاؤں روانہ ہو گئے، پوری رات بل کہ جمعہ کے دن تجہیز وتدفین کے وقت تک اطراف وجوانب اور دور دراز سے آنے والوں کا سلسلہ جاری رہا ٹھیک ۹ ربجے طاہر منزل سے جنازہ اٹھایا گیا، جنازہ میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، جو کندھا دینے کے لیے بے چین تھا اور بزبان خاموشی یہ کہہ رہے تھے

ع............عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ٹھیک ۹:۳۰ بجے مدرسہ اسلامیہ بڑا قبرستان جنازہ پہنچا، رئیس جامعہ اکل کوا حضرت وستانوی صاحب نے رنجور دل واشکبار آنکھوں کے ساتھ اپنے ۱۴؍سالہ رفیق کار

کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ٹھیک ۱۰ بجے آں محترم مرحوم کے جسد طاہر کو سپرد خاک کر کے طلباء اور اساتذہ ایک عجیب کیفیت کے ساتھ واپس ہوئے، کیوں کہ جو بھی شخص اپنی زندگی کو خدمت قرآن وحدیث کے لیے وقف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مرنے کے بعد بھی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے قابل تقلید نمونہ ہے، بل کہ اس کی زندگی ''بل احیاء ولکن لاتشعرون'' کا مصداق ہے۔

حضرت مولاناؒ نے پسماندگان میں ایک بیوہ، چار لڑکیاں، چھ صلبی اور دیگر لاتعداد روحانی اولاد چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین!

……بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ……

فقیہ اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ

ایک مسلمان اپنے عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ تقدیر پر ایمان کو بھی اپنی زندگی کا قیمتی سے قیمتی سرمایہ بل کہ ایمان کا جزء لاینفک سمجھتا ہے، ورنہ اس کے ایمان کی تکمیل نہ ہوسکے گی، اسی بنیادی اور بلندی ومعیاری عقیدے کی وجہ سے مسلمان پر سنگین سے سنگین حالات آتے ہیں اور وہ ایسے سنگین حالات برداشت کرنے کا پورا پورا حوصلہ رکھتا ہے، چناں چہ عالم اسلام ومسلمانوں پر پیش آئے حالات وحادثات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے قلوب کی پنہائیوں میں ایمان کی دیواریں مضبوط اور خدائے ذوالجلال سے مزید مربوط ہوتی جاتی ہیں (اللہ پاک مزید ایمانی استحکام نصیب فرمائے) چناچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر سے لے کر ولی اور صالح تک کے ساتھ جو تعلق وارادت، محبت واُلفت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اس کی حدود بھی شریعت نے مقرر کی ہیں، کہ اگر ان کی حیات ہے تو کیا سلوک کیا جائے؟ ممات ہے تو کیا طریقۂ کار؟ بہر حال مسلمان ہر حادثہ وواقعہ میں پابند ِ شریعت ہے نہ کہ شتر بے مہار۔

بہت ہی درد وغم اور بشری تقاضوں سے مجبور ہوکر مجاہد ملت، فقیہ امت، درد مند قوم عالم بے بدل، بانیٔ اسلامک فقہ اکیڈمی، امیر شریعت بہار واڑیسہ، رکن تاسیس و صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ قاضی القضاۃ، اسم بامسمیٰ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی رحلت پر قلم جنبش وحرکت کررہا ہے، کہ ان کی موت نہ صرف مخصوص طبقۂ قلمی اور نہ کسی مخصوص علاقہ کے باشندگان اور نہ کسی گھرانے کے افراد کے لیے خسارۂ حسرت اورغمنا کی کا سبب ہے، بل کہ پوری ملتِ اسلامیہ کا خسرانِ عظیم ہے اور یوں کہیے کہ

''موت العالِم موت العالَم '' کا صحیح اور سچا مصداق ہے، ہم سب ایک دوسرے کی تعزیت اور ایک دوسرے کی تسلی کا سامان فراہم کریں، بل کہ آپس میں مل کر یوں کہیں کہ ؎

آ عندلیب! مل کے کریں آہ وزاریاں　　تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

لیکن جانے والا اپنی حیاتِ مستعار گذار کر جب چلا جاتا ہے تو اخلاف کے لیے دو کام چھوڑ جاتا ہے، ایک یہ کہ اگر اسلامی اخوت وہمدردی، کمالاتِ علمی وعملی کے سبب آپ کو ان سے محبت ہے تو خلوت وجلوت میں رہ کر ایصال ثواب کریں، تاکہ ان کی روح وجسم کو سکون حاصل ہو، دوسرا یہ کہ انھوں نے اپنے عرصۂ حیات کو قیمتی بنا کر امت کو جو اثاثۂ علمی اور اخلاقی کردار عطا کیا ہے اسے مشعلِ راہ بنا کر ہم بھی اسلاف کے نقش قدم پر چلیں اور سعدی کی اس دردبھری صدا پر گوش برآواز بن جائیں۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

تو آیئے! اسی جذبہ سے ہم قاضی صاحب کی کتابِ زندگی کا مطالعہ کریں کہ وہ قاضی صاحب جنھوں نے صوبۂ بہار کے ضلع دربھنگہ کے جالہ نامی ایک دیہات میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوکر، مولانا عبدالاحد ومولانا اسحاق نامی اساتذہ سے علم کا آغاز کیا اور اس کے بعد مدرسہ محمود العلوم (دملہ)، مدرسہ امدادیہ (دربھنگہ) اور دار العلوم مئوناتھ بھنجن ان مدارس میں ثانوی تعلیم حاصل کر کے مرحلہ فضیلت کی تکمیل کے لیے ازہر ہند دار العلوم دیوبند میں تقریباً ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک قیام رہا، بعد ازاں ہندوستان کی عظیم شخصیت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی نگاہِ قلندرانہ نے آپ کو اپنی آغوش میں لیا اور یہیں سے آپ نے دورِ تدریس کا کامیاب آغاز کیا، ابتداء سے لے کر حدیث شریف تک کے اسباق آپ سے متعلق رہے، ۱۹۷۲ء تک آپ کی تدریسی مشغولیت کے بعد امت کی

چاہت پر اس دلِ دردمند نے امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ کے شعبۂ قضا کی باگ ڈور سنبھالی، جو حیات کے آخری مرحلہ تک باقی رہی، حضرت قاضی صاحبؒ کو ان کی علمی صلاحیت، قوتِ فکریہ کا صحیح استعمال اور امت کے ہر طبقہ کو ساتھ لے کر چلنے کے مزاج نے ایسا اٹھایا کہ بہت جلد آپ ہندوستان کے صفِ اول کے علماء کے قلوب میں جگہ پا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی منتخب ہوئے اور مفکر قوم وملت حضرت علی میاںؒ کے انتقال پر ملال کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کے کلیدی عہدہ پر باتفاق آراء جلوہ افروز کئے گئے، یہ سب نتیجہ ہے صلاحیت کے ساتھ ساتھ مزاجِ صالحیت اور افراد سازی کا۔

حضرت قاضی صاحب کا ہر طبقہ امت میں مقبولیت کا راز مزاج افراد سازی تھا جب کہیں اور جہاں کہیں آپ کا مدارس و جامعات اسکول و کالجز میں جانا ہوتا تو آپ کی نظر سب سے پہلے وہاں کے نظام واستحکام تعلیمی پر جاتی کہ یہاں معیارِ تعلیم اور مدرسین کا ذوق علمی کس معیار کا ہے، پھر اگر ان کو تسلی ہو جاتی تو ادارے کی حسن کارگردگی پر زبانِ تحسین روکے نہ رکتی اور ذرا بھی بخل نہ کرتی، ہمارے زمانہ تعلیم میں فلاح دارین ترکیسر میں امتحان ہال میں تشریف لائے، دورۂ حدیث شریف کا طحاوی کا پرچہ تھا، صرف ایک طالب علم سے دریافت فرمایا کہ طحاوی کی کتاب کا نام کیا ہے، طالب علم نے جواب دیا کہ شرح معانی الآثار، سنتے ہی خوش ہو کر حوصلہ افزا کلمات فرماتے ہوئے نکل گئے۔

حضرت محترم نے اپنی حیات میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام فقہی سمینار کا انعقاد شروع کیا اور انصاف کی بات یہ ہے کہ ان فقہی مجالس نے بھی افراد کو تیار کرنے کا ایسا خاموش اور بے ریاء کارنامہ انجام دیا کہ وہ فقہ وفتاویٰ واصول کی امہات الکتب فتاویٰ قاضی خاں، خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ بزازیہ، توضیح تلویح جیسی جو یا تو کتب خانوں اور الماریوں کی زینت تھیں یا انھیں گرد کھا رہی تھی، ان کتابوں کو نئی زندگی ملی اور نوخیز

مفتیانِ کرام جن کا مراجع بعد کے جدید فتاویٰ کی کتابیں تھیں، انھوں نے میدانِ عمل میں آ کر مستقل عنوان اور مبحث کو اصول میں تلاش کیا اور اس طرح حوالہ کے ساتھ مضمون نگاری، فتاویٰ نویسی کا ذوق بنا۔

جب حضرت قاضی صاحبؒ کے یہاں طلبہ تربیت قضاء کے لیے تشریف لے جاتے تو قاضی صاحب طلبہ کے داخلہ کے بعد پہلے ذہنی تربیت فرماتے، حد تو یہ کہ ان قضاء کے طلباء سے نحو میر، شرح مأۃ عامل حل کراتے، اعراب کا اجراء کراتے اور ان کو اپنے عمل و کردار سے باور کراتے کہ جب تک بنیاد پختہ نہ ہو سب بے کار ہے یہ تھا افراد سازی کا انداز۔ کبھی قاضی صاحبؒ تربیتِ قضاء کے طلباء کو طلب کرتے اور فرماتے ''شامی دیکھنے کا یہ طریقہ ہونا چاہیے، تحفۃ القضاء دیکھنے کا یہ اسلوب ہے، قواعد الفقہ ایسے دیکھی جائے اور فرماتے، روزانہ جس قدر مطالعہ کیا جاوے اس کا یومیہ مقدار رفتہ رفتہ بڑھایا جائے اور حاصل مطالعہ اپنے الفاظ میں قلم بند کیا جائے، تاکہ فقہی مزاج سازی کے ساتھ ساتھ ذوق مضمون نگاری وانشاء پردازی بھی پروان چڑھے۔

ہمارے جامعہ اکل کوا میں بھی حضرت قاضی صاحبؒ کے منظورِ نظر، تربیت یافتہ، کامیاب استاذ فقہ واصول فقہ جناب مفتی جعفر صاحب موجود ہیں، گویا کہ حضرت قاضیؒ کا روحانی فیض جامعہ میں بھی جاری وساری ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ بایں ہمہ اوصاف بقول شخصے ''العلم زینة العلم '' کے عظیم وصف، حلم و بردباری سے بھی آراستہ تھے، یہ منظر بارہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مجلس فقہ منعقد ہے اور مناقشہ کا دور شروع ہوا، کسی مسئلہ میں قاضی صاحبؒ کی رائے میں کچھ تسامح نظر آیا، فوراً مجلس سے کوئی نو آموز، نو خیز شاگرد نما آپ کی رائے پر جرح کرتا نظر آیا، بل کہ کبھی کبھار قاضی صاحب کے علمی مقام سے عدمِ معرفت کی بنیاد پر لہجہ اور انداز بھی

جوشِ جوانی سے متاثر ہو کر غیر شائستہ ہو جاتا تو اس کی گفتگو کو نہایت تحمل اور بردباری سے سنتے اور اگر تسلیم کے قابل ہوتی تو تسلیم ورنہ تفہیم کا مناسب راستہ اختیار فرماتے، اسی حلم و بردباری کا نتیجہ کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لسانِ مبارک پر حکمت کے چشموں کو جاری کر دیا تھا کہ کسی مجلس میں جلوہ افروز ہوتے تو تبحر علمی اور تجربۂ جہاں گردی کی روشنی میں وقتی ضرورت کے پیش نظر ایسا فیصلہ اور رائے عنایت فرماتے جیسے طبیب حاذق، نبض شناس ہاتھ چھوتے ہی مرض کی تشخیص کر لے۔

حضرت قاضی صاحب کا علمائے گجرات سے ربط وضبط:

یوں تو حضرت قاضی صاحب کا علماءِ گجرات سے ربط وضبط گنے چنے افراد حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری وغیرہ سے کوئی ۲۵ ۳۰ سال پرانا رہا ہوگا، مگر باقاعدہ افادہ واستفادہ کا دور جس میں نوجوان علماءِ گجرات میں ایک حرکت، پرانے بزرگوں میں ایک فکر سوار ہو، اس کا آغاز مایہ ناز علمی و دینی درس گاہ دارالعلوم ماٹلی والا میں ہوئے، فقہی سیمینار سے ہوا، جس کی استقبالیہ تقریر حضرت الاستاذ مولانا ابرار احمد صاحب دھولیوی نور اللہ مرقدہ نے فرمائی، قاضی صاحب نے اسی موقع سے دارالعلوم کنتھاریہ، دارالعلوم اشرفیہ راندیر، مظہر سعادت ہانسوٹ، جامعہ حسینیہ راندیر وغیرہ مدارس کا دورہ کیا اور بہت قریب سے یہاں کے علماء و منتظمین کو دیکھا اور ان کے حسن انتظام، بعد ازاں جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس احمد آباد میں ہوا تو استقبالیہ کمیٹی کے لئے آپ کی نظر انتخاب حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم اور حضرت مفتی خان پوری صاحب پر پڑی، جس کا نتیجہ یہ رہا کہ وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاریخ کا کامیاب ترین اجلاس رہا، جس میں تقریباً مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تمام اراکین نے شرکت فرمائی اور اہم قرار داد وتجاویز پاس کی گئیں، اس اجلاس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم

پرسنل لاء بورڈ کے ممبران میں گجرات کو نمایاں نمائندگی حاصل ہوئی، جو حضرت قاضی صاحب کی دوررس نگاہوں کا اثر تھا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا ذوقِ خدمتِ خلق:

قاضی صاحبؒ جہاں دنیائے فقہ میں نئے اٹھنے والے مسائل پر پوری بصیرت وبصارت کے ساتھ قدیم وجدید کا سنگم کر گئے اور علمائے عرب وعجم کو موافق کر کے ایک اہم دینی فریضہ انجام دیتے رہے، وہیں قاضی صاحب میدان خدمتِ خلق میں بھی پیش پیش رہے، چناں چہ آل انڈیا ملی کونسل کا قیام اسی جذبہ کے تحت عمل میں آیا تھا، امارتِ شرعیہ پٹنہ کے دفتر میں جب قاضی صاحب کی کسی دورے سے واپسی ہوتی تو ضرورت ومسائل اور حیرانی و پریشانی کے حل کے لیے ایک جمِ غفیر جمع ہوتا، جو قاضی صاحبؒ کی آمد کا منتظر ہوتا، چناں چہ قاضی صاحب ان کے مسائل سنتے اور ان کا مقدور بھر حل فرماتے، آج جب کہ قاضی صاحب ہمارے درمیان نہ رہے تو ایک پریشان وحیران زبانِ حال سے گویا اقبال کا یہ شعر غم آمیز انداز میں گن گنا رہا ہے ؂

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ وپے میں فقط مستیٔ کردار

حضرت قاضی صاحبؒ کا ذوقِ علم نوازی وخورد نوازی:

حضرت قاضی صاحبؒ کا ذوقِ علم نوازی وخورد نوازی کے لیے ایک ہی مثال کافی ہوگی کہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے فقہ حنفی پر ایک کتاب بنام ”شرح منظومہ ابن وہبان“ زرِ کثیر خرچ کر کے شائع فرمائی، وہ حضرت قاضی صاحب کے پاس بطورِ تحفہ ارسال فرمائی تو اس پر مولانا مدنی نے فرمایا کہ قاضی صاحبؒ نے میرے پاس بہت اہتمام سے فون کیا اور کہا یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے، جو آپ نے انجام دیا، یہ دار العلوم اور اس کے ناظمِ تعلیمات ہی کی شایانِ شان ہے اور خوب خوب مبارک باد دی۔

عزیزم مولانا مجتبیٰ لولات شیخ الحدیث، ہدایت الاسلام عالی پور، پٹنہ میں تربیت قضاء کے طالبِ علم تھے، اس دوران علی گڑھ سمینار میں علماء کی ایک مجلس میں قاضی صاحبؒ نے ایک حدیث کی تخریج کے متعلق استفسار فرمایا، جب مولانا موصوف نے اس کا مخرج متعین کر کے بتلا دیا کہ ابن ماجہ کی ہے تو ایسے تحسینی اور حوصلہ افزاء کلمات کہے کہ تم ہی سے امید تھی کہ تم اس عقدہ کو حل کرو گے، بہر حال علمی ذوق کے ساتھ وسعتِ ظرفی سے بھی آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔

موصوف کی رحلت پر جامعہ مظہر سعادت کے بانی نے بہت ہی جامع تبصرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ قاضی صاحب ایک دوصدی پہلے اس دنیا میں ہوتے تو آج کتب فقہیہ میں ان کے اقوال ملتے۔

ان سب کمالات کے ساتھ قاضی صاحبؒ کے مزاج میں جو استغناء تھا وہ بھی قابل ذکر ہے، جب قاضی صاحبؒ کی ریڑھ کی ہڈی کا علاج شروع ہوا تو آپ کے جاں نثاروں نے آپ کو علاج ومعالجہ کے طبی اعلیٰ جانچ کے لیے امریکہ روانہ کیا تو معالجین نے خون کی جانچ کے بعد یہ تأثر دیا کہ مریض صحت یاب تو ہوسکتا ہے؛ مگر مصارف کثیر ہوں گے، قاضی صاحبؒ کے متعلقین نے ممکنہ مصارف کی ذمہ داری قبول کی تو قاضی صاحب نے تخمینہ دریافت کیا، جب معالجین نے دو کروڑ بتلایا تو قاضی صاحب نے یہ کہہ کر کہ زندگی اور موت اللہ کے قبضہ میں ہے، ایک مجاہد الاسلام پر یہ زرِ کثیر خرچ کرو اس سے بہتر یہ ہے کہ غریب، مفلس کے خاندان کی ترقی اور خوش حالی میں یہ خرچ کیا جاوے، چناں چہ آپ نے اس علاج سے روگردانی اختیار کر کے دہلی کے علاج پر اکتفاء کیا۔

قاضی صاحبؒ عرب علماء میں بے حد مقبول تھے، لیکن عرب دنیا سے آپ کا تعلق صرف علمی اور ملی خدمات کے لیے رہا، عربی پر ایسی قادر الکلامی تھی کہ آپ یکا یک

جوش میں آکر عربی میں درس شروع کردیتے تھے۔

جامعہ اکل کوا میں آں جناب دوسرے سالانہ دستار بندی کے اجلاس میں تشریف لائے، حضرت مولانا وستانوی اور جامعہ کی خدمات سے بخوبی واقف تھے، اس لیے خوب دعائیں دیتے اور حضرت کو بہت یاد فرمایا کرتے۔

جامعہ میں جیسے ہی قاضی صاحب کے انتقال کی خبر موصول ہوئی طلبہ واساتذہ نے قرآن خوانی کر کے حضرت قاضی صاحبؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا، رئیس جامعہ کی طرف سے تعزیتی پیغام بروقت روانہ کیا گیا اور دعائے مغفرت ہوئی۔

القصہ امت کو ایک ایسی جلیل القدر ہستی کا صدمۂ فراق سہنا پڑا جو نہ صرف ایک عالم دین تھے، بل کہ مجاہدِ وقت، بین الاقوامی واقفیت رکھنے والا ایک واقف کار، مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حساس ونباض، ایک منتظم المزاج، مسلم معاشرے کی عصری معاشرتی اقتصادی قیادت کرنے والا بل کہ ندائے عصر کے بین السطور کو پرکھنے والا، افرادِ امت کو ایک لڑی میں موتی کی طرح پرونے والا ایسا باوصاف انسان تھا، جس کے متعلق صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

آج جب کہ امت عظیم موڑ پر کھڑی ہے اور رجالِ کار ایک ایک کر کے اٹھتے ہی چلے جارہے ہیں اس سال کو گویا عام فقدان الفقہاء کہنا چاہئے کہ جس میں مفتیٔ گجرات حضرت لاجپوریؒ، مفتی عظیم مولانا عاشق الٰہی صاحب بلندشہری، مفتیٔ اعظم رشید احمد لدھیانویؒ اور قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ رحلت فرما گئے، خدا تعالیٰ امت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ ع.........خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

......میری جنت جاوِداں ہوگئی......

کچھ یادیں، کچھ باتیں

ارشادربانی: رب ارحمهما كماربيني صغيرا اورارشادنبوی: الجنة تحت اقدامِ امهاتكم کے بموجب دنیا کے نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے کے جواسباب باری تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں اور پھر جو مختلف اور متنوع نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان اسباب ونعم میں سب سے بڑا اسبب اور سب سے بڑی نعمت والدین محترمین ہیں، اسی لیے تو باری تعالیٰ نے اپنی عبادت کے مطالبہ کے بعد؛ جو مطالبہ نص قرآنی میں حسن سلوک کا کیا ہے وہ ”وبالوالدين احسانا“ کے ذریعہ والدین کے تعلق سے کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اولاد والدین کے حق میں نعمت طمانینت ہے اور والدین، اولاد کے حق میں نعمتِ عظمت ہیں بل کہ یوں تعبیر کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہر فردِ بشر کو جو لاتعدو لاتحصی انعامات عطا فرمائے ہیں ان میں ایسی نعمت جو ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ نہیں ملا کرتی ان میں اپنی حیات وشباب کے ساتھ والدین کی نعمت بھی ہے، جو ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ نہیں مل سکتی، اسی لیے تو کتاب وسنت میں کہیں والد کو بابِ جنت کہا گیا اور جنت کو ماں کے قدموں میں بتایا گیا باری تعالیٰ ہم سب کو نعمتِ والد اور نعمتِ والدہ کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

کیسی عجیب گھڑی ہے کہ محرم الحرام کا عظمت بھرا حرمت بھرا مہینہ، بل کہ شہدائے اسلام کی شہادت اور سرفروشی یاد دلانے والے مہینے کی شبِ جمعہ ہے، ایک ماں ایک نانی ایک دادی ایک ساس بل کہ پردادی اور پرنانی اپنے حفاظ علماء اور صلحاء بل کہ مفسرین و محدثین جیسے اخلاف کے درمیان بسترِ مرض آرام فرما ہے، زبان ساکت وخاموش ہے، ہر سانس اللہ اللہ کی پرکشش صدا مگر کسی غیر معمولی غم کا مظہر بن کر نکل رہا ہے، اسی بیچ بڑے

44

بیٹے نے پہنچ کر اپنی مشفقہ والدہ کی سانسوں کو پرکھ کر ان کے معالج سے رابطہ قائم کیا، معالج نے بھی اقرب الی البیت ہوجانے کا مشورہ دیا۔

چناں چہ حضرت مفتی صاحب (عبداللہ صاحب ہانسوٹ) کی دوررس نگاہوں نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں اور اپنی موجودہ بہنوں سے مشورہ ہی نہیں کیا بل کہ ان کو اعتماد میں لیا، کہ والدہ کو شفاء خانہ سے راحت خانہ لے جایا جائے، سب نے باتفاقِ رائے مفتی صاحب کے مشورہ کی تصویب کی اور والدۂ محترمہ شبِ جمعہ رات 11 بجے حضرت مفتی صاحب کے مکان واقع مظہرِ سعادت ہانسوٹ میں منتقل ہوئیں۔

رات ہی میں قبلہ رولٹانے کا اہتمام کیا گیا، گھر کی مستورات نے قرآن خوانی کیں بل کہ مظہرسعادت کے سعادت مند طلباء نے بھی رات دیر تک تلاوتِ قرآن کا اہتمام کیا، اذانِ فجر والدہ نے شوق سے کانوں سے سنا، متعلقین نے نمازِ باجماعت کا اہتمام کیا، نماز فجر کے بعد مقامی ڈاکٹر ذاکر صاحب کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر فیصل اور ان کے معاون دلیپ بھائی نے علاج کی مزید ہمدردانہ کوشش کی، اسی دوران ٹھیک 7:30 بجے جنتی روح قفصِ عنصری سے اللہ اللہ کرتے کرتے ملاءِ اعلیٰ کو پرواز کرگئی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون

اللہ پاک مرحومہ کو درجاتِ عالیہ سے مالا مال فرمائے اور ان کی حسنات کو سیئات کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور ان کی ادعیۂ صالحہ کو ادعیہ مستمرہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

والدہ مرحومہ رویدرہ گاؤں کے ایک فرشتہ صفت علم پرور علماء نواز جناب حاجی سلیمان سید یوٹؒ معروف بصوفی صاحب کی بیٹی اور ایوب صوفی صاحب کی بڑی بہن تھیں، حضرت مفتی احمد صاحب بیماتؒ کے والد مرحوم جناب ابراہیم بیمات کے توسط سے والد بزرگوار جناب محمد ابراہیم پٹیل سے رشتۂ ازدواج قائم ہوا، والدِ مرحوم کے مجاہدات، احساسات، تفردات اور بالخصوص تربیتِ اولاد کے انوکھے اور البیلے واقعات، بزرگوں

سے عقیدت ومحبت کے انمٹ نقوش کے لیے تو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں، سرِ دست والدۂ محترمہ نے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کے بعد اپنے شوہر سے وفاداری، خدمت گزاری، اور اپنے خسر وساس کے ساتھ نیز اپنی نندوں کے ساتھ حسن سلوک کے فرائض بحسن وخوبی انجام دئے اور اللہ تعالیٰ نے بطور نعمتِ عظمیٰ کے انہیں ایک ہونہار ذہین، فطین بیٹا عطا کیا، جس کا نام والد محترم نے عبد اللہ تجویز کیا، جو بعد میں چل کر مفتی عبد اللہ سے مشہور ہوئے، بہر حال باپ نے اپنے بیٹے کی تربیت اس انداز سے کی کہ جو بعد کی سب اولاد کے لیے بہترین آئیڈیل ثابت ہوئے یوں تو ہم مجموعی طور پر ۱۳ر بھائی بہن ہیں۔

والد بزرگوار نے علماء کے مشورہ سے سب کے نام نبی کی بیٹیوں یا ام المؤمنین کے ہمنام اور بیٹوں کے نام میں احب الاسماء الی اللہ کا اہتمام کیا اور نیک فالی کا جذبہ رکھا، جس کی برکت سے تقریباً عام بہنوں کی نسبت صاحبِ فضل وکمال یا اصحابِ صلحاء کے ساتھ مقدر ہوئی، اللہ نے ان ناموں کے صدقہ خدام دین بننے کی سعادت نصیب فرمائی۔ جس میں والد محترم کے جذبۂ صادقہ کے ساتھ ساتھ والدہ محترمہ کی نیکی، پارسائی، آہِ سحر گاہی، دوامِ صوم وصلاۃ اور اولاد کے لیے فکرِ مسلسل، مجاہدۂ پیہم کا بھی بڑا دخل ہے، یہاں والدۂ محترمہ کی خوبیوں کو زیرِ قلم لاکر اپنی ثنا خوانی اور مدح سرائی مقصود نہیں ہے، بل کہ مقصود یہ ہے کہ امت کی مائیں اسی طرح اپنی اولاد کی تربیت میں ایسی فکرمندی، جگر پاشی اور خون کے گھونٹ پینے کا حوصلہ رکھیں تو وہ اپنی روحانی رازی، غزالی، رومی وحقانی، پالن پوری، مظاہری، اشرفی اور وستانوی جیسی اولاد امت کو پیش کرسکتی ہیں۔

والدۂ محترمہ کی خصوصیاتِ حیات اور امتیازاتِ زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دینی جفاکشی کی ایک خاص صفت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

اسی دینی جفاکشی کے تحت مسجد میں آئی تبلیغی جماعت کی دعوت کا اہتمام فرمائیں، گھر کی بھینس کے لیے چارہ کا انتظام کرتیں، بوڑھی ماں کی خدمت کے لیے کچھ دیر حاضری دیتیں، کھیت پر مزدوروں کے لیے روٹی پہونچانے کی فکر کرتیں، اپنے شوہر کے کھیت سے واپسی پر ٹھنڈے پانی کے ساتھ استقبال کرتیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بچیوں کو اسکول پہونچانے کا نظم کرتیں اوران ساری ذمہ داریوں کے ساتھ نماز سے کبھی غافل نہ ہوتیں، کیا میری ماں ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ أجران کا مصداق نہیں تھیں؟ ماں! تیرے مقدس آنچل کو سلام۔

ارے ہاں بچپن کا ایک واقعہ نوکِ قلم پر آرہا ہے، ہمارے والد صاحبؒ نے فرمایا: آج ایک جماعت ۲۲؍نفری رویدرا میں ہے، شام کو ان کی دعوت میں نے کی ہے، اس لیے تیاری کرو، چناں چہ والدہ محترمہ نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ تیاریاں شروع کیں، نمازِ ظہر کی ادائیگی کے کچھ نصف گھنٹہ بعد مجھ سے فرمانے لگیں میں بھینس کے لیے چارہ لینے جارہی ہوں، تم بھی چلو تو میں والدہ کے ساتھ ہولیا، والدہ کی نظر گھاس کاٹتے کاٹتے ایک زہریلے سانپ پر پڑی، فرمانے لگیں بیٹا جلدی گھر چلے جاؤ میں آتی ہوں، میں نے جانے میں تھوڑی تاخیر کی تو بار بار شفقت بھرے انداز میں کہنے لگیں جاؤ بیٹا جلدی جاؤ، میں کھیلتے کھیلتے اپنے گاؤں کے ’’محتاج محلے‘‘ کے احمد نورات صاحب کی دکان پر پہنچا ہی تھا کہ والدہ اپنا ایک پیر پکڑ کر جلدی جلدی گھر کی طرف آرہی تھیں، بار بار پوچھا ماں کیا ہوا، کیا ہوا، فرمانے لگیں کچھ نہیں جلدی چل، گھر پر پہنچ کر پتہ چلا کہ جس سانپ سے مجھے بچارہی تھیں اسی سانپ نے ماں کو ڈس لیا، اس زمانے میں ایک دیہاتی علاج ہوتا تھا کہ مرغی کے چوزے مخصوص طریقے سے زہر کو چوس لیتے تھے، اس کے ذریعہ علاج کرایا گیا، جو الحمد للہ کارگر ثابت ہوا اور تقریبا ۲۲؍چوزوں کے ذریعہ زہر کے اثر کو روکا گیا اور بقیہ علاج والد صاحب اور نانا جان نے بھروچ سے کرایا، مجھے تو صرف یہ باور کرانا ہے کہ

والدۂ مرحومہ نے دینی جفاکشی اس دور میں اتنی کی کہ ان کی اولاد کو ان کے اساتذہ کبھی مجاہد اور چھوٹے مجاہد تو کبھی مجاہد اول، ثانی، ثالث سے پکارا کرتے تھے، اللہ پاک ماں کی ریاضت کے طفیل اولاد کو ان کے نام سے مقبول کرے اسم با مسمیٰ بنائے۔

والدہ محترمہ کی دوسری خصوصیت تربیت اولاد تھی، تربیت اولاد کے سلسلہ میں بیٹیوں کے ساتھ ساتھ بیٹوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ صبح فجر کے فوراً بعد ہمارے گھر میں تلاوت قرآن کی آواز گونجتی تھی، کوئی سبق پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کو سبق یاد کرا رہا ہے، کوئی والد کی گرفت سے بچنے کے لیے سبق دہرا رہا ہے، جو چیز گھر میں اچھی بنتی اس کو لے کر ہمیں استاذ کے گھر بھیجا جاتا، اولاد کے دل میں استاذ کی عظمت وخدمت کا جذبہ پیدا کیا کبھی اعزاء ورشتہ داروں میں کسی بہن کے ذریعہ کوئی چیز پہونچائی جارہی ہے، تو کبھی بیمار دادی اماں کی خدمت کے لیے کسی بہن کو بھیجا جارہا ہے، تو کبھی نانا، نانی کے گھر خدمت کے لیے کسی بہن کو مکلّف کیا جارہا ہے، گویا صلہ رحمی کا سبق عملی طور پر دیا جارہا ہے، تو کبھی محلّہ میں گاؤں کا کوئی مرد بیمار ہوتا تو مفتی صاحب سے لے کر بھائی عبدالرحمٰن ہر ایک بیمار پرسی کرتے اور اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو بڑی بہن سے لے کر چھوٹی بہن تک سب کو بیمار پرسی اور انتقال پر تعزیت مسنونہ ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔

مرحومہ موصوفہ کی ایک خاص صفت ہمدردی، غم گساری اور رواداری کی تھی، اگر ان کے پاس کچھ پیسے ہوتے تو دیتی نہیں تھیں بل کہ لٹاتی تھیں، ان کے پاس تقسیم کے ذہنی اقسام تھے، اگر ان کے پاس کچھ سونا تھا تو اپنے پوتیوں اور نواسیوں کو دے دلا کر پہلے ہی فارغ ہوچکی تھیں، یہ عبداللہ کی بیٹی کا، یہ عبدالرحیم کی بیٹی کے لیے، یہ عبدالرحمٰن کی بیٹی کا اور اخیر میں دو سونے کے ایرنگ تھے، تو فرمانے لگیں کہ یہ میری ہاجرہ کی بیٹی کے لیے ہے اور اکل کوا پہنچ کر حافظ اویس وستانوی کی بیوی اور اپنی نواسی کے کانوں اپنے

ہاتھ سے پہنائے، اگر کھیت میں کوئی چیز ہوتی تو اپنے عینی بیٹوں اور علاتی بیٹیوں کو انصاف سے پہونچاتیں، اگر پیڑ پر آم آتے تب بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پاتا، یہ تو گھریلو معاملات رہے۔

ادھر رمضان سے قبل حضرت مولانا وستانوی ہمشیرہ محترمہ کے ذریعہ تقسیم کی رقم بھیجتے، کچھ ان کے بیٹے تقسیم کے لیے پیش کرتے اور بیرون سے ہماری بہنوں کی طرف سے رقومات آتیں تو ذہنی طور پر بیواؤں کی فہرست تیار کرتیں اور رمضان پیکیج اور عید پیکیج گھر گھر پہونچا کر اظہارِ ہمدردی کرتیں، اگر میری ماں کو پتہ چل جاتا کہ کوئی لاولد ہے، تو ماں کانپ جاتیں اور اس کے لیے مخصوص اوراد پڑھ کر تسبیح تیار کر کے پیش کرتیں۔ اماں جان بالکل اس شعر کی مصداق تھیں ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

ماں! میں تجھ کو کس کس زاویہ سے اپنے قلم کی سوغات دوں، جس گوشۂ انسانیت اور گوشۂ حمیت کو دیکھتا ہوں آپ اپنی مثال آپ نظر آرہی ہیں، یہ تو اماں جان کے مخلوق سے ارتباط و ہمدردی کے مناظر تھے۔

اماں جان کا اپنے خالق، مالک، مولیٰ اور معطی سے ایسا گہرا ربط تھا کہ روزہ رکھ رکھ کر خدا کے سامنے جبینِ نیاز خم کر کے نمازیں پڑھ پڑھ کر اپنے مولیٰ کو راضی رکھنے کی سعی پیہم کرتی رہتیں، اگر کسی جگہ تعلیم و تعلم دعوت و تبلیغ کے لیے جانا ہوتا اور ایک مرتبہ ماں سے دعا کی درخواست کی جاتی تو تا اختتامِ پروگرام مسلسل دعاؤں کی سوغات سے نوازتی رہتیں۔

کوئی بہو بیٹی یا کوئی متعلقہ عورت کی قربِ ولادت کا پتہ چل جاتا تو ماں دعاؤں

میں لگ جاتیں، کسی کا رشتہ، کسی کا نکاح، کسی کی خوشی اور کسی کی غمی، کون سا ایسا مرحلہ والدہ کے سامنے نہ آیا ہو اور انھوں نے اپنے مولیٰ کا دروازہ نہ کھٹکھٹایا ہو اور ہاں نمازِ تہجد اور اس کے بعد دعاؤں کے اہتمام میں اپنے بیٹے پوتے پڑ پوتے، بہو بیٹیاں نواسے نواسوں کے نام تو ایسے نوکِ زبان تھے کہ دورانِ دعا نام بنام ان کی فلاح و بہبودی، ان کے نیک رشتوں اور جوڑوں کی سلامتی اور ان کی قیامت تک آنے والی نسلوں کی حفاظتِ ایمان واسلام کی دعا، ان کے حیاتِ مبارکہ کا معمولِ دائمی بن چکا تھا۔ جس کے صدقہ اللہ پاک نے وادیٔ مریم کو اتنا پھیلایا اور پھلایا کہ جسے شاعرانہ انداز میں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے کہیں جگہ نہ ملی میرے آشیانے کو

بہر حال کسی بندے یا بندی کی زندگی کا ماحصل یہ ہے اور یہی اصلِ عبدیت ہے کہ مخلوقِ خدا اور خدا سے، خالق اور مخلوق سے روابط کی استواری اور ہم آہنگی برابر رہے، یعنی ع..........راضی رہے رحمٰن بھی، خوش رہے عبادِ رحمٰن بھی

والدہ مرحومہ مشفقہ کی یہ خصوصیات وامتیازات ذکر کر کے کسی اور سے ان خوبیوں کی نفی یا انکار مقصود نہیں ہے بل کہ ماں کی دینی جفاکشی، سخاوت و ہمدردی، شانِ تربیت، اہتمامِ دعا وغیرہ، ذکر کر کے ہر حال و مستقبل کی ماؤں کو ان اوصاف سے متصف ہونے کی رغبت دلانا مقصود ہے، جب ماں ان اوصاف سے متصف ہوتی ہے تو ان کی نسلوں میں حفاظ، علماء، صلحاء، مفتیانِ کرام، مفسرین ومحدثین کی کھیپ تیار ہوتی ہے، چناں چہ گلشنِ مریم کے ان گلہائے رنگا رنگ پر نظر ڈالی تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وادی میں دسیوں مفتیانِ کرام، پچاس سے زائد علماء، اتنے ہی حفاظ وحافظات کی جماعت اللہ نے پیدا فرمائی ہے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

جن کے اعمال اچھے ان کی موت بھی اچھی

وہ پیاری پیاری ماں اپنی زندگی کی دھوپ چھاؤں مسرت وغم سہتے سہتے جب عمر کی اس منزل پر پہنچی جس میں عوارضات، بیماریاں اور ضعف ونقاہت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کو بھی وہ عوارضات لاحق ہوئے، اپنی زندگی کا وافر حصہ بڑے بیٹے کے یہاں کبھی چھوٹے بیٹے کے یہاں کبھی اکل کوا کا طویل سفر کر کے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے یہاں اپنے لمحات بتاتیں، نواسوں، پوتوں کو دیکھ کر خوش ہوتیں، تربیت کی باتیں کرتیں، شدہ شدہ ۱۴۳۷ھ کے رمضان کا مہینہ آ گا اور ۲۰۱۶ء کا ماہِ جون، بیٹے اپنے دعوتی سفر پر روانہ ہو گئے، تو اپنی چھوٹی بیٹی جو مولانا اویس وانکانیری سے منسوب ہے (مہتمم دار الیتامی بھروچ) ان کے یہاں رمضان گزارا (تقریباً دو تین سال سے رمضان وہیں گزارتیں) میری اس بہن، بہنوئی نے بھی خوب خدمت کی اور دعائیں لیں۔

حضرت مفتی صاحب کی عمرۂ رمضان کی واپسی پر ہانسوٹ میں انہی کے گھر قیام رہا، حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ بیٹوں اور بہو سب نے خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اپنی بیماری کے دوران مسلسل اکل کوا آنے کی خواہش کرتی رہیں، مجھے عبد الرحیم لینے آرہا ہے، آئے گا، میری بیٹی لے جائے گی، اس طرح کی تمنا کرتی رہیں، لیکن راستہ کی ناہمواری بیماری کی شدت اور جسم کی نقاہت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کا منشاء دور دراز کے سفر کا نہ تھا، تاہم آمد ورفت برابر جاری رہی، کبھی حضرت وستانوی مع اہلِ خانہ خبر پرسی کے جذبہ سے تو کبھی حافظ سلیمان رندیرا عیادت کے جذبہ سے تو کبھی راقمِ نادم اپنی جنت کے دیدار کے جذبہ سے آتے جاتے رہے، ایک مرتبہ تو حضرت وستانوی نے فون پر برہانی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوتے ہوئے یہ تمنا ظاہر کی کہ میں والدہ کے لیے راحت رساں امبولنس کا انتظام کرتا ہوں، والدہ کو اکل کوا لے لو لیکن یہ بھی اللہ کو منظور نہ تھا، بھائی عبد الرحمن

کی خواہش پر والدہ کو ان کے گھر ماہِ ستمبر میں لایا گیا، بھائی نے بیمار کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ ہر وارد و صادر سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور ان کے اہل خانہ اور ان کے بچوں نے اپنی پھوپھیوں، پھوپھاؤں چچا، چچیوں اور دیگر مہمانوں کی بھرپور خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔

اس بیچ ۴ر اکتوبر بروز منگل صبح صبح حضرت مفتی صاحب کا فون آیا کہ والدہ محترمہ کو بغرضِ علاجِ مزید سورت لے جایا جا رہا ہے، تم آجاؤ، چناں چہ یاس و امید کی کیفیت کے ساتھ روانہ ہوئے، منگل کو ڈاکٹروں نے خون چڑھانے کا فیصلہ کیا، میں اور میرا بیٹا خون پسینے سے سینچنے والی ماں کو خون دینے کے لیے تیار ہوئے، لیکن معالجین نے خونی رشتہ کے خون کو چڑھانے سے انکار کر دیا، لامحالہ دوسرا خون چڑھایا گیا اور علاج جاری رہا، حتی کہ بدھ جمعرات ظہر تک امید و بیم کے درمیان معالجین کی طرف رجوع کرتے رہے، جمعرات بعد نمازِ ظہر دو بجے کے بعد یکایک والدہ کی سانس تیزی سے چلنے لگی، بہنیں آبدیدہ، بھائی مغموم، چھوٹے بڑے سب ارد گرد کبھی کلمہ کی تلقین تو کبھی یاسین شریف کی تلاوت تو کبھی اللہ اللہ کے ذکر کا تسلسل کیا جا رہا ہے، اسی دوران بھائی عبد الرحمٰن نے آہستہ آہستہ کلمہ کی تلقین جاری رکھی، تو اس عاجز نے اللہ اللہ کہنا شروع کیا سب نے محسوس کیا کہ مرحومہ کا آخری دم تک ہر سانس اللہ اللہ کے ساتھ نکلا، اس کرب و اضطرار میں حضرت مفتی صاحب سے رابطہ کیا گیا، موصوف بعجلتِ ممکنہ پہنچے، رات اچھی گذری، صبح ٹھیک 7:30 بجے اللہ کی ولیہ، صالحہ، عابدہ، شاکرہ، زاہدہ بندی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

اناللہ و انا الیہ راجعون، اللھم اغفرلھا و ارحمھما و سکنھا فی الجنۃ

مشورہ کے مطابق جامعہ مظہرِ سعادت کی عالیشان مسجد کے باہر پہلی نمازِ جنازہ علماء، صلحا، اور طلباء کی موجودگی میں، رئیس جامعہ خادم القرآن حضرت وستانوی کی قیادت

وامامت میں 1:30 بجے ہوئی۔

اور دوسری نمازِ جنازہ مرحومہ کے لختِ جگر عالم کبیر، محدثِ جلیل کی امامت میں رویدرا میں 3.30 بجے ہوئی، دونوں جگہ علماء، صلحا، طلباء کا مجمع تھا، بالخصوص جانشینِ مفتی محمود الحسن گنگوہی حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری، بافیض عالمِ دین حضرت مولانا یوسف متالا، مولانا مجتبیٰ، مفتی احمد دیولہ، مولانا یوسف ٹنکاروی، مولانا احمد ٹنکاروی، مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا حسن عبداللہ، حافظ اسحٰق وستانوی، قاری نثار کرالوی، مولانا سعید وستانوی، مولانا حذیفہ وستانوی، قاری صدیق نرولی جیسی شخصیات موجود تھیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری کی مختصر تذکیر بھی ہوئی جس میں حاضرین کو اچھا جیون جینے آخرت کا استحضار رکھنے، اولاد کی حسن تربیت کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ مفتی صاحب نے یہ دعا بھی دی کہ ''مرحومہ کی دعائیں ان کی نسلوں کے لیے دائمی بن جائیں، مرحومہ کے وجود سے فتن سے حفاظت ہوتی تھی، ان کے بعد بھی حفاظت ہوتی رہے'' فجزاهم الله احسن الجزاء۔

حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قبر میں مولانا مجتبیٰ، مولانا عبیداللہ، عبدالرحیم اور مولانا عبدالرحمٰن اترے۔ تدفین ودعا کے بعد رنج ومسرت کے ملے جلے احساس کے ساتھ واپسی ہوئی کہ ماں جیسی جنت سے محرومی ہوگئی مگر وہ جنت زیرِ زمیں ہوکر جاوِداں ہوگئی۔

نوٹ: اس موقعہ پر اظہارِ تعزیت اور ایصالِ ثواب کے جذباتِ خیر کے ساتھ ہند و بیرون ہند کے مؤقر اور مبجل شخصیات نے بھی ٹیلی فون کے ذریعہ ہمدردی اور غم شریکی کا اظہار کیا، کسی نے اپنے اپنے ادارہ کے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ مل کر قرآن خوانی کا اہتمام والتزام کیا اور بہت سوں نے تعزیت ناموں کے ذریعہ اظہارِ ہمدردی کی، سبھی محبین کو دل کی گہرائیوں سے شکریہ کے ساتھ بطور نمونہ چند مؤقر اداروں کے تعزیت نامے نظرِ قارئین کئے جاتے ہیں۔

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی زید مجدہم
استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں محترم کی والدہ ماجدہ صاحبہ کی وفات کی خبرسن کر رنج وغم ہوا"انا للہ وانا الیہ راجعون، اللّھم اغفرلھاوارحمھاوسکنھافی الجنۃ"۔

ماں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے، ماں دعاؤں کا خزانہ ہے، ماں پیار ومحبت کا سرچشمہ ہے، دنیا میں ماں باپ کی جدائی اولاد کے لیے سب سے بڑے صدمہ کی بات ہے، ماں باپ کا فراق اوران کا دنیا سے رخصت ہونا اولاد کے لیے زمین وآسمان کے ٹوٹنے سے زیادہ شاق ہے، آں جناب اور آں جناب کے تمام بھائی بہن اس صدمہ سے دوچار ہوئے ہیں، والدہ مرحومہ نے آپ حضرات کوخوب چاہت عطا کی لمبی عمر پائی آپ کی ترقیات اور کامیابیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خوش ہوئیں، آپ کی اولاد کو بام عروج پر دیکھ کر مطمئن ہوئیں، آپ سب اور آپ کی خدمات ان کے لیے ثواب جاریہ اور ذخیرہ آخرت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں داخلہ اولین نصیب فرمائیں پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین دارالعلوم سونوری اور ہم سے متعلق جو مدارس ہیں، ان میں آپ کی والدہ صاحبہ کے نام سے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، نیز دارالعلوم سونوری کا ہر فرد آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

مفتی محمد روشن شاہ قاسمی

مہتمم دارالعلوم سونوری

باسمہ تعالیٰ

محترمی و مکرمی.............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد تسلیمات! آں محترم کی والدہ محترمہ کے انتقال کی خبر دل پر بجلی بن کر گری، تھوڑی دیر کے لیے سکتہ میں چلا گیا، بہت ہی رنجیدہ اور افسردہ ہوا۔

اناللہ و انا الیہ راجعون۔اللّٰھم اغفر لھاوارحمھاو سکنھافی الجنة

ماں بہت ہی نیک، صالحہ، عابدہ، زاہدہ، شاکرہ اور صابرہ خاتون تھیں، ذکر و تلاوت میں رطب اللسان رہتیں، ہرا بھرا گھر سر سبز و شاداب خاندان کو دیکھ کر مسرور رہتیں، ایمان اسلام اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزاری، آخری ایام: زندگی کا ماحصل ہوتے ہیں، تو ان میں اللہ تعالیٰ نے رفع درجات اور بلندئ مراتب اور سیئات کو مبدل بحسنات کرنے کا سامان مہیا فرمایا۔

اللّٰھم اکرم نزلھاو ارفع درجاتھافی الجنة، آمین!

درحقیقت بچہ کے دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے اسے ماں سے سابقہ پڑتا ہے، ماں پیار اور ممتا سے، بچہ کو گلے لگاتی ہے سینہ سے چمٹاتی ہے چمکارتی ہے، بچہ کے لیے ماں دنیا کی سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے، ماں خدا کا انمول تحفہ اور وردان ہے، ماں کی وجہ سے اولاد کی دنیا رنگین تابناک، گل وگلزار اور پر بہار ہوتی ہے، ان کی زندگی خوشیوں، مسرتوں، فرحتوں اور شادمانیوں سے بھری ہوتی ہے، ماں کی ممتا کے سایہ میں بچے پلتے، بڑھتے اور پروان چڑھتے جاتے ہیں، ساتھ ہی ماں کی دعائیں ہر پل، ہر لمحہ اولاد کے ساتھ ہوتی ہیں، بچے کہیں جاتے ہیں، تو ماں انتظار کرتی ہے، بچوں کے لیے بے چین اور بیکل ہوتی ہے، بغیر بچوں کے اسے کھانا پینا اچھا نہیں لگتا، بچوں کے لیے ہر قربانی، ہر مجاہدہ اور ہر تکلیف برداشت کرنے کے لیے ماں ہر وقت تیار رہتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے **وقضی ربک** میں اور اللہ کے رسولؐ نے **الجنة تحت اقدام الامھات** میں ماں باپ کی شانِ یکتائی، شانِ عظمت و رفعت کو بیان فرمایا۔

ماں دعاؤں کا خزینہ ہے، ماں ممتا کا سمبول ہے، ماں پیار کی علامت ہے، ماں عظمت کا نشان ہے، ماں انمول خزانہ ہے، ماں دنیا کی بے بدل، بے مثال اور لاجواب ہستی ہے،

ماں باپ کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں ہے۔آج آپ کی والدہ ماجدہ صاحبہ آپ سے رخصت ہوگئیں،اس دنیاسے پردہ فرما گئیں اللہ کے دربار عالی میں حاضر ہوگئیں،محرم کا مہینہ،جمعہ کا دن،صبح کی گھڑی،علماءکرام،وارثین انبیاءاورمہمانان رسول کا جم غفیر نماز جنازہ میں شریک وسہیم دوجگہ نماز جنازہ ہوئی،یہ سب ان کے لیے ہوئے،بڑے بیٹے نے نماز جنازہ پڑھائی، چھوٹے بیٹے نے دعافرمائی اور درمیان والےسب کوسنبھالتے رہے۔

والدہ ماجدہ کے عالم،حافظ،قاری،داماد،بیٹے،پوتے،نواسے کثیر تعداد میں اپنی ماں دادی،نانی،ساس،خالہ؛اپنے خاندان کی مریم باعصمت،برگزیدہ ہستی،مرجع وماویٰ کوان کی آخری منزل کی طرف رخصت کرنے جمع ہوئے،تلاوت،دعا،مناجات نماز کے ذریعہ اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے،درجات کو بلند فرمائے،آمین! آں محترم نے والدہ ماجدہ کی خوب خدمت کی،رات دن ایک کرکے ان کی صحت وعافیت کے لیے کوشاں رہے،ایک فرماں برداراور خدمت گزار بیٹے کا کردارادا کرکے ماں کی دعاؤں اور جنت کے حصول کا مستحق ہوئے،ایسے مواقع قسمت والوں ہی کو ملتے ہیں۔

لیکن کل نفس ذائقۃالموت کا فرمان سب کے لیے ہے،کسی کواس سے مفر نہیں،ہرایک کواسی ڈگر سے گزرنا ہے،موت سے بچنے کی نہ کوئی دوا ہے نہ دعا ہے نہ علاج ؎

آج ان کی کل ہماری باری ہے　　　موت سے کس کو رستگاری ہے

ہمیں اللہ تعالیٰ اسلام پرزندہ رکھے،ایمان پرخاتمہ فرمائے۔آمین!

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کوصبر جمیل عطافرمائے۔آمین!میرے تمام اہل خانہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں،دعاگو ہیں،ماں کی ملاقاتیں اور باتیں خوب یادکررہے ہیں،ماں کے لیے ایصال ثواب،کارخیراور دعائیں ہی قیمتی سرمایہ ہیں،دعوات صالحہ میں یادفرمائیں۔

والسلام آپ کا خیرخواہ جمیل احمد ندوی

چشتی نگر،پانی کی ٹانکی کے پاس ہتھورن روڈ،کوسمبا،آر،ایس،مانگرول سورت

60

محترمی ومکرمی، مشفق ومربی، محسن قوم وملت استاذ الاساتذہ
حضرت مولینا عبدالرحیم صاحب فلاحی دام فیوضکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

خدا کرے ''میرے حضرت'' بعافیت ہوں، بندہ بھی آپ کی مخلصانہ توجہات اور دعاؤں کی بدولت خیریت سے ہے۔

بعد التحیۃ المسنونۃ! گذارش خدمت کہ چند ایام قبل خبر موصول ہوئی کہ آپ کی والدہ محترمہ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئیں، خبر ملتے ہی انتہائی صدمہ ہوا اور والدہ کے انتقال پُر ملال کے سبب عدم زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہ ہونے پر آپ کے مغموم ومحزون ہونے کا احساس ہوا لیکن ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ کر دل کو تسلی دی ناچیز مع رفقاء آپ کے غم میں شریک ہے اور تعزیت کرتا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور جملہ پسماندگان بالخصوص آں محترم کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور جملہ خاندان کو بحق والدہ صدقہ جاریہ بنائے۔

حضرت! دکھ کے ساتھ خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی والدہ خوش نصیب اور جنتی ہیں کہ جن کے خاندان میں نسل در نسل حفاظ اور علماء ہوں، اللہ تعالیٰ تمام کو بحق مرحومہ صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

ناچیز اور چھوٹے بچے کو اپنی آہِ سحر گاہی میں یاد فرمائیں اور موقعہ بموقعہ رہنمائی و تربیت فرماتے رہیں گے فجزاك الله احسن الجزاء

محتاج تربیت ودعاء
افتخار احمد عفی عنہ اشاعتی
تحریر الصدر مورخہ ۱۱/۱۰/۲۰۱۶

شجرۂ علمی

گلشنِ محمدی/ وادیٔ مریم کے علمی شگوفے

بیٹے، پوتے

شمار	لیاقتِ علمی				اسمائے گرامی
	حافظ	قاری	عالم	مفتی	
۱	حافظ	قاری	عالم	مفتی	عبداللہ بن محمد پٹیل
۲	// //	// //	// //	....	عبدالرحیم // // // //
۳	// //	// //	// //	....	عبدالرحمٰن // // // //
۴	// //	// //	// //	مفتی	عبیداللہ بن عبداللہ پٹیل
۵	// //	// //	// //	// //	عبیدالرحمٰن // // // //
۶	// //	// //	// //	....	عبیدالحق // // // //
۷	// //	// //	// //	....	عبیدالحی // // // //
۸	// //	// //	// //	مفتی	عبیدالرحیم // // // //
۹	// //	// //	// //	....	عبیدالرؤف // // // //
۱۰	// //	// //	زیرِ تعلیم	....	عبیدالباسط // // // //
۱۱	// //	// //	// //	....	عبیدالہادی // // // //
۱۲	// //	// //	عالم	مفتی	محمد ریحان بن عبدالرحیم پٹیل
۱۳	زیرِ تعلیم	زیرِ تعلیم	....	....	محمد ریان // // // //
۱۴	// //	// //	....	....	محمد رضوان // // // //
۱۵	حافظ	قاری	عالم	....	عبادالرحمٰن بن عبدالرحمٰن پٹیل
۱۶	// //	// //	زیرِ تعلیم	....	عباداللہ // // // //

داماد

شمار	لیاقتِ علمی				اسمائے گرامی
۱	حافظ	قاری	عالم	مفتی	احمد لولات بن ابراہیم لولات
۲	....	....	// //	....	مولانا غلام محمد بن اسماعیل رندیرا
۳	حافظ	قاری	....	....	حافظ سلیمان بن اسماعیل رندیرا
۴	// //	// //	عالم	....	ایوب مانجرا بن اسماعیل مانجرا
۵	// //	// //	....	....	یعقوب بن اسماعیل قاضی
۶	// //	// //	عالم	....	اویس بن حافظ محمد حسین

نواسے

شمار	لیاقتِ علمی				اسمائے گرامی
۱	حافظ	قاری	عالم	مفتی	مجتبیٰ بن احمد لولات
۲	// //	// //	// //	....	زکریا // // //
۳	// //	// //	// //	مفتی	یحییٰ // // //
۴	// //	// //	....	....	اسامہ بن فرید گنگات
۵	// //	// //	....	....	عمیر // // //
۶	// //	// //	عالم	....	سعید احمد بن غلام محمد رندیرا
۷	// //	// //	// //	....	محمد حذیفہ // // //
۸	// //	// //	// //	....	محمد اویس // // //
۹	// //	// //	// //	....	بنیامین بن سلیمان رندیرا

١٠	....	// //	// //	....	معوذ // // //
١١	....	....	زیرِ تعلیم	....	صدیق // // //
١٢	حافظ	....	....	....	حسان // // //
١٣	زیرِ تعلیم	....	....	....	حمزہ // // //
١٤	// //	....	....	....	اسماعیل مانجرا بن ایوب
١٥	حافظ	....	....	....	اسعد بن یعقوب

پوتے داماد اور پوتیوں کی اولاد

شمار	لیاقتِ علمی				اسمائے گرامی
١	حافظ	قاری	عالم	مفتی	اویس
٢	// //	// //	// //	....	سفیان
٣	// //	// //	// //	مفتی	انیس
٤	// //	// //	// //	// //	عبیداللہ
٥	// //	// //	// //	....	اسماعیل
٦	....	....	// //	....	اسعد
٧	حافظ	قاری	// //	مفتی	عبیدالرحمٰن
٨	// //	// //	// //	// //	فضیل
٩	// //	....	....	....	اسعد بن اویس
١٠	زیرِ تعلیم	....	....	....	عمر // // //
١١	// //	....	....	....	محمد بن سفیان

نواسے داماد

شمار	لیاقتِ علمی				اسمائے گرامی
۱	حافظ	قاری	عالم	مفتی	اسماعیل
۲	// //	// //	// //	....	الیاس
۳	// //	// //	// //	....	ارشد میر
۴	// //	// //	// //	....	اسماعیل
۵	// //	// //	// //	....	حنیف
۶	// //	// //	....	....	احمد
۷	// //	// //	عالم	....	سید حبیب مدنی
۸	// //	// //	// //	....	اسجد
۹	// //	// //	// //	....	محمد علی
۱۰	// //	// //	// //	....	خالد
۱۱	// //	// //	....	....	ایوب
۱۲	// //	// //	عالم	....	اسامہ
۱۳	// //	// //	// //	....	آدم
۱۴	// //	// //	// //	....	اویس
۱۵	// //	// //	// //	مفتی	محمد شوکت
۱۶	// //	// //	// //	// //	محمد زبیر

نواسوں کے بیٹے اور بیٹیاں

لیاقتِ علمی					اسمائے گرامی
شمار	حافظ	قاری	عالم	مفتی	☆☆☆☆☆☆☆
۱	// //	// //	زیرِ تعلیم	....	منتقی بن مجتبیٰ
۲	// //	// //	// //	....	احمد // //
۳	زیرِ تعلیم	....	....	....	عبدالفتاح // //
۴	// //	....	....	....	حماد بن زکریا
۵	// //	....	....	....	حبیب اللہ بن یحییٰ
۶	// //	....	....	....	محمد بن سہیل
۷	// //	....	....	....	سعد // //
۸	// //	....	....	....	سلمان // //
۹	....	....	زیرِ تعلیم	....	خزیمہ بن سعید احمد
۱۰	حافظ	قاری	// //	....	خباب // //
۱۱	زیرِ تعلیم	....	....	........س	حمزہ بن حذیفہ
۱۲	// //	....	....	....	حنظلہ // //
۱۳	// //	....	....	....	محمد بن بنیامین

نواسیوں کے بیٹے اور بیٹیاں

لیاقتِ علمی					اسمائے گرامی
شمار	حافظ	قاری	عالم	مفتی	☆☆☆☆☆☆☆
۱	// //	// //	زیرِ تعلیم	....	زبیر بن الیاس
۲	// //	// //	// //	....	زکریا // //
۳	// //	// //	// //	....	رشید احمد بن ارشد میر

۴	زیرِ تعلیم	......	......	......	علی احمد // //
۵	// //	......	......	......	سہیل بن اسماعیل
۶	حافظ	قاری	......	......	فیصل بن الطاف
۷	زیرِ تعلیم	......	......	......	زید بن حنیف
۸	حافظ	قاری	......	......	عمار بن احمد
۹	زیرِ تعلیم	......	......	......	فیضان بن ایوب
۱۰	// //	......	......	......	فرحان // //
۱۱	حافظہ	قاریہ	......	......	اسماء بنت ادریس
۱۲	// //	// //	......	......	بشریٰ بنت ارشد میر
۱۳	// //	// //	......	......	ذکریٰ // //
۱۴	زیرِ تعلیم	......	......	......	زینب بنت الیاس
۱۵	// //	......	......	......	سمیہ // //
۱۶	// //	......	......	......	صفیہ // //
۱۷	......		......	......	عالیہ بنت اسماعیل
۱۸	......		......	......	عفیفہ // //
۱۹	زیرِ تعلیم	......	......	......	مرضیہ بنت محمد علی

والدۂ محترمہ نے اپنی وفات کے وقت بطور صدقۂ جاریہ ۸۷/حفاظ ۶۱/قراء ۵۲/ علماء اور ۱۵/مفتیان کرام چھوڑے۔ جن میں سے ۶۳/حفاظ ۶۱/قراء ۴۳/علماء اور ۱۵/ مفتیان کامل ومکمل ہیں، جب کہ ۲۴/حفاظ اور ۹/علماء زیرِ تعلیم ہیں۔

☆	تعداد حفاظ	تعداد قراء	تعداد علماء	تعداد مفتیان
کامل	۶۳	۶۲	۴۴	۱۶
زیرِ تعلیم	۲۴	......	۹	......

مقالات و مضامین

مختلف مواقع ومناسبات پر لکھی ہوئی پُرمغز
تحریریں، فقہی مسائل اور ہدایات

……حضرت وستانوی کی لاڈلی بیٹی کی رخصتی پر ایک قلبی تأثر……

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ O(الحشر ۹) **لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون** O(ال عمران) **ان الابرار لفی نعیم** O(الانفطار ۱۳)

حضرتِ وستانوی کی کتابِ زندگی کا ایک تابناک ورق:

دنیا میں انسان آیا ہے تو بامقصد زندگی لے کر آیا ہے، ہر فردِ بشر میں اپنے ہدف اور نشان سے پیار کرنے کا اور اپنے لمحات حیات کو بامراد بنانے کا ایک جذبہ، داعیہ، ولولہ کارفرما ہے، لیکن جب تک کسی کے جذبہ، ولولہ کے ساتھ تین چیزوں کی آمیزش نہیں ہوتی وہاں تک کوئی شخص کامیاب اور بامراد منزل کو نہیں پہنچ سکتا۔

(۱) اخلاص فی العمل اور جذبۂ رضاءِ الٰہی۔ (۲) سعی پیہم، اور جہدِ مسلسل۔

(۳) ایثار اور قربانی، جب یہ تین چیزیں جمع ہوتی ہیں تو کوئی پائیدار اور یادگار نتیجہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

حضرت وستانوی کی بیٹی کی کل گذشتہ رخصتی ہوئی، ایسی بیٹی جو چھوٹی بھی، پیاری بھی، خدمت گذار بھی اور اپنے باپ کے لیے ہر جہت سے سامانِ تسلی بھی، لیکن وستانوی کے ایثار پر لاکھوں سلام کہ باپ غلام وستانوی جامعہ کے تقاضہ پر رختِ سفر باندھ کر برطانیہ اور پناما کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں اور بیٹی اپنا سر مشفق باپ کے کاندھوں پر ڈال کر رحمت اور شفقت کی چمکار کی بھیک مانگ رہی ہے، اور زبانِ حال سے یہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے میرے اچھے پیارے ابا! زندگی کی ڈور کو آپ نے دین متین کے لیے ایسا نچھاور کر رکھا ہے کہ آپ کی لختِ جگر، جگر پارہ اپنی شفقت و رحمت والی والدہ سے داغِ مفارقت لے رہی ہے، ماں کی ممتا اور باپ کی شفقتوں سے دور ہو رہی ہے، رخصتی کے وقت ابا بیٹی کے سر پر شفقت کا ہاتھ کون پھیرے گا؟

ابا سیکڑوں رشتہ دار کی بھیگی بھیگی آنکھوں کے درمیان میرے فکر وخیال کی آنکھیں اور میرے آنسوؤں کی لڑیاں میرے مہربان اور شفیق باپ کو تلاش کر رہی ہیں، میں اپنی بہنوں سے لپٹ لپٹ کر الوداع کہہ رہی ہوں کبھی اپنی مہربان ماں سے چمٹ چمٹ کر رخصتی چاہ رہی ہوں، کبھی بزرگ نانی سے دعاؤں بھری بلائیں لے رہی ہوں کبھی اپنے بھائیوں سے تو کبھی اپنے بھابھیوں سے ماضی کی نادانیوں پر معذرت چاہ رہی ہوں کبھی چچا چچی سے مل کر کبھی ماما ممانیوں سے اپنی نئی زندگی کے لئے عافیت کی دعائیں لے رہی ہوں اور دوسری طرف میری سہیلیاں مجھ کو سہلا سہلا کر غم غلط کرنے کی تلقین کر رہی ہیں، مگر ــــ

نگاہ شوق میں یہ کون پھر رہا ہے ابھی کسے تلاشتی پھرتی ہیں مضطرب آنکھیں

ایسے صبر آزما غمِ فرقت کے موقع پر میں تلاش کر رہی ہوں اپنے باپ کو، ہاں ہاں اپنے اس باپ کو جسے ہزاروں مسکین بیٹیوں کا سہارا بننے کا شرف حاصل ہے، ہاں وہ سعادت مند باپ جس کو سینکڑوں بیٹیوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کی سعادت نصیب رہی، ابا میرے پیارے ابا! مجھے یقین ہے کہ آپ نے لاکھوں کی زندگی بنانے کے لیے اپنی بیٹی کی رخصتی کو قربان کر کے رختِ سفر باندھا ہے، میرے ابا! اللہ آپ کو عزتوں اور رفعتوں کے بلند مقام پر پہنچائے، میرے ابا آپ کو اللہ صحتِ دائمی نصیب فرمائے، میرے ابا آپ سے اللہ راضی ہو جائے، ابا آپ کی خوشی میری خوشی، میں آپ کی مرضی کو اللہ کی مرضی سمجھ کر سرِ تسلیم خم کرتی ہوں، لیکن میرے ابا مجھے یہ تصور رہ رہ کر تڑپاتا ہے کہ، اب آپ گھر میں داخل ہو کر پیار بھرا سلام کرنے کے لیے اپنی لاڈلی کو تلاش کریں گے، میرے ہاتھ آپ کے پیر سے موزے نکالنے کے لیے کس کو ٹٹولیں گے، میرے خادمِ قرآن باپ کو دوا پلانے انجکشن لگانے، کپڑے ترتیب دینے، صدری پہنانے کے لیے بہت خدام دستیاب ہو جائیں گے، لیکن ابا! آپ کو اپنی لاڈلی بیٹی کی والہانہ خدمت سے تسکین دل اب کہاں میسر ہوگی؟

55

ہاں! مہرباں تو اور بہت ہوں گے میرے بعد
جس سے سکون دل کو ملے وہ کہاں ہوگا؟

ابا میرے لیے دعا کرنا کہ میں اپنے رفیقِ حیات کے لیے سامانِ راحت بنوں اپنے سرتاج کے گھرانے کے لیے ایک خدمت گذار ثابت ہوں، ادھر باپ ہوتو ایسا خیر کم خیر کم لاھلہ کا مصداق، گھر کے باہر یہ باپ ایک ایک لمحہ دوسروں کے لیے سامان راحت بڑے بڑے دانشور اور منتظمین اپنی الجھی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے اور وستانوی صاحب سے فکرمندانہ گفتگو کرنے کے لیے قطار در قطار لیکن گھر کے اندر آتے ہی ایک سدا بہار شخصیت بیٹیوں کے لیے، بیٹوں کے لیے ایک مشفق باپ، پوتوں اور نواسوں کے لیے ایک مثالی دادا اور نانا، بھائیوں کے لیے ہمدرد وغمگسار، بھتیجے اور بھتیجیوں کے لیے ایک رہبر ورہنما، سسرالی رشتہ داروں کے لیے ایک مخلص مشیر، غرض ہر اعتبار سے اہل خانہ اور اہل قرابت کے لیے خیر کم خیر کم لاھلہ (ترمذی) کا مصداق، وہ آج سات سمندر پار یورپ میں اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت ہر رسم ورواج سے بالاتر ہوکر اپنے خالق سے محوِ گفتگو ہے کہ اے میرے مولیٰ تو شاہد ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ ہمدردی کے جذبات نچھاور کرنے پر دینِ متین کے تقاضوں کو ترجیح دی ہے، اے میرے مولیٰ اگر میں نے تیری رضا کے جذبہ سے ایسا کیا ہے تو مولیٰ تو میری بیٹی کے لیے راضی ہو جا، اس کے دل سے اس کے والد کی دوری کے احساسات کو ختم فرما، مولیٰ میری بیٹی کو ہمت، استقامت نصیب فرما، اس کے شوہر کے لیے ایک بہتر رفیق حیات بنا، اس کی نسلوں سے دین کے داعی اور اسلام کے محافظ پیدا فرما۔ (آمین)

یہ ایک احساسات سے لبریز قلبی تاثر تھا جس کو سن کر طلبہ بے انتہا متاثر ہوئے اور رئیسِ جامعہ کے ایثار کو آئیڈیل بنا کر ان کے نقش قدم پر چلنے کے عہد و پیمان کے ساتھ رخصت ہوئے۔ طرفین کے جذبات کا عکاس! مارچ ۲۰۱۳ء جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

......مسابقۃ القرآن......

ساتویں کل ہند مسابقۃ القرآن الکریم کی اختتامی نشست

جامعہ اکل کوا کی علمی قرآنی روحانی سرزمین پر ۷/رواں کل ہند عظیم الشان مسابقۃ القرآن اختتام پذیر، مکہ اور سعودی عرب سے دکتور شیخ عبداللہ بصفر، شیخ داؤد علوانی، شیخ موسیٰ بلال، شیخ طلحہ بلال اور افریقہ سے مولانا عبدالقادر ملک پوری کی شرکت۔

دینی وعصری علوم کا حسین امتزاج اور مرکزی اسلامی دانش گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں منعقدہ ساتویں کل ہند مسابقۃ القرآن الکریم کا اختتامی وانعامی اجلاس آج ۱۵/ اپریل ٹھیک دس بج کر دس منٹ پر شروع ہوا، اور ٹھیک ایک بج کر ۱۵/ منٹ پر صدر محترم، رئیس المسابقات حضرت خادم القرآن مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کی دعا پر اختتام پذیر ہوا، اپنی نوعیت کے اس منفرد اور انوکھے مسابقہ میں ملک بھر کی ۲۲/ ریاستوں کے ۲۷/سینٹر وزون کے ۲۰۰/مدارس کے ۳۱۳/طلبہ نے شرکت کی، جس میں حفظ قرآن، قراءت وترتیل، اور حفظ خطبات جمعہ، تفسیر قرآن وحفظ حدیث کا نادر المثال مظاہرہ ہوا۔

حضرت وستانوی کے منشاء اور چاہت کے مطابق یکم مارچ سے لے کر یکم اپریل تک ریاستی پیمانے پر مسابقات ہوئے، جن میں اساتذۂ جامعہ وفروعاتِ جامعہ نے بطور حکم کے خدمات انجام دیں، ان مسابقات سے منتخب ہو کر ۳۱۳/طلبہ نے فائنل مسابقہ میں شرکت کی۔

اس کل ہند پیمانے پر ہونے والے مسابقہ میں مکمل قرآن کے گروپ میں اول دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو، جدہ سے تشریف لانے والے الهیئۃ العالمیہ کے سربراہ اور

سکریٹری جناب دکتور عبداللہ البصفر کی طرف سے سفر عمرہ اور زیارتِ مسجد نبوی کا اعلان بطور انعام کیا گیا، اور دیگر پانچ فروعات میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے خوش نصیب طلباء کو جناب عبد القادر ملک پوری حفظہ اللہ (بوتسوانا افریقہ) کی طرف سے عمرہ کا اعلان کیا گیا، جب کہ جامعہ اکل کوا کے خیر خواہ جناب مولانا یونس رندیرا کی طرف سے ممتاز آنے والے طلبہ کو 25,000/15,000/10,000 روپئے کا انعام پیش کیا گیا۔

اس کے علاوہ ہر فرع کے شرکاء کو بھی 1500/1500 روپئے نقد انعام اور 400/400 روپئے مصارفِ محلیہ کے طور پر دیئے گئے، اس سہ روزہ مسابقۃ القرآن کا روح پرور منظر قابل دید ہی نہیں بل کہ قابل تقلید بھی تھا۔

اختتامی تقریب میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشریف لانے والے علماء کرام نے اپنے اپنے تأثرات پیش فرمائے اور خادم القرآن کی طرف سے ہونے والی اس ملک گیر قرآنی تحریک کو نہ صرف مدارس کے لیے مفید قرار دیا، بل کہ ان مسابقات کو ضلعی اور ریاستی پیمانے پر منعقد کرانے کا شدت سے مطالبہ کیا۔

راجستھان سے تشریف لانے والے مولانا رحمت اللہ صاحب نے تحریکِ مسابقات کو استحکامِ تعلیم کا مفید ذریعہ قرار دیا اور فرمایا کہ ہمارے صوبۂ راجستھان میں جب مسابقتی شکل میں حضرت خادم القرآن نے توجہ فرمائی، تو ہمارے مدارس کی تعلیم میں نکھار آیا، اور مدارس میں مجود اساتذہ کا تقرر شعبہ حفظ میں کرنے لگے۔

بہار سے تشریف لائے ہوئے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب نے بڑے جذبات اور جوشیلے انداز میں فرمایا کہ جامعہ اکل کوا کی مبارک سرزمین سے اٹھنے والی اس تحریک مسابقات نے وہ تعلیمی انقلاب برپا کیا جو ایک صدی سے زائد پرانی درس گاہ نہ کرسکی، اور حضرت وستانوی کو تعلیمی میدان کا مردِ مجاہد قرار دیا۔

نیز مسابقہ کے جج اور حکم، مفسر قرآن مولانا انیس آزاد قاسمی بلگرامی صاحب نے بڑے عالمانہ وفاضلانہ انداز میں علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ (صاحب روح المعانی) کے حوالے سے تعلیمِ کتاب (جو نبی کا فرضِ منصبی ہے) اس کی تفسیر میں فرمایا کہ "تعليم الكتاب أي يفهم ألفاظه "یعنی نبی نے الفاظ قرآنیہ کی تفہیم تعلیم کتاب اپنی امت کو کرائے، اور دوسری تفسیر علامہ آلوسی نے یہ کی: "ويبين لهم كيفية أدائه "یعنی یہ بھی نبی کا فرضِ منصبی ہے کہ نبی تفہیم کتاب کے ساتھ ساتھ کیفیتِ ادا کی تعلیم بھی اپنی امت کو دیں۔

اس حوالہ سے حضرت وستانوی، خدمتِ قرآنی کے لیے گویا وارثِ نبی ہونے کے ناطے تعلیم کتاب کا ایک اہم حصہ ہیں، نیز ارشاد فرمایا کہ: ﴿ويزكيهم﴾ کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے کل تین تفسیر فرمائی ہیں، نبی صحابہ کا تزکیہ کرتے ہیں:

۱) فإن النبي صلى الله عليه وسلم يطهّر قلوب الصحابة عن العقائد الباطلةوعن الاشتغال بغيرالله۔

۲) فإن النبي صلى الله عليه وسلم يطهّرنفوس الصحابة عن الأخلاق الرذيلة۔

۳) فإن النبي صلى الله عليه وسلم يطهّرأبدان الصحابة عن الأنجاس والأعمال القبيحة۔

اس کے ضمن میں فرمایا کہ ہر عضو کا عمل قبیحہ جداگانہ ہوتا ہے، زبان کے اعمالِ قبیحہ میں ایک عمل قرآن کی غلط تلاوت ہے۔ اس تحریکِ مسابقات کے ذریعے تصحیح قرآن کا عظیم فریضہ مثبت انداز میں پیش کر کے اللہ کے کلام کو صحیح پڑھنے پڑھانے کا عام ذوق بن رہا ہے، جس کا سہرا میرے شیخ حضرت وستانوی کے حصہ میں آتا ہے، اللہ حضرت والا کو عمر نوح نصیب فرمائے اور ہم سب کو خدمتِ قرآنی کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

اس کے بعد بہت اہم تأثر پیش کیا بھوپال (ایم پی) سے تشریف لانے والے جناب مفتی رحیم اللہ خان صاحب قاسمی نے، انھوں نے اپنے تأثرات میں اہم بات یہ فرمائی کہ رابطہ بین المدارس اور اخذ المحاسن یعنی ایک دوسرے کی علمی اخلاقی تربیتی خوبیوں کو اخذ کرنے کا اس مسابقہ سے بہتر کوئی اور دوسرا طریقہ میری سوچ کے مطابق نہیں ہو سکتا، مزید فرمایا کہ ریاستی مسابقہ کے موقع پر ہم نے ایم پی کے ایسے ایسے اضلاع کا دورہ کیا جہاں لوگ نام کے مسلمان ہیں، جس سے ہمارے دل میں ان کے بچوں کی تعلیم قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی۔

علی گڈھ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے صدر جناب مفتی زاہد علی خان صاحب نے اہمیت وعظمتِ قرآن اور صحتِ قرآن کو اجاگر کرتے ہوئے، حضرت وستانوی کی اس تحریک کو مجددانہ کارنامہ سے تعبیر فرمایا۔

بنگال کے مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری نے بنگال میں حضرت خادم القرآن کی خدماتِ قرآنی کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ اس انقلابی تحریک نے نظماء، علماء اور طلباء سب کو متحرک کر دیا۔ اس طریقہ سے

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

قلتِ وقت کی بنا پر نہ چاہتے ہوئے بھی تأثراتی سلسلے کو روک کر میزبان محترم مؤسس جامعہ نے بڑے پرتپاک انداز اور رقت آمیز لہجہ میں مسابقہ کے اختتام پر ربِ کریم کا شکر ادا کیا، اور مہمانان گرامی قدر، بالخصوص دکتور شیخ عبداللہ بصفر، شیخ داؤد علوانی شیخ موسیٰ بلال، شیخ طلحہ بلال مولانا عبدالقادر ملک پوری، مفتی فیض الوحید، قاری عبدالرؤف اور قاری عبداللہ کلیمی وغیرہ مہمانانِ کرام کا جذبہ تشکر وامتنان سے معمور ہو کر شکریہ ادا کیا، اور سب سے پہلے شیخ دکتور عبداللہ بن علی بصفر کو دعوتِ خطاب دی گئی۔

شیخ عبداللہ بصفر نے مدلل ومحقق اور استحضار روایات کے ساتھ سلیس انداز میں عربی میں خطاب کیا، اور جامعہ کے نوجوان فاضل مدیر تعلیمات جناب مولانا حذیفہ سلمہ الرحمٰن نے بڑے دلکش انداز میں اس کا ترجمہ کیا، شیخ نے اپنے کلیدی اور پر مغز خطاب میں ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کا یہ علمی اور قرآنی روح پرور سفر میری زندگی کا یادگار سفر ہے اور یہاں کے علماء وصلحاء سے مل کر جس چیز نے سب سے زیادہ مجھے متأثر کیا وہ یہاں کے علماء کا تواضع ہے، اور اسی تواضعِ علماء نے ہندوستانی علماء کو رفعت کی بلندیوں پر پہنچایا ہے، سچ ہے ''من تواضع لله رفعه الله'' (مسند احمد بن حنبل)۔

فرمایا کہ علماء ہند کے بے تاج بادشاہ شیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی جب ہماری مسجد شعمی میں تشریف لاکر خطاب فرماتے، تو بڑے بڑے علماء وادباء کا سر مارے شرم کے جھک جاتا، لیکن اس جبل العلم کی سادگی سے سب محو حیرت ہوتے، نیز فرمایا کہ اتنا بڑا جامعہ جس نے ایک مکمل یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی، ہم نے فلک بوس عمارتیں اور وسیع ترین بلڈنگیں دیکھ کر یہ تصور بنالیا تھا کہ اتنے بڑے ادارہ کا مؤسس اور رئیس کا مکتب (آفس) کتنا عالی شان ہوگا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب مکتب میں پہنچا، نہ اعلیٰ ترین کرسیاں نہ لوازماتِ مکتب، بل کہ چٹائی اور فرش پر ایک آدمی کی مسند لگی ہوئی تھی اس تواضع اور سادگی نے اس ادارے کو بام عروج پر پہنچایا ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم سب تکریم حفاظ کے لیے جمع ہیں، یہ وہ گروہ ہے کہ ان کا اکرام دنیا میں ہم کریں نہ کریں، ان کے والدین کو تاج پہنا کر اللہ تعالیٰ اکرام کریں گے، اور ایک حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس مسابقہ میں معصوم، ننھے منے بچوں نے شرکت کی، حدیث پاک میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: جو بچہ بچپن میں تکمیل حفظِ قرآن کر لیتا ہے، اس کی نشو ونما نورِ الٰہی، نورِ قرآنی سے اللہ کرتا ہے، اس لیے بچپن کی تحفیظ خود ایک معجزۂ قرآنی ہے۔

اہمیتِ تجوید کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں نے حفظ مکمل کیا تو بہت خوش تھا کہ اب ہم کامل ہو گئے ہیں، لیکن وقت کے قاری کے پاس پہنچا، تو انہوں نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ سناؤ، تو مجھے تعجب ہوا کہ مجھ سے سورۂ فاتحہ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، میں تو حافظ ہوں، لیکن تعوذ میں چار غلطیاں نکالیں، جس سے اندازہ ہوا کہ تلاوت مع التجوید کتنی اہم ہے، اجازتِ تجوید کے لیے چار سال کا طویل وقت لگا، اس دوران ایک عجیب واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مشقِ بسیار اور تمرینِ مسلسل کے باوجود ''راء'' کا مخرج کما حقہ ادا نہیں کر پاتا تھا، تو ایک دن شیخ سے عاجزانہ انداز میں کہا کیا کروں؟ تو شیخ نے فرمایا ''کعبۃ اللہ جاؤ اور حطیم کعبہ میں میزابِ رحمت کے نیچے اللہ تعالیٰ سے اداءِ ''را'' پر مدد طلب کرو، چناں چہ استاذ محترم کی ہدایت پر عمل کیا، تو میری را کی ادائیگی صحیح ہو گئی۔

نیز شیخ نے فرمایا کہ تجار، فرید و اقبال کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے معلوم کرو کہ، ہے کوئی تجارت جس میں ایک کے دس، یا ایک کے سو ملتے ہوں؟ اشتغال بالقرآن درحقیقت ''تجارۃ لن تبور'' یعنی بے بدل تجارت ہے، نیز فرمایا کہ ہندوستان میں اجازتِ حدیث و سندِ حدیث کا سلسلہ تو جاری ہے، لیکن سندِ حفظِ قرآن کا سلسلہ مفقود ہے اس کو جاری کرنا چاہیے، ہم نے جامعہ کو قریب سے دیکھا ہے، ہندوستان کے مدارس سے ہم متاثر ہیں، ہمارا علمی تعاون آپ کے ساتھ جاری رہے گا، اور فرمایا کہ الهيئة العالمية کی طرف سے فرعِ اول کے تین طلبا کی قدر دانی کرتے ہوئے عمرہ اور زیارتِ مدینہ کا اعلان کرتا ہوں، تا کہ دوسرے طلبا کو بھی شوق پیدا ہو۔

نیز ارشاد فرمایا کہ ''۱۰ ر نمبرات کے طلباء اگر اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم

حاصل نہ کر سکتے ہوں، تو ہم ان کی کفالت کی ذمہ داری لے لیں گے‘‘ بہر حال بہت ہی اچھے انداز میں شیخ بصفر کا خطاب رہا، اور بہت جچے تُلے انداز میں مولانا حذیفہ صاحب نے ترجمانی فرمائی۔

اس کے بعد شیخ داؤد علوانی کا ناصحانہ اور دردمندانہ خطاب ہوا، جس میں شیخ علوانی نے مجمعِ عام کو بالعموم اور بالخصوص علماء وطلباء کو اہتمامِ صلاۃ کی تلقین فرمائی، نیز والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا سبق دیا، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی ترغیب دی، اور شیخ جو خود تہجد گذار اشراق وچاشت کے پابند ہیں اور اللہ نے دین ودنیا کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اخیراً حاجی احمد وسئی والا جو، ان کے پارٹنر تھے اور مرحوم ہو چکے ہیں، ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، اسی طرح بھائی سلیم، فرید، اقبال، عبدالقادر کی والدہ کے لیے دعائے مغفرت پر خطاب کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد رئیس جامعہ نے راقم الحروف کو نتائج کے اعلان کا مکلّف بنایا۔

الحمد للہ اس مسابقہ میں بہت سے معاونین نے اخلاص بھرے انداز میں نقدی اور اشیاء کی شکل میں انعامات دے کر طلباء کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور بہت سے اداروں کے سربراہان، دور ودراز کا سفر کر کے تشریف لائے۔

ہم ممنون ہیں جامعہ کے تمام شعبہ جات کے اساتذہ وملازمین، خصوصاً اساتذۂ تجوید، کتب، حفظ اور دینیات کے کہ اس مسابقہ کو کامیاب بنانے میں ان کا پورا پورا تعاون حاصل رہا، نیز مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرنے کے جذبہ سے حافظ اسحاق صاحب نائب رئیس جامعہ اور حافظ عبد الصمد صاحب ناظم مطبخ کی خصوصی توجہات ودلچسپی نے کسی بھی مہمان کو حرفِ شکایت زبان پر لانے کا موقع نہ دیا۔

مولانا حذیفہ صاحب کی خصوصی دلچسپی کے نتیجہ میں اسٹیج وغیرہ کو مزین کرنے

میں امتیاز خلیل صاحب، شاہد بھائی، الیاس بھائی وغیرہ نے بہت محنت کی۔

حسن اختتام کے طور پر، ایک یادگار شب کا تذکرہ:

سنیچر اور اتوار کی درمیانی شب میں حفلۂ ترحیبیہ (جلسۂ استقبالیہ) احاطۂ دارالتربیت میں منعقد ہو، جامعہ کے استاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ملیؔ نے تمہیدی کلمات ارشاد فرمائے، یاسر عرفات (متعلم جامعہ) کی تلاوت سے محفل کا آغاز ہوا پھر جامعہ کے طلباء نے عربی لب ولہجہ میں انشودہ پیش کر کے مہمانوں کو حیران وششدر کر دیا، پھر تین طلباء نے اسلوبِ عربی میں خطاب کیا، جس کو مہمانانِ گرامی قدر نے بہت سراہا، اور کلماتِ تقدیر وتشکر مولانا حذیفہ نے پیش فرمائے۔

یہ ایک ایسا یادگار حفلہ تھا، جو جامعہ کی تاریخ میں ''النادی'' کا پہلا شاندار، جاندار بلکہ یادگار پروگرام تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی خدمت وصحتِ قرآنی سے وابستہ رکھے۔

آمین یارب العالمین!

ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق مئی 2012

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

قرآنی قَسموں کا نادر اسلوب
﴿ایک اجمالی جائزہ﴾

برموقع

سہ روزہ عالمی رابطۂ ادب اسلامی

بمقام:

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار مہاراشٹر

بتاریخ:۲۳/۲۴/۲۵؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق:۶/۷/۸؍نومبر ۲۰۱۵ء

زیر صدارت: حضرت مولانا

سیدمحمد رابع صاحب الحسنی دامت فیوضھم

ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اترپردیش، الھند

زیر قیادت: خادم القرآن

حضرت مولانا الحاج غلام محمد صاحب وستانوی

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار، مہاراشٹر، الہند

مھمانان خصوصی

حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب الاعظمی حفظہ اللہ

ایڈیٹر ''البعث الاسلامی'' ومہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اترپردیش

مفکرملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتھم

اللہ جل جلالہٗ جو سراپا رحمٰن ورحیم بھی ہے اور رب العالمین بھی، اس ذات ذوالجلال نے اپنی اشرف مخلوق کی تربیت و پرداخت کے لیے گوناگوں مادی ومعنوی نعمتیں عطا کرکے ہر قسم کی روحانی وجسمانی کمال کے اسباب فراہم فرمائے، چناں چہ روحانی اور باطنی تربیت وتکمیل کے دوسبب بشکل رجال اللہ وکتاب اللہ بہت نمایاں ہیں اور اصل تربیت روحانی اور معنوی تربیت ہی ہے، چناں چہ منعم حقیقی کے انعامات میں سب سے عظیم نعمت نعمت قرآن ہے، اسی لیے تو اشتغال بالقرآن حضرت انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے، اور اعراض عن القرآن انسان کے حق میں سب سے بڑی شقاوت ہے۔

یہ ہماری سعادت مندی ہے کہ باری تعالیٰ نے ہم سب کو قرآنی، روحانی اور نورانی نسبت پر اس وادیٔ قرآن میں جمع فرمایا، حق تعالیٰ شانہٗ ایک ایک لمحہ کو وصول کرنے والا بنائے۔

بہر حال قرآن مقدس تمام علوم کا سرچشمہ اور منبع ہے، علوم قرآنیہ کی وسعت و گہرائی تک انسانی علوم کی رسائی ناممکن ہے، عصر حاضر جو سائنسی ترقی اور ارتقاء کا دور کہلاتا ہے، قرآن سے متعلق حیرت افزا انکشافات کر رہا ہے جس پر عقل انسانی متحیر و ششدر ہے، ویسے بھی بہت سارے علوم مثلاً: تفسیر وحدیث، فقہ وریاضی، علم عروض و قوافی، ادب، فصاحت وبلاغت، شعر وشاعری اور خطابت، علم مناظرہ، علم الاجسام، علوم صنعت وحرفت، علم التاریخ والتقویم، مساحت جہاز رانی، تصوف وکلام'' وغیرہ ان سب علوم کا سرچشمہ قرآن ہی ہے۔ اسی لیے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''الاتقان فی علوم القرآن ''میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد تقریباً ۲۰۰؍ تک پہنچتی ہے، علامہ سیوطیؒ نے فہم قرآن کے لیے ۸۰؍ علوم کو لابدی قرار دیا ہے۔

علم الدین بلقینیؒ نے ۵۰؍ علوم ذکر کئے ہیں جن کے بغیر قرآن سمجھنا مشکل ہے

تو بعض حضرات نے قرآنیات کے طالب علم کے لیے درج ذیل علوم پر نظر اور دسترس ضروری قرار دیا ہے:..........(۱)غرائب القرآن (۲)نظائر القرآن

(۳)مشکلات القرآن (۴)امثال القرآن (۵)مبہمات القرآن

(۶)لغات القرآن (۷)معارف القرآن (۸)اقسام القرآن۔

یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا مضامین میں ہر موضوع ایسا دلکش، دلفریب، جاذب نظر ہے جس میں ارباب علم وادب کے لیے لذت آشنائی بھی ہے اور جو اعجاز قرآنی ثابت کرنے کے لیے کافی اور وافی ہے، کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج بھی یہ کتابِ مقدس عربی زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ ہے، جس کی ہمسری تو کجا کسی عربی غیر عربی زبان کی کوئی کتاب اس کے اعلیٰ ادبی معیار کے پاسنگ کو بھی نہ چھو سکی، جب کہ ماہرین لسانیات پر یہ بات بالکل آشکارا ہے کہ اتنی طویل مدت میں زبانیں کیا کیا کروٹیں لیتی ہیں اور کس کس انداز کی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں، لسانی معیار، محاورے، تعبیرات اور طرز نگارش کیا کیا ردوبدل ہو جاتے ہیں، لیکن یہ قرآن عظیم کا ہی اعجاز یا اس کی ادبی طاقت ہے کہ جس نے قرآنی عربی زبان وادب میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہونے دی، ادبی تبدیلی تو کجا آیات، حروف، نقطے، شوشے تک میں انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحفظون (الحجر ۱۵) کا خدائی وعدہ کارفرما نظر آرہا ہے، ہاں اگر فقدان ہے تو صرف حاملین قرآن میں اوصاف مطلوبہ کا جس کو علامہ اقبال نے یوں تعبیر کیا ہے کہ ؎

روح میں نور نہیں قلب میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تجھے پاس نہیں
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

انبیائے سابقین بھی صاحبِ معجزات تھے اور ہمارے آپ کے آقا مدنیؐ بھی، لیکن انبیائے سابقین کے معجزات ان کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ساتھ دنیا سے رخصت ہوتے چلے گئے، لیکن پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات ۱۴۰۰ر سال گذر جانے کے بعد بھی آج موجود ہیں، بالخصوص حضور پُرنور کا دور مسعود و میمون فصاحت و بلاغت، طلاقت لسانی اور زبان دانی کا دور تھا، بقول جناب قاضی سید اعظم علی صوفی زمانۂ نزولِ قرآنی کی عکاسی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ''جس دور میں قرآن کا نزول ہوا، اس وقت اہل عرب چار علوم میں کسی کو بھی اپنا ہمسر اور مقابل نہ سمجھتے تھے: (۱) بلاغت (۲) کہانت (۳) تاریخ (۴) شاعری۔

حضور اکرم سراپا تکریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قرآن جیسا فصاحت و بلاغت کا بے مثال معجزہ عطا فرمایا گیا تو ان سارے علوم کے ماہرین کا غرور چند لمحوں میں چور چور ہو گیا، اور قرآن کے کمال ادب و اعجاز نے ان علوم اربعہ مذکورہ کے ماہروں کو دنداں شکن جواب دے دیا۔ قرآن پاک کے اس اعجاز کا ایک پہلو، اُس کی قسمیں ہیں جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ، الٰہی صنف ادب ہونے کی بین دلیل ہے، ہم ان اقسام کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

اقسام قرآنی کی پہلی خصوصیت: ان قرآنی قسموں میں ادب کے مختلف معیار، موضوعات کی وسعت، قسم کی ضرورت، کس موقع پر کس انداز میں کس عقیدۂ فاسدہ کی تردید، کس عقیدۂ صحیحہ کی تائید، ایسے وسیع المعانی اور ندرت بیانی کی تلاش، متلاشی کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔

مشت نمونہ از خروارے کے طور پر سورۂ سبا کی یہ آیت قرآنی ''قل بلیٰ وربی لتأتینکم عٰلِمِ الغیب'' (سباء۳) منکرین قیامت جس غرور کے ساتھ انکار قیامت کرتے

تھے کہ وہ ہرگز نہ آئے گی، باری تعالیٰ نے اسی پس منظر میں اسی طنطنہ اور ہمہمہ کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بصورت قسم جواب دلوایا کہ ان کو سنا دو، ہاں میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی، آیئے اس مقام پر رب کے قسم کھانے اور حلف اٹھانے میں کیا کیا فصاحتی پہلو ہیں تھوڑا تدبر کریں۔

(۱) اولاً اللہ کے علم غیب کا ثبوت:

یعنی میرے رب کی قسم جو مغیبات سے واقف کار ہیں آسمانوں وزمین میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں، ہر چیز ایک واضح رجسٹر میں درج ہے اس ذات عالم الغیب نے قیامت کے برپا ہونے کی خبر دی ہے۔

(۲) ثانیًا: علم الٰہی کی وسعت کا بیان بھی اس قسم میں پنہاں ہے گویا کہ نہایت بامعنی انداز میں منکرین کی تہدید کے مقصد سے کہا گیا کہ وہ چوکنا ہو جائیں کہ تمہاری انکارِ قیامت کی ڈِھٹائی کا ضدی کردار خدائے ذوالجلال سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) ثالثًا: اس قسم میں ایک مغالطہ کا ازالہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کا ثبوت بھی، منکرین قیامت یہ کہتے تھے کہ اتنی وسیع دنیا کے ایک ایک فرد بشر کے قول وفعل، حرکات وسکنات نشست وبرخاست کا علم اللہ تعالیٰ کو کیسے ہوسکتا ہے اور سب کا حساب کیسے کریں گے، تو اس میں ازالۂ مغالطہ بھی ہے اور اثبات وسعت حکمرانی بھی۔

یہی مضمون کتاب مقدس میں مختلف ادبی پیراؤں کے ساتھ سورۂ اعراف (آیت ۱۸۷) سورۂ طٰہٰ (آیت ۱۵/) سورۂ لقمان (آیت ۳۴/) سورۂ احزاب (آیت ۶۳/) سورۂ ملک (آیت ۲۵، ۲۶/) سورۂ نازعات (آیت ۴۲/ تا ۴۴) میں بھی بیان ہوا ہے۔

لیکن آیت مذکورہ ''قل بلیٰ وربی لتأتینکم عالم الغیب'' (سباء۳) اس کی ایک انفرادی شان ہے جس کو اہل نظر خوب سمجھتے ہیں نیز قسم میں قول کی پختگی اور تائید کی جو

ضرورت پیش آتی ہے، اس کی اعلیٰ مثال بھی قرآن حکیم کی قسمیں ہیں، مثلاً:

سورۂ طارق کی آیت ۱۱ تا ۱۴/ و السماء ذات الرجع ○ و الارض ذات الصدع ○ انه لقول فصل ○ و ماھو بالھزل یعنی اور قسم ہے آسمانِ پُرنگار کی، اور زمین پرشگاف کی کہ یہ دوٹوک بات ہے اور ہنسی مذاق نہیں ہے۔

اقسام قرآن کی ایک اور خصوصیت ہے، قسموں کا طرز اظہار یعنی انشاء جس کی تردید نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اکثر مقامات پر خبر کی صورت بھی سامنے آتی ہے، جسے ہم علم معانی میں یوں ادا کرتے ہیں کہ یہ جملہ صورۃً انشاء معناً خبر ہے، اس لیے نفس قسم کا انکار کرنا آسان نہیں ہوتا، جیسا کہ

۱) ''والصّٰفّٰت صفا'' (صافات ۱/) کا مطلب ہوگا ملائکہ غلاموں کی طرح صف بستہ ہیں، اگر تشریح کی جائے تو ہر قسم جملۂ خبریہ کے سانچے میں ڈھل جائے گی۔

۲) ''فالمقسمٰت امرًا ○ (ذاریات ۴/) فالفٰرقٰت فرقًا'' (مرسلات ۴/) کا مطلب ہوگا، ہوائیں خدا کے حکم سے فرق و امتیاز کرتی ہیں۔

۳) ''و القرآن المجید'' (ق ۱/) کا مطلب ہوگا، یہ قرآن برتر کلام ہے۔

۴) ''والیوم الموعود'' (بروج ۲/) کا مطلب ہوگا، ان کے محاسبے کا ایک روز مقرر ہے، پس گویا یہ خبریں ہیں جو صٰفّٰت اور فٰرِقٰت کے اندر مخفی ہیں اور چوں کہ یہ قسم کا اسلوب لیے ہوئے ہیں، اس لیے ان اشیاء کا شہادت اور دلیل ہونا مزید برآں ہے، اس اعتبار سے گویا اس میں خبریں چھپی ہوئی ہیں، اس اسلوب قسم میں ایک خوبی اور ندرت یہ بھی ہے کہ استدلال کے لیے بہت ہی مناسب ہے، اس اسلوب میں اختصار بھی ہوتا ہے اور الفاظ کی کمی کے ساتھ ساتھ مفہوم ربانی تمام حجابات و مبہمات سے مجرد ہوکر بسہولت سامنے آجاتا ہے، جس کی وجہ سے کلام کی تاثیر اور شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

سورۂ زخرف ''حم والکتب المبین ''میں 'و' کا استعمال اسی طرح سورۂ ق میں ''ق والقرآن المجید ''میں 'و' کا استعمال ''والطور وکتاب مسطور ''میں 'و' کا استعمال، والضحی والیل اذاسجی میں 'و' کا استعمال، قسم کے مفہوم میں ہوا ہے اور قسم کا استعمال عربی شہادت کے لیے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ اس عبارت سے آشکارا ہے کہ ''والکتب المبین ''یعنی قسم ہے کتاب واضح کی، مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک واضح کتاب ہے باعتبار اپنے پیش کردہ مہمات عقائد کے بھی اور باعتبار اپنے احکام اساسی کے بھی۔

''واؤ'' کا استعمال کلام عرب میں تاکید اور زور کلام کے لیے قسم میں لانے کا دستور عام ہے اور استشہاد کا پہلو جو قسم میں ہوتا ہے، وہ اس خاص موقع پر عیاں ہے، اور قرآن کی بلاغت میں غور کرنے سے خود اس کے مضامین کا اعجاز ظاہر ہو رہا ہے، قرآن کی قسم کھا کر اس کی صفت مبین بیان کرنا در حقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن حکیم اپنے ہر دعوے پر خود حجت ہے، کسی دلیل خارجی کا محتاج نہیں ہے، جو لوگ اس کی تکذیب کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں، ان کا کام حقیقت میں آفتاب پر خاک ڈالنے کے مرادف ہے ایک مختصر سی آیت میں معانی کا یہ سمندر ان کی فصاحت و بلاغت کا خود گواہ ہے۔

اسی طرح ''والقرآن المجید ''قسم ہے قرآن مجید کی، عربی اسلوب بیان میں قسم کا مفہوم تاکید کا ہوتا ہے اور جواب قسم یعنی قسم کے بعد کا مضمون اکثر بغیر کسی صراحت و وضاحت کے محض سیاق سے مفہوم ہوتا ہے، قسموں کی بحث کا تعلق تمام تر اسلوب بیان و بلاغت سے ہے، قرآن مجید کی قسم کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب اپنے مضامین کی بے نظیر بلندی اور معنویت کے لحاظ سے خود ہی اپنی صداقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہ ہے، ''المجید ''یعنی بزرگی اور شرف والا قرآن، آج دنیا کی کون سی کتاب اپنے بلند معیار اور معانی کا بحر ذخار ہونے کے لحاظ سے اس کے ٹکر کی ہے؟ کیا

کسی مذہبی صحیفہ کو اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت بل کہ عالم گیریت کے مقابلہ میں لایا جاسکتا ہے؟

اور آگے چلئے! تو ''والطور'' قسم ہے طور کی۔ یعنی پہاڑ گواہ ہیں جو آج اپنی جگہ پر اتنے مستحکم و مضبوط نظر آرہے ہیں، لغت کے اعتبار سے طور کا مفہوم عام ہے، یعنی مطلق پہاڑ، وہی سیاق سے زیادہ مطابق و مناسب ہے۔

''والطور سے لے کر والبحر المسجور'' تک پانچ مرتبہ 'و' کا استعمال ہے لیکن اس میں واؤ اول قسمیہ ہے، اور باقی واؤ عاطفہ، اور یہ بھی عربی انشاء کی اعلیٰ مثال ہے۔

اور اسی طرح ''والعصر'' محض وقت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے عربی زبان میں، زمان، دہر وغیرہ، اور بھی الفاظ تھے، لیکن گزرتے ہوئے زمانہ کی طرف، مرور ایام کی طرف خاص اشارہ کرنے کے لیے یہی لفظ ''عصر'' زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ صاحب کشاف علامہ زمخشریؒ رقم طراز ہیں کہ ''وقسم بالزمان لمافی مروره من اصناف العجائب'' عصر زمانہ کو کہتے ہیں، یعنی قسم زمانہ کی، جس میں انسانی عمر بھی داخل ہے جو تحصیل علم اور اکتساب کمالات کا ایک گرانمایہ دور ہے، اگر یہ غفلت و نسیان کی نذر ہو جائے تو اس سے بڑھ کر انسان کا کوئی نقصان ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح دیکھتے چلیں کہ قرآن مقدس کی جن جن سورتوں کے آغاز میں قسمیں آئی ہیں ان کی ادبی چاشنی اور جاذبیت کسی بھی باذوق اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، بل کہ یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ ان قسموں نے سورتوں کے حسن میں دوبالگی اور ایک عنوان جمال بخش دیا ہے، جیسا کہ صاحب اقسام القرآن علامہ فراہی کی وضاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل سور میں یہ قسمیں اس طرح چمکتی دمکتی نظر آتی ہیں جس طرح انگشتری میں نگینہ، اگرچہ بیچ سورتوں میں بھی قسمیں آئی ہیں، مگر کم؛ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مطلع

قصیدے کے بیچ میں آ گیا ہو، جب مشیت الٰہی نے چاہا کہ سورتوں کے اوائل نادر و بوقلمونی تصویروں سے مزین ہو تو ان کو خاص خاص قسموں سے شروع کیا، کہیں ایک ہی چیز کی تصویر ہے، مثلاً: لکھنے والا قلم، کہیں دمکتا ستارہ تو کہیں دوڑنے والا گھوڑا، غبار انگیز ہوا، تو کہیں صف بستہ ملائکہ، بعض جگہ مختلف چیزوں کو ایک البم میں جمع کر دیا، مثلاً: تین، زیتون طور سینین، بلدأمین یاطور کتاب مسطور، بیت معمور، سقف مرفوع، بحر مسجور یا مثلاً: شمس و قمر، لیل و نہار، ارض و سماء وغیرہ مختلف حکایات و تعبیرات پر مشیر و غماز اور اہم حقائق پر دال اور ان حقائق پر استدلال ہی اصل مقصد ہے۔

اسلوبِ کلام کی یہ نادر کاریاں، مخاطب کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی توجہ مبذول کرانے اور مضامین حقہ کو سہل الحصول بنانے کے لیے اختیار کی جاتی ہیں، تا کہ بات کسی طرح اس کے دل میں گھر کر لے، اتمام حجت کا اصل گُر یہ ہے کہ انداز دعوت نہایت مؤثر اور دل نشیں ہو کہ مخاطب کا دل مٹھی میں لے لے۔

اسی اسلوب دعوت کو اپنانے کا رب کائنات نے حضرات انبیاء کرام کو بنایا اور اس کی خاص تعلیم دے کر ''فقولا لہٗ قولا لینالعله یتذکراو یخشٰی'' ''اس سے نرمی سے بات کیجیو تا کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قسم کے لیے ''وٗ'' کا استعمال ہو یا ''ل'' کا یا لفظ ''قسم'' کا بظاہر اس کا یہ انداز واسلوب سادہ ہوتا ہے لیکن کائنات کی حقیقت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، معمولی سا وجود رکھنے والا وجیز و مختصر یہ جملۂ قسمیہ عقل انسانی کو ہلا کر رکھ دینے والے اسلوب کا مظہر ہے۔ ایک ایسا اسلوب جو ابواب العلوم کے لیے مفتاح اور دریا بکوزہ کا مصداق، صدیوں سے ارباب علم و فن سر دھن رہے ہیں، لیکن نت نئے معانی کی تلاش کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ قسموں کا ایک پہلو وہ بھی قابل غور ہے جس کی طرف علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ’’الاتقان فی علوم القرآن ‘‘جلد دوم ص:۲۴۱ پر توجہ مبذول کرائی ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ساری قسمیں جو اللہ نے کھائی ہیں ،وہ چیزوں یعنی مخلوقات کی عظمت کے لیے نہیں بل کہ وہ اس لیے ہیں کہ ان کی گہرائی ،خوبی اور کیفیات سے انسان متعارف ہو،اور مخلوقات و مصنوعات کو سمجھ کر صانع عالم کی معرفت حاصل کرے ،جس کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے ؎

وَفِیْ کُلِّ شَیٍٔ لَہٗ اٰیَۃٌ............تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

قصہ مختصر یہ کہ اقسام القرآن کا یہ موضوع ہر زاویہ اور گوشہ سے بڑا پر کیف اور جامع تعبیرات کا حسین سنگم ہے اس موضوع کے بہت سے پہلو ہیں ،مثلاً: قسم ،عہد میں کیا فرق ہے؟ قرآن پاک کی قسموں کا تفصیلی و تحقیقی جائزہ ،قسموں کا تاریخی پس منظر ، عقیدۂ دینیہ میں قسموں کی حیثیت اور دور حاضر سے قسموں کی مطابقت ،لیکن یہ چند صفحات پر مشتمل مقالہ اس کا متحمل نہیں ہے۔

بہر حال قرآن مجید خداوند عالم کی ایک ایسی کتاب ہے جس کی وسعت کا احاطہ کرنا اور اس کے انداز بیان کی گہرائی تک رسائی پانا انسان کے بس کی بات نہیں ، صرف قرآنی قسموں کے ادبی پہلو پر روشنی ڈالنے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں ،پھر بھی گفتگو ناتمام و ناقص ہوگی کیوں کہ جس حسن اداء ،حسن تعبیر اور حسن بیان کا نام ادب ہے وہ قرآن اور اس کی قسموں میں بھی رچا بسا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآنی خدمت سے وابستہ کرے ،خلوص اور جذبۂ رضائے الٰہی نصیب فرمائے اور خادم القرآن کی خدمات قرآنیہ کو قبول فرما کر مشعل راہ بنائے۔ (آمین)

......خطابت واصولِ خطابت......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين،و الصلاة و السلام على نبيه الكريم۔امابعد!

(۱) خالق کائنات نے انسان کوممتاز اوصاف اور گوناگوں خصائل سے نوازا ہے، مبدأفیض سے بشریت کو بے شمار انعامات ملے ہیں، اور سب سے نمایاں وصف انسان کی کرامت اوراس کی برتری ہے جسے قرآن کریم نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے، ﴿ولقد كرمنابنى آدم....الخ﴾۔

انسانی خصوصیات میں سے ایک اہم اورمنفرد خاصیت زبان وبیان کاملکہ اور اظہار مافی الضمیر کا طریقہ ہے، چنانچہ خطابت نے ابتدائے آفرینش ہی سے انسانوں کو اپنے دامن سے وابستگی پر مجبور کردیا، خطابت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کا ہتھیار رہے، خطابت ہی نے ہزاروں مردہ دلوں میں زندگی کا صور پھونکا، خطابت ہی سے سرد سینوں میں آتش عزم فروزاں ہوئی، خطابت ہی سے پژمردہ دلوں کو باد بہاری ملی، زبان وبیان کی کرم گستری ہی سے گم گشتہ راہ لوگوں کوایمان ویقین کی شاہراہ نصیب ہوئی۔

(۲) عزیزان گرامی!

عوام سے اجتماعاً ہم کلام ہونے کا نام خطابت ہے۔

اصطلاحاً اس فن کا نام ہے جس کا مقصود ومطمح عوام سے خطاب کرنا اوران کے دل ودماغ میں اپنی غایت ومنشا اتارنا ہے، علامہ ابن رشد بحوالہ تلخیص الخطابة ارسطو میں فرماتے ہیں کہ خطابت نام ہے اس فن کا جس کے ذریعہ اپنی بات دوسروں سے منوائی

جا سکے، یعنی اس سے مراد وہ بیان ہے جو دلوں کو گرمائے، کسی بات کو واضح کرے، کسی امر کا یقین دلانے یا ترغیب دینے یا سامعین کو کسی خاص عمل یا روش پہ آمادہ کرنے میں مدد دے۔

(۳) خطابت کب شروع ہوئی؟

اس سلسلہ میں خطابت کے اولین کلام کو مؤرخین نے اہل یونان کے سر باندھا، ارسطو نے سب سے پہلے خطابت کے اصول وضوابط تحریر کئے اور اس کا نام الخطابۃ رکھا جس کی تلخیص علامہ ابن رشد نے "تلخیص الخطابۃ" کے نام سے کی ہے، پھر اس سے حکمائے اسلام مثلاً فارابی اور ابن سینا وغیرہ نے مضامین حاصل کئے، اہل یونان کے بعد اہل روم کا ذکر آتا ہے، ان کے بعد عربوں کی خطابت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، لیکن صداقت وہ ہے جس کو شورش کاشمیری نے تحریر کیا ہے کہ انسان نے جب بولنا شروع کیا تب ہی سے خطابت کی ابتدا ہے، انسان اور خطابت دونوں ہم عمر ہیں، دونوں کا ارتقائی سفر یکساں ہے، اور تحریر سے کہیں زیادہ تقریر کی عمر ہے، دونوں میں صدیوں کا فاصلہ ہے، پہلے خطیب خدا کے پیغمبر تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فلاح کے لئے مبعوث کیا تمام خدائی کتابوں کا سر آپا خطیبانہ ہے، ان کے لب ولہجہ میں ایک خطیب کی گونج وگرج ہے، یہی وجہ ہے کہ عربوں میں خطابت کا ملکہ شروع ہی سے ہے، اور وہ اپنے بچوں کی بچپن ہی سے اس طرح تربیت کرتے تھے کہ خطابت کے لوازم واشکال ملحوظ رکھتے، مثلاً یہ کہ بیان دلکش ہو، سحر بیانی قائم رہے، الفاظ بوجھل نہ ہوں، سلیس اور خوبصورت ہوں، صاف لہجہ ہو، کھلی باتیں ہوں، ہم وزن مسجع جملے اور سریع الفہم ضرب الامثال ہوں، ہر خطبہ ایجاز واختصار کے ساتھ جامع ومانع ہو۔

(۴) عزیزان گرامی!

خطابت اور تقریر میں اگر چہ ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں، لیکن ماہرین نے لکھا ہے کہ خطابت ''دعوت'' ہے اور تقریر ''سفارت'' ہے، دونوں میں یکسائی ہے لیکن دونوں کے اظہار واسلوب مختلف ہیں، خطیب میں تخلیقی جوہر ہوتا ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے جس طرح کہتا ہے اور جس گہرائی سے بولتا ہے ایک جادو کی طرح ہے کہ دل ودماغ مبہوت ومسحور ہو جاتے ہیں، اس کے الفاظ ومعانی وہی ہوتے ہیں جو زبان کا خزینہ اور لغت کا سفینہ ہے، ان کا حسن یہی ہے کہ خطیب بولتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دماغوں سے اٹھا کر دلوں میں اتار رہا ہے، عوام محسوس کرتی ہے کہ ان کی گمشدہ متاع مل رہی ہے، اور وہ ان جواہر پاروں سے اپنے دامن بھر رہے ہیں جن کی تلاش میں تھے، اور مقرر کی حیثیت خیالات وجذبات کے سفیر کی ہے، وہبی واکتسابی خصوصیتوں کے امتزاج پیش کرتا ہے، جو کچھ اس کے پاس ہے اس کو وہ اچھالتا ہے اور اجالتا ہے، جس کی طلب ہے اس کی تصویر کھینچتا ہے، وہ طبیعتوں کو شمار کرتا ہے، دماغوں کو آواز دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خطیب اپنے فن کی مملکت کا حاکم ہے کہ ذہنوں پر فرمانروائی کرتا ہے، اور میکدۂ عوام کا پیر مغاں ہے جس کے پیمانوں کی گردش تشنہ کاموں کی پیاس بجھاتی ہے۔

(۵) عزیزان گرامی قدر!

فن خطابت سے دلچسپی رکھنے والوں نے کامیاب خطابت کے چند بنیادی اصول تحریر کئے ہیں، جن کو ہم عملی طور پر استعمال کر کے ایک کامیاب خطیب بن سکتے ہیں:

۱)......انفرادیت:

انفرادیت سے مراد خطیب کی شخصیت اور اس کی خصوصیات ہیں، اور خطابت

میں خطیب کا فطری طرز گفتگو ہے ورنہ سامعین نے اگر یہ محسوس کیا کہ خطیب تصنع اور تکلف سے کام لے رہا ہے تو اس کا خلوص مشتبہ ہوگا اور تقریر کا اثر ختم ہوگا۔

۲)...... اطمینان قلب اور بلندیٔ نفس:

اس کے ذریعہ خطیب مجمع کی خشیت، خوف وجھجک، شرم اور مرعوبیت جیسی چیزوں پر قابو پائے گا، عربی کے ممتاز مصنف اور عربی خطابت کے اصول کے مرتب ابوہلال عسکری نے لکھا ہے کہ اگر کسی خطیب کو دوران تقریر اطمینان قلب نصیب نہ ہو، تو وہ خوف ودہشت کی وجہ سے کبھی اظہار خیال میں کامیاب نہ ہوگا۔

۳)...... خلوص اور جذبات:

تقریر کو پراثر بنانے کے لئے خلوص وصداقت پہلی شرط ہے، ایک خطیب دوسروں کو اسی وقت آمادۂ عمل کرے گا جب وہ خود اسی جذبہ سے سرشار ہوگا، خطابت صداقت وخلوص سے معمور رہے گی تو سامعین کے دلوں میں اترے گی اور لوگ بادۂ سخن سے محظوظ ہوں گے، ان کے چہرے صدا دیتے ہوئے معلوم ہوں گے کہ ؎

خم لگا دے میرے منہ سے تیرے میخانہ کی خیر
ایک دو جام سے ساقی میرا کیا ہوتا ہے؟

٤)...... اخلاق اور نیکی:

اخلاق اور نیکی کہ کوئی بڑا اچھا خطیب نہیں بن سکتا، وہ شخص جو خود پست اخلاق رکھتا ہو دوسروں کے اخلاق بلند نہیں کرسکتا، آواز میں اثر، الفاظ میں جاذبیت اور انداز میں کشش پیدا کرنے والی چیز دراصل خطیب کے باطن کی پاکی ہوتی ہے۔

٥)...... خود اعتمادی:

یوں تو مجمع کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے جرأت درکار ہے، لیکن اپنے

خیالات کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لئے بڑے مضبوط دل اور قوی ارادے کی ضرورت ہے، اپنے دل سے یہ خیالات دور کرنے کے لئے کہ اس کے خیالات غیر مسلسل نہ ہو جائیں، یا الفاظ کا انتخاب صحیح نہ ہو، ضروری ہے کہ خطیب اپنے اوپر اعتماد کرنا سیکھے، یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ جس موضوع پر گفتگو کر رہا ہے اس کی صحت وصداقت سے وہ خود مطمئن نہیں ہے۔

۶)...... قوی اظہار اور حاضر جوابی:

بولنے میں خیالات زبان سے پہلے ذہن میں آتے ہیں، اور وہ قوت جو انہیں لفظوں کی شکل دے کر زبان تک لے آتی ہے اسے قوت اظہار کہتے ہیں، فطرت کے اس عطیہ سے کوئی شخص محروم نہیں، لیکن سب سے زیادہ خطیب کو اس سے کام لینا پڑتا ہے اور حاضر جوابی سے مقرر کی ذہانت اور قابلیت کا سکہ جم جاتا ہے۔

۷)......شگفتگیٔ مزاج:

ایک مغموم، ترش رو، نازک مزاج یا آدم بیزار شخص بمشکل خطاب کرے گا، اس کے برخلاف خوش مزاج اور ہنس مکھ کی تقریر دلچسپی سے سنی جاتی ہے اس لئے شگفتگی از بس ضروری ہے۔

۸)...... قوت متخیلہ اور تخلیقی قوت:

اگر کسی خطیب میں اس قوت کا فقدان ہے تو وہ کبھی کامیاب مقرر نہیں بن سکتا، مختلف موضوعات پر بولنے کے لئے نئی راہیں، نئے مضامین اور نئے نکات پیدا کرنے کی کوشش کرے، کمال یہ ہے کہ وہ اپنی شخصی استعداد اور ذاتی تجربات سے پرانے خاکوں میں نیا رنگ بھرے، اور اپنی قوت تخلیق سے اچھوتے نکتے، نادر خیالات پیش کرے۔

۹)......اظہار جذبات:

چہرہ دلی جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے، جب غصہ اور خوف، خوشی اور محبت کے جذبات ہم پر طاری ہوتے ہیں تو قدرتاً چہرہ کا رنگ چشم و ابرو کی حرکت سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے، اس لئے تقریر کامیاب بنانے کے لئے مقرر کے جذبات اس کے حرکات سے بھی ظاہر ہوں، اس کے لئے اشارات وکنایات میں شورش کاشمیری اور ابرار ہاشمی نے ۳۲۶ نکات لکھے ہیں۔

۱۰)......پرسکون انداز:

دوران تقریر بلاضرورت ہاتھ پاؤں زیادہ ہلانے سے تصنع اور بھونڈاپن ظاہر ہوتا ہے، اس کا اثر سامعین پر اچھا نہیں پڑتا، قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا انداز تھا کہ ایک سمندر ہے جو ایک روانی سے چل رہا ہے، اس لیے کہ یہ دور انقلاب نہیں، بل کہ تعمیری و تفہیمی دور ہے۔

۱۱)......خیالات ودلائل کی ترتیب:

خیالات ودلائل کی ترتیب کے ساتھ سامعین کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط کے ساتھ خطابیہ الفاظ اختیار کرنا چاہئے، کسی کو دعوت سخن دینا ہو تو عموماً موضوع اور محل کے فرق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جیسے عبدالخالق سنبھلی کا واقعہ۔

۱۲)......مشقت ومحنت لابدی چیز ہے:

کوئی بھی شخص کسی بھی فن میں ابتدائی تربیت حاصل کئے بغیر انتہائی جرأت و دلیری کے باوجود سامعین کے لئے مؤثر نہیں ہوسکتا، خطیبانہ کمال کے لئے مشق وتربیت ضروری ہے۔

۱۳)...... سلاست:

سلاست کے معنی ہیں زبان کی روانی، ایک مربوط آہنگ میں کسی اٹکی کے بغیر اس طرح بولنا کہ دل پر دستک پڑتی رہے، اور کان محسوس کریں کہ وہ اپنے دامن بھر رہے ہیں۔

۱٤)...... تمثیلات:

ان سے خطاب کا وزن بڑھتا ہے، آں حضور ﷺ نے بھی تمثیلات پیش کئے ہیں جیسے "مثل الصلوات الخمس كمثل نهر جار غمر على باب احدكم" (مسلم)۔

۱۵)......:

ان خصائص کے علاوہ خطابت کے دیگر اہم لوازمات ہیں، مثلا یہ کہ تیاری بھر پور ہو، بنا تیاری خطابت میں دسترس مشکل ہے، اسی طرح خطابت کا ابتدائیہ پرکشش ہو جو عوام اور مجمع کو متحرک کرتا ہے، اور اسی سے ایجابی تأثر پیدا ہوتا ہے، اور مجمع یکسوئی اور بیدار مغزی کے ساتھ خطیب کے ہم سفر ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک بات یاد رکھیں کہ مطالعہ و مشاہدہ خطابت کے لئے سونے پر سہاگہ ہے، ایک خطیب کے لئے حاصل مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا بدن کو زندہ رکھنے کے لیے غذا اور پیاس بجھانے کے لئے پانی، اسی لئے خطیب کا فرض ہے کہ مطالعہ اس کا معمول ہو، چنانچہ ہندوستان کے نامور خطباء اور ادباء کہ ان کے مضامین اور خطبات کو پڑھیں اور سنیں، جن سے بیک وقت تحریر و تقریر دونوں پر قدرت ہوگی، اس لیے کہ ماہرین نے لکھا ہے کہ ماہر انشاء پرداز ہی ماہر خطیب بن سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقالہ

بر عنوان

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجودہ واقعات: تعلیمات قرآنی کے تناظر میں

ترتیب وپیشکش

مولانا عبدالرَّحیم صاحب فلاحیؔ مظاہریؔ

استاذ حدیث وتفسیر جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

بموقع: سہ روزہ قومی سیمینار

مؤرخہ: ۸، ۹، ۱۰/ مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعہ/ ہفتہ/ اتوار

باھتمام

مفتی محمد ھارون صاحب مظاہریؔ

زیرسرپرستی

داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم

بمقام

جامعہ معین الدّین چشتی اجمیری

سومل پور روڈ، چندوالا پوسٹ ایچ ایم ٹی

ضلع اجمیر (راجستھان)

16

آج کے اس روح پرور بل کہ روحانیت سے لبریز ماحول اور سرزمین پر جس کو داعی عظیم، مجدد دین وملت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے انتساب ہے، اس سرزمین پر حساس اور کرنٹ موضوع پر مذاکرہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہو رہی ہے، میں اپنی اس سعادت کو اللہ کی توفیق اور میری علمی دنیا ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا'' کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

مجھے انتظامیہ کی طرف سے جو موضوع دیا گیا ہے وہ ہے ''اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شاتمینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجودہ واقعات اور تعلیمات قرآن کریم'' یہاں ہمیں اور آپ کو دو اہم پہلو پر غور وفکر کرنا ہے:

ایک ہے وہ ناگفتہ بہ واقعات وحادثات جس کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کے قلوب مجروح ومغموم بل کہ چھلنی چھلنی ہو جاتے ہیں، ایسے موقع پر مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟ اور مسلمانوں کی طرف سے کیا ہو رہا ہے؟

دوسری طرف اہانتِ رسول کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ شرعی اور قرآنی نقطۂ نگاہ سے کیا رویہ ہونا چاہئے؟ قرآن وسنت کی ہدایات اس سلسلہ میں کیا ہیں؟

اس بیماری کی تفتیش میں زیادہ گہرائی اور گیرائی میں جانے کے بجائے صرف بنیاد پر نظر کرتے ہوئے روشن خیال، ماڈرن مائینڈ ذہنیت نے دنیا کو ہم خیالی کے بندھن میں باندھنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حریت فکر، حریت تعبیر، اور آزادیٔ اظہار کو فروغ دیا جائے، چناں چہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۲......تا......۱۰ دسمبر کو اپنی قرارداد نمبر ۱۲۷ میں انسانی حقوق کے عالمی منشور جاری کیا، عالمی منشور کی دفعہ ۹ میں مندرجۂ ذیل باتوں کا اعلان بھی شامل تھا:

☆......ہر انسان کو اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

☆......کوئی بھی شخص کسی تنگی اور تنگ دلی کے بغیر اپنی کوئی بھی رائے رکھنے کا حق رکھتا ہے۔

☆......کوئی بھی خبر دوسروں کو ارسال کرنے میں وسائل کی کسی بھی شکل سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

☆......کسی بھی تنظیم، ملک، قوم اور نسل کے بارے میں کسی بھی انسان کو ذاتی رجحان رکھنے کا حق حاصل ہے۔

☆......خبروں کے ابلاغ وارسال میں کسی حد کا وہ پابند نہیں ہے۔

مشت نمونہ از خروارے کے طور پر عالمی منشور کی ایک تجویز پیش کی گئی ہے۔

بہ نظر انصاف اگر مذکورہ تجاویز پر غور کیا جائے تو اس کا ظاہر بہت پرکشش اور انٹرکشن لیے ہوئے ہے، لیکن اس کا باطن اور حقیقت کھوکھلا اور پوپلا ہے، جس میں آزادیٔ نظر وفکر اور حریت تعبیر واسلوب تو ہے لیکن یہ حریت کن حدود اور کن ناکہ بندی سے مسدود ہونی چاہئے، اس کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں ہے، چناں چہ اس فکر کو بنیاد بنا کر اور اسی سے متاثر ہو کر ڈنمارک، ناروے، فرانس، سویس، اسپین، پولینڈ، لنڈن، اٹلی اور دیگر یورپی ممالک نے جس اہانت آمیز تصاویر کو آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، سرور کائنات، فخر دوعالم حبیبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے دیدہ و دانستہ جسارت وشرارت کی ہے، وہ بجائے خود عقل وخرد کا ماتم حریت رائے اور حریت فکر کا مضحکہ خیز تصور ہے، ان تصاویر کی اشاعت پر جتنا شدید ایمانی، طبعی اور عقلی غم وغصہ ابھرتا ہے اس سے کہیں زیادہ ان احمق اور غافل انسانوں کی عقل وخرد پر شدید ترحم کا جذبہ بھی موجزن ہوتا ہے کہ بیماروں کو یہ پتہ ہی نہیں کہ ایسی محبوب اور مقبول شخصیت پر زبان درازی کی سنگین غلطی خود ان کے حق میں کتنا بھیانک اور خطرناک نتائج کو برآمد کر سکتا ہے؟۔

اس تمہید کے بعد سنئے! ایک ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بشریت اور ایک ہے آپ کی شان رسالت، یہی وجہ ہے کہ ذاتی طور پر آپ کو کسی نے تکلیف پہونچائی تو آپ نے درگذر سے کام لیا، اور ''لاتثریب علیکم الیوم'' (یوسف۹۲) کا نظریہ پیش کیا، لیکن جہاں منصب رسالت پر انگشت نمائی کا معاملہ ہوا اس میں آپ نے سزا دینے میں کوئی تأمل نہیں کیا، معلوم ہوا کہ جس طرح محبت رسول اور اتباع رسول، محبت الٰہی کو مستلزم ہے اسی طرح گستاخیٔ رسول اور اہانت پیغمبر صرف حق الرسول ہی نہیں بل کہ حق اللہ بھی ہے۔

اس سلسلہ میں آیات قرآنیہ سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

(۱) ''ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ وأعدلھم عذابا مھینا، والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا'' (احزاب ۵۷/۵۸)

ترجمہ: بے شک جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔ (ترجمۂ تھانویؒ)

درج بالا آیت سے ایسے شقی اور بدبخت کا صریح ملعون ہونا اور آخرت میں سخت عذاب کا مستحق ہونا ثابت ہوا جو اللہ اور اس کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا کیا مطلب ہے؟

اس سلسلہ میں وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی فرماتے ہیں ''أما أذیۃ رسول

الله صلی الله علیه و سلم فی کل یؤ ذیه من الأقوال فی غیر معنی و احد و من الأفعال أیضاو الطلق إیذاء الله و رسو له و قیدإیذاء المؤ منین و المؤ منات لأن إیذاء الله و رسو له لایکون إلا بغیر حق أبدا،أماإیذاء المؤ منین و المؤ منات فمنه و منه ''۔

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی/ج١٤،ص٢٣٨/تهران، ایران)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت میں تمام اقوال وافعال داخل ہے جو آپ کی تکلیف کا باعث بنتے ہوں، کسی ایک معنی میں انحصار کرنا صحیح نہیں ہے اگلی آیت میں وارد ''بغیر ما کتسبوا'' کی قید پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کا مسئلہ مختلف ہے، ان کی ایذاء رسانی بعض مرتبہ خود ان کے کرتوں کا شاخسانہ ہوتی ہے۔

(٢) إذ یوحی ربك إلی الملئکة أنی معکم فثبتو االذین آمنو اسألقی فی قلوب الذین کفرو االرعب فاضربو افوق الاعناق و اضربو امنهم کل بنان،ذلك بأنهم شاقوا الله و رسوله،و من یشاقق الله و رسو له فان الله شدید العقاب۔(الانفال/١٢،١٣)

ترجمہ: (اور اس وقت کو یاد کرو) جب کہ آپ کا رب ان فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (مددگار) ہوں (محمد کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں، سو تم (کفار کی) گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو، یہ (سزا) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اس کی رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں۔

آیت سے مدعا پر استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس میں ضمیر کا خطاب کس کو ہے؟ ملائکہ کو یا مؤمنین کو؟ علامہ فخر الدین رازیؒ نے ہر دو احتمال ذکر کر کے احتمال ثانی کو راجح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''فاضربوا، فیه و جهان : الأول أنه أمر للملائکة متصل

بقوله ”ای فثبتوا“ وقیل بل أمر للمؤمنين وهذا هو الاصح“۔

(التفسير الكبير للفخر الرازى /ج۸،ص ۳۵)

اسی قول اصح کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام اجل حافظ احمد بن تیمیہ آیت بالا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم وگستاخ کو ڈرانے ،دھمکانے ،حتی کہ قتل کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”فجعل القاء الرعب فی قلوبهم والامر بقتلهم لأجل مشاقتهم لله ورسوله فكل من شاق الله ورسوله يستوحب ذلك“۔

(الصارم المسلول على شاتم الرسول/ص ۲۵)

یعنی کفار کے قلوب میں رعب ڈالنے اور انہیں قتل کرنے کے حکم کی یہ علت ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، لہٰذا جو کوئی بھی آپ سے مخالفت اور محاذ آرائی کرے گا وہ اسی سزا یعنی رعب کا مستحق ہوگا۔

(۳) يحذر المنفقون أن تنزل عليهم سورة تنبئهم بمافى قلوبهم،قل استهزء وا،ان الله مخرج ماتحذرون،ولئن سألتهم ليقولن إنما كنانخوض ونلعب قل أبالله وأيته ورسوله كنتم تستهزء ون،لاتعتذروا قد كفرتم بعدإيمانكم،إن نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة بأنهم كانوا مجرمين۔(التوبه/ ٦٤،٦٥،٦٦)

منافقین اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دے دے،آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا،جس سے تم اندیشہ کرتے ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے ہیں آپ کہہ دیجئے! کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے،تم اب عذر مت کرو،تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے، اگر ہم

تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو سزا دیں گے بہ سبب اس کے کہ وہ مجرم تھے۔

منافقین بظاہر کلمہ گو لیکن بباطن کفر کی مضبوط طاقت رکھتے تھے، اپنے ہم خیال لوگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پلاننگ اور موقع پا کر آپ کی شان جلیل میں گستاخی وسوء ادبی ان کا محبوب مشغلہ تھا، ان آیات کا نزول بھی اسی پس منظر میں ہوا ہے، مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک منافق نے اس طرح گستاخی کی تھی کہ محمد ہمیں بتلاتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں وادی میں ہے، حالاں کہ ان کو غیب کی کیا خبر؟ علامہ قرطبی کے بہ قول آیت کا نزول وغیرہ تبوک کے موقع پر ودیعہ بن ثابت نامی منافق کے سلسلے میں ہوا ہے، اس نے استہزاءً کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ شام کے محلات فتح کرلیں گے اور رومیوں کے قلعے زیر نگیں کرلیں گے'' وھذاالآیة نزلت فی غزوۃتبوك،قال الوديعة بن ثابت:أنظروا!هذافتح قصورالشام ويأخذحصون بني الأصفر'' (قرطبی /ج۸،ص ۱۹۷)

قاضی ابن العربیؒ نے احکام القرآن میں تحریر کیا ہے''لایخلوان یکون ما قالوه من ذلك جداأوهزلا وهو كيف ماكان كفرفإن الهزل بالكفر كفرلاخلاف فيه بين الأئمة۔(قرطبی /ج۸، ص۱۹۷)

یعنی انہوں نے جو کچھ کہا بطور حقیقت کہا یا بطور مذاق، جو بھی صورت ہو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ کفریہ کلمات بطور مذاق کے بکنا بھی کفر ہے، جس میں کسی بھی امام کا اختلاف نہیں ہے۔

آیت بالا کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن احمد بن تیمیہؒ فرماتے ہیں'' وهذانص فی أن الاستهزاء بالله وباياته وبرسوله كفر،فالسب المقصودبطريق الاولی،وقد دلت هذه الاية على أن كل من تنفص رسول الله صلى الله عليه وسلم جادًّااهازلا

فقد کفر"۔(الصیام المسلول/ص ۲۷)

یعنی یہ آیت اس امر میں صریح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیت کا استہزاء کفر ہے۔لہٰذا وہ سب وشتم جو بالارادہ ہو اس کا کفر ہونا تو بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا، اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص عصمت مآب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرے گا، خواہ یہ تنقیص بنابر حقیقت ہو یا یوں ہی بطور مذاق ہو وہ کافر ہو جائے گا۔

(٤) یـآیھاالذین امنوا لاترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض أن تحبط أعمالکم وأنتم لاتشعرون(سورۂ حجرات ۲)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنے اور زور سے بولنے پر حبط عمل اور کفر کا اندیشہ ہے اور رفع صوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی اور سوء ادب کی دلیل ہے، اگر چہ رفع صوت کرنے والا عمداً اس کا ارتکاب نہ کرے، تو جب بغیر ارادے کے صادر ہونے والی بے ادبی کفر ہے تو اذیت اور گستاخی جو عمداً ہو وہ بدرجہ اولیٰ کفر قرار پائے گی اور عمد کی صورت میں چوں کہ شکوک وشبہات کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے، اس لیے ایسے شخص کے مباح الدم ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔(الصارم المسلول/ص ٤٣)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں"واستدل العلماء بالآیة علی المنع من رفع الصوت عند قبرہ الشریف صلی الله علیه وسلم وعندقراء ة حدیثه علیه الصلاة والسلام لان حرمته میتا کحرمته حیا"۔(روح المعانی/ج ۲٦،ص ٤٠٤/بیروت)

ترجمہ: یعنی درج بالا آیت کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے نزدیک اور حدیث شریف پڑھنے کے وقت بھی رفع صوت ممنوع ہے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حین حیات میں واجب التعظیم ہیں، اسی طرح بعد الوصال بھی واجب التعظیم ہیں۔

ان آیات کے علاوہ بھی متعدد مواقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی اور گستاخی کو قرآن مقدس نے بہت بڑا جرم اور موجب لعنت قرار دیا ہے، تفسیر منیر میں اس آیت کی تفسیر کے تحت ہے "أن إيذاء رسول الله صلى الله عليه وسلم من الذنوب ولا ذنب أعظم منه"۔(التفسیر المنیر: ج ۱۱، ص ۴۱۷) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری سے بڑھ کر کوئی گناہ ہی نہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں اگرچہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کے بارے میں کسی درجے میں اجمال ہے، تاہم کتاب مقدس کی تفسیر یعنی حدیث نبوی شریف میں اس حوالہ سے وضاحتیں موجود ہیں۔ اس لئے علماء امت ایسے شخص کے واجب القتل ہونے پر متفق ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے حسام چلپی کے حوالہ سے نقل کیا ہے "اعلم أن سب النبي صلى الله عليه وسلم كفر وارتداد فيقتل به إن لم يتب وهذا مجتمع عليه بين المجتهدين"۔(مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۱، ص ۲۳۳)

ایسا شخص اگر توبہ نہیں کرتا تو اس کی گردن ماری جائے گی، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، البتہ یہ مسئلہ احناف کے نقطۂ نظر سے بحث طلب ہے کہ ایسا شخص اگر تائب ہوکر تجدید ایمان کرلے تو وہ قتل سے بچ سکے گا یا نہیں؟ بعض فقہاء نے مطلقاً عدم قبول توبہ کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو جذبات کا آئینہ دار قرار دیا ہے، البتہ دلائل کے ہاتھوں مجبور ہوکر انہوں نے آخری فیصلہ یہ کیا ہے کہ توبہ قبول کرلی جائے گی، وہ

اپنے رسالہ ''تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام ''میں تحریر فرماتے ہیں:''وملت إلی قبول توبته أن رجع إلی الاسلام وإن کان لایشفی ضدری فیه الا احراقه وقتله بالحسام ولکن لا مجال للعقل بعداتضاح النقل''۔(ایضاً:ج۱،ص۳۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنا اور آپ کی مقدس ذات کو داغدار کرنا یقیناً ایک انتہائی گھناؤنی حرکت ہے، جس کی مذمت تو کیا؟ ایسی حرکت کے مرتکب کو قتل بھی کر دیا جائے تو کم ہے، شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے کو تہ تیغ کر دیا جائے، اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ایسا کیا، جیسا کہ آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔علماء کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ نے تو اس پر مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے''الصارم المسلول علی شاتم الرسول''کتاب کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے:

والحکم فی سب سائر الانبیاء کالحکم سب نبینا،فمن سب نبینامسمی باسمه من الانبیاء المعروفین المذکورین فی القرآن اوموصوفابالنبوۃ،مثل أن یذکر فی حدیث أن نبینافعل کذاأوقال کذا،فیسب ذلك القائل أوالفاعل مع العلم بأنه نبی،وان لم یعلم من هو؟ أویسب نوع الأنبیاء علی الاطلاق فالحکم فی هذا کما تقدم لأنه الإیمان بهم واجب عموماوواجب الإیمان خصوصابمن قصه الله علینا فی کتابه وسبهم کفروردۃ إن کان من مسلم ومحاربۃإن کان من ذمی،وقد تقدم فی الأدلة الماضیة مایدل علی ذلك لعمومه لفظاًأومعنی وماأعلم أحدافرق بینهما وإن کان أکثر کلام الفقهاء إنمافیه ذکرمن سب نبینافإنماذلك لمسیس الحاجة إلیه وأنه وجب التصدیق له والطاعة له جملة وتفصیلا ولاریب أن جرم سابه أعظم من جرم ساب غیره کماأن حرمته أعظم من حرمة غیره وإن شارکه سائرإخوۃأنه من

النبین والمرسلین فی أن سابھم کافر حل الدم"۔

صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، تمام انبیاء جن کو صراحۃً ووصفاً قرآن نے نبی کہا ہو ان کی اہانت کا حکم شریعت اسلامیہ میں قتل ہے، مثلاً اگر کسی نے دوران گفتگو کسی نامناسب بات یا فعل کی نسبت کسی نبی کی جانب اس کی نبوت کا علم رکھتے ہوئے تعیینی طور پر کی، تو ایسا کہنے والے یا کرنے والے نے شان نبوت میں گستاخی کی، اور اگر اسے ان کے منصب نبوت کا علم نہ تھا، یا مطلقاً گروہ انبیاء کی طرف ایسی نسبت کی تو اس کا حکم بھی وہی (قتل) ہے، کیوں کہ تمام انبیاء پر علی الاطلاق ایمان رکھنا واجب ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں بتلا دیا ہے، ان کو برا بھلا کہنے والا اگر مسلمان ہے تو وہ کافر مرتد ہے اور اگر ذمی ہے تو اس سے قتال واجب ہے۔

اہانت نبوت کی سزا صرف اور صرف قتل ہے، اس پر دلائل کے انبار موجود ہیں، جو اپنی عمومیت کے سبب لفظاً اور معنی اس پر دال ہیں۔ (ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں) میرے علم میں کوئی بھی عالم دین، فقیہ شریعت ایسا نہیں جس نے حکم مذکور سے اختلاف کیا ہو، البتہ اکثر فقہاء کا کلام اس سزا کے سلسلہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے والوں کے متعلق ہے، کیوں کہ اس کی ضرورت زیادہ ہے۔ آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کی اطاعت اجمالاً وتفصیلاً ہر طرح سے واجب ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی اہانت کا جرم دیگر انبیاء کی اہانت سے کہیں زیادہ ہے، جیسا کہ آپ کی حرمت وعظمت دیگر انبیاء سے کہیں زیادہ ہے، لیکن اس بات کا قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اہانت منصب رسالت میں تمام انبیاء ورسل آپ کے بھائی ہونے کی حیثیت سے شریک ہیں (اور ان کی اہانت آپ کی اہانت ہے) لہٰذا کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے کا خون حلال ہے اور وہ کافر واجب القتل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کہیں صحیح معنی میں اسلامی عدالت ہی نہیں، پوری دنیا الحاد اور دہریت کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اور وقفہ وقفہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی جسارت کی جارہی ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

☆......کیا سڑکوں پر آکر ٹائر جلانا چاہئے؟

☆......کیا عوام کی املاک کو نقصان پہونچانا چاہئے؟

☆......کیا احتجاجات کے ذریعہ سڑکوں کو روک کر نعرے بازی کرنی چاہئے؟

☆......کیا قتل وغارت گری کی بازار گرم کرنا چاہئے؟

☆......کیا مذکورہ حرکتوں کی اسلام اجازت دیتا ہے؟

ظاہر بات ہے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، مگر مسلمان ہے کہ انہیں کئے ہی جارہا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ تاکہ صحیح معنی میں ہم شریعت کے احکام کے مطابق ناموس رسالت کا دفاع کرسکیں، اگر ہم واقعۃً مسلمان ہیں اور حدود شریعت میں رہ کر ناموس رسالت کا دفاع کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مندرجۂ ذیل امور کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے:

(۱) اسلامی تعلیمات کی مکمل پیروی اور غیر اسلامی نظریات، افکار، خیالات، عادات اطوار، تہذیب وتمدن، معاشرت، سیاست وغیرہ سے کلی اجتناب کرنا ہوگا، خاص طور پر فیشن پرستی اور مادی افکار کو پوری ہمت اور استقلال کے ساتھ چھوڑنا ہوگا اور سادگی گذارنی ہوگی، یہی سب سے پہلے کرنے کے کام ہے، مگر اسے چھوڑ کر امت دیگر غیر شرعی طریقوں کو اختیار کررہی ہے۔

(۲) عالمی طور تمام مسلمانوں کو متحدہ ہو کر U.N.O. کو ایسے قانون کے وضع

کرنے پر مجبور کرنا ہوگا، جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اہانت کرنے والوں کو قتل کی سزا دی جائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو ناموس رسالت پر حملہ کرنے والوں کو کسی تدبیر سے قتل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۳) یورپ جوان تمام غلیظ وناپاک حرکتوں کی پشت پناہی کر رہا ہے، اسے مندرجہ ذیل طریقوں سے سبق سکھایا جائے:

(الف) مسلمان مغربی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

(ب) ڈالر، یورو اور پاؤنڈ کے ذریعہ معاملہ نہ کرکے اس کی ویلیو کو کم کرنا چاہیے۔

(ج) پورے عالم میں دین اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف پیش کرنا چاہیے۔

(د) اپنے علاقوں میں ایسی کمیٹیاں بنانی چاہیے جو بائیکاٹ پر لوگوں کو آمادہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔

(٤) ہر گھر میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت کی تعلیم کو عام کرنا چاہیے۔

(٥) نماز کا مکمل اہتمام کرنا چاہیے۔

(٦) زندگی کے ہر موڑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو معلوم کرکے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

(۷) بدعات وخرافات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۸) صحابہ سے محبت اور ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۹) علماء سے محبت اور ہر دنیوی ودینی معاملہ میں ان سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

(۱۰) اپنی اولاد کی صحیح اسلامی تربیت کرنی چاہیے۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو پڑھ کر اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا چاہیے۔

(۱۲) لوگوں کو سیرت سے وابستہ کرنے کے لیے سیرت کے عنوان پر مسابقات رکھنے چاہیے۔

غرض یہ کہ ہم سب پر اپنی استطاعت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع لازم ہے۔سارے مذاکروں اور سیمیناروں کے صحیح نتائج اسی وقت برآمد ہو سکتے ہیں جب کہ ہماری ان نشستوں اور محفلوں سے کوئی پیغام امت کے نام جائے،اور وہ پیغام اپنے بڑوں اور برابر والوں کی خدمت میں ادباً اور اپنے چھوٹوں سے شفقت وخیر خواہی سے یہ آج کا مسلمان عشق ومستی نبوی کا دعویدار،جذبہ حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار،خوب مبارک،لائق ستائش جذبہ ہے،لیکن گھروں سے نکل کر سڑکوں پر پہنچ کر احتجاج ومظاہرے کو عین دین سمجھتا ہے،یہ طریقۂ کار ایک لمحۂ فکر یہ بھی اور تعلیمات قرآن سے متضاد بھی،یہ بات ہمیشہ مؤمن کے پیش نظر رہے کہ اللہ نے مجھے اور آپ کو دعوت دین کا مکلّف بنایا ہے نہ کہ حفاظت دین کا،قرآن سے وابستہ ہو کر عامل قرآن ہونے کا مکلّف بنایا ہے،نہ محافظت قرآن کا ٹھیکہ دار،تعلیمات محمدیہ سے آراستہ ہو کر تمسک باللہ کا مکلّف بنایا ہے نہ محافظت رسول کا۔

اس لیے آؤ!داعیٔ دین متین کی دہلیز پر یہ عہد و پیمان کریں کہ اتباع رسول کا دامن نہیں چھوڑیں گے،مرتے دم تک ناموس رسالت پر حرف نہ آنے دیں گے،اور اللہ تعالیٰ کی بندگی،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور مخلوق خدا کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائیں گے،یہی آج کا پیغام ہے۔

75

خلاصۂ معروضات

عنوان

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجودہ واقعات اور تعلیمات قرآنی

مرض	اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اسبابِ مرض	(۱) حریت فکر (۲) حریت تعبیر (۳) حریت اظہار رائے (٤) عدم اتحاد مؤمنین
علاجِ مرض	(۱) اہتمام امر بالمعروف ونہی عن المنکر (۲) اہتمام صلاۃ وارکان نماز (۳) اہتمام مذاکرۂ حب نبیؐ (٤) تعلیمات اسلامیہ کا صحیح تعارف (افعال واقوال کے ذریعہ) (٥) صحابہ وصلحاء واولیائے امت کی سیرت وسوانح کا مطالعہ (٦) علماء سے محبت اوران سے دینی ودنیوی معاملات میں رہنمائی۔
پرہیز	(۱) خودغرضی (۲) بدعات (۳) خرافات (٤) دورخہ پن (٥) اورملی مفاد پر شخصی مفاد کو ترجیح دینے سے اجتناب اوراحتیاط کرنا۔

……معذورین کے احکام……

(۱) اگر کوئی شخص بوڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا لیکن اتنا کمزور نہیں ہے کہ کسب معاش نہ کر سکے، کسی قدر مشقت کے ساتھ سہی وہ کما کر خود اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے تو کیا ایسے شخص کو اس کی اولاد یا اعزہ و اقارب جن کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہے، کسب معاش پر مجبور کر سکتے ہیں؟

اولاد کے ذمہ والدین کا نفقہ واجب ہے جب کہ اولاد مالدار ہو، لیکن اگر اولاد تنگ دست ہو اور والدین مالدار ہوں تو اس صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوگا، نیز اگر والدین قادر علی الکسب ہوں تب بھی اولاد، والدین کو کسب معاش پر مجبور نہیں کر سکتی ہے اس لیے کہ یہ احسان کے خلاف ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں ''وقضی ربك ان لاتعبدو االاایاہ و بالوالدین احسانا'' (الاسراء۲۳) جیسا کہ الدکتور وھبۃ الزھیلی اپنی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ میں فرماتے ہیں ''تجب نفقۃ الوالدین وإن علوا عندالجمھور لقولہ تعالیٰ ''وقضی ربك ان لاتعبدو االاایاہ و بالوالدین احسانا'' (الاسراء۲۳) ومن الإحسان أن ینفق علیھما عندالحاجۃ، وقولہ عزوجل ''وصاحبھما فی الدنیا معروفا'' (لقمان ۱۰/۳۱) ومن المعروف، الانفاق علیھما ولو کانا مخالفین فی الدین، ولیس من المعروف أن یعیش إنسان فی نعم اللہ تعالیٰ ویترك أبویہ یموتان جوعا۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم ''إن أطیب ما أکلتم من کسبکم، وإنّ أولادکم من کسبکم (ابن ماجہ) فکلوہ ھنیئاً مریئاً'' نیز وجوب نفقہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ ''أن یکون الأصل فقیراً أو عاجزاً عن الکسب، فان کان قادراً علی الکسب فتجب أیضاً نفقتہ عند الحنیفۃ لأن اللہ تعالیٰ اَمر بالاحسان الی الوالدین وفی إلزام الأباء

بالإكتساب مع غنى الأبناء ترك للإحسان إليهم و إيذائهم و هو لايجوز،ويقبح بالإنسان أن يكلف قريبه الكسب مع إتساع ماله۔

اور اولاد پر نفقہ واجب ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اولاد مالدار ہو یا قادر علی الکسب ہو أن يكون الفرع موسرًا بمال أو قادرًا على التكسب فى رأى الجمهور۔

نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ اولاد کا مال یا اس کی کمائی اپنی ذات کے نفقہ سے زائد ہو، اگر اس کا مال اور آمدنی صرف اتنی ہے کہ جس میں صرف اس کا گذر بسر ہوسکتا ہے تو اس پر کوئی شے واجب نہیں ہوگی۔

وعلى رأى الجمهور،يشترط أن يكون مال الفرع أو مردود كسبه فاضلا عن نفقة نفسه إمامن ماله و إمامن كسبه فأمامن لايفعل عنه شئ فليس عليه شئ لحديث جابر المتقدم ''إذا كان أحدكم فقيرا فليبدأ بنفسه،فإن فضل فعلى عياله،فان كان فضل فعلى قرابته،وفى لفظ ابدأ بنفسك ثم بمن تعول۔

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں ''وعلى الرجل أن ينفق على أبويه.......... إذا كانوا فقراء يوافق باطلاقه قول السرخسى حيث قال إذا كان الأب قادرا على الكسب يجبر الإبن على نفقته،بخلاف قول الحلوانى أنه لايجبر إذا كان الأب كسوبا لأنه كان غنيا باعتبار الكسب فلاضرورة فى إيجاب النفقة على الغير....... فالمعتبر فى إيجاب نفقة الوالدين مجرد الفقر،قيل هو ظاهر الرواية لأنه معنى الأذى فى إيكاله إلى الكد و التعب أكثر منه فى التأفيف المحرم بقوله تعالى فلا تقل لهما أف''

اور صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں ''و أما نفقة الوالدين فلقوله تعالى ''وقضى ربك أن لاتعبدو إلا إياه و بالوالدين إحسانا '' (الاسراء۲۳)اى أمر ربك ''وقضى ربك أن لاتعبدو إلا إياه '' (الاسراء۲۳)أمر سبحانه و تعالى ''و وصينا

الإنسان بوالديه إحسانا (الاحقاف ١٥)والإنفاق عليهماحال فقرهمامن أحسن الإحسان،وقوله عزوجل ”ووصيناالإنسان بوالديه حسنا“ (العنكبوت٨)وقوله تعالى ”أن اشكرلى ولوالديك“ (لقمان ١٤)والشكرللوالدين هوالمكافاة لهماأمرسبحانه وتعالى الولدان يكافئ لهماويجازى بعض ماكان منهماإليه من التربية والبروالعطف عليه والوقاية من كل شرومكروه وذالك عندعجزهماعن القيام بأمرأنفسهماوالحوائجلهماوادرارالنفقةعليهماحال عجزهماوحاجتهمامن باب شكرالنعمة فكان واجبا،وقوله عزوجل”وصاحبهمافى الدنيا معروفا..... (لقمان ١٥) و الانفاق عليهماعندالحاجة من أعرف المعروف وقوله عزوجل ”ولاتقل لهماف ولاتنهرهما “ (الاسراء٢٣)وأنه كناية عن كلام فيه ضرب إيذاء،ومعلوم أن معنى التأذى بترك الإنفاق عليهماعندعجزهماوقدرة الوالدأكثرفكان النهى عن التأفيف فيهاعن ترك الإنفاق دلالة كماكان نهياعن الشتم والضرب دلالة۔

وروى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال ”إن أطيب ماياكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه فكلوه من كسب أولادكماذااحتجتم اليه بالمعروف “والحديث حجة بأوله واٰخره أمابأخره فظاهرلأنه أُطلق للأب الأكل من كسب ولده إذاإحتاج إليه مطلقًاعن شرط الإذن والعوض فوجب القول به۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ثم إعلم أن ماذكره المصنف من إشتراط اليسار فى نفقة الأصول صرح به فى ”كافى الحكم والدرر و النقاية والفتح والمكتفى والمواهب والبحروالنهرايضا “ولايجبرالمعسرعلى نفقة أحد..........وفى ”الخانية“لايجب على الإبن الفقيرنفقة والده الفقيرحكما“إلاأن كان والده زمنا لايقدرعلى العمل ولاإبن عيال فعليه أن يضمه إلى عياله وينفق على الكل ....

فی ظاهر الرواية يؤمر ديانة بالنفاق إن كان الإبن وحده ولوله عيال أُجبر على ضم أبيه معهم كيلا يضع،ولا يجبر على أن يعطيه شيئا على حدة۔

ان تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ والدین کے نفقہ کی چند صورتیں ہوں گی:

(۱) اولاد مالدار ہو اور والدین غریب ہوں تو بالاتفاق اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہوگا، چاہے والدین قادر علی الکسب ہوں یا نہ ہوں۔

(۲) اولاد اور والدین؛ دونوں ہی مالدار ہوں تو اولاد کے ذمہ والدین کا نفقہ دیانۃً واجب ہوگا، چاہے والدین قادر علی الکسب ہوں یا نہ ہوں۔

(۳) اولاد غریب ہو اور والدین مالدار ہوں تو اولاد پر والدین کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

(۴) اولاد اور والدین؛ دونوں ہی غریب ہوں لیکن والدین قادر علی الکسب ہوں تو اولاد پر والدین کا نفقہ دیانۃً تو واجب ہوگا قضاءً نہیں ہوگا۔

(۵) اولاد اور والدین؛ دونوں ہی غریب ہوں، نیز والدین قادر علی الکسب بھی نہ ہوں تب بھی اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہوگا، چاہے تنگ دستی کے ساتھ ہی ہو، چاہے علی حدہ طور پر نہ دے بل کہ اپنے عیال کے ساتھ دے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وہ بوڑھے لوگ کہ ان کی اولاد کی عدم موجودگی میں جن کا نفقہ دیگر اعزاء و اقارب پر واجب ہوتا ہے، ان کے سلسلے میں عبارات فقہیہ یہ ہیں:

مافی ''الفقه الاسلامی وأدلته ''تجب نفقة الأقارب من الحواشی وذوی الأرحام كالإخوة والأخوال والأعمام وأبناء الإخوةو العمات والخالات،لقوله تعالی ''وات ذاالقربىٰ حقه '' (الاسراء۲۶) وقوله سبحانه وتعالی ''واعبدوا الله و لاتشركوابه شيئا،و بالوالدين إحساناوبذی القربىٰ '' (النساء۳۶)

وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ''یدالمعطی العلیاوابدأبمن تعول أمك وأباك وأختك وأخاك ثم أدناك،وقال رجل یارسول الله من أبر؟قال ''أمك وأباك وأختك وأخاك ومولاك الذی یلی ذاك حق واجب ورحم موصولة''فهذه الایات والأحادیث تدل علی وجوب الإنفاق علی القریب العاجز''۔

مذهب الحنفیة:أن النفقة تجب لكل ذی رحم محرم كالعم والأخ وإبن الأخ والعمة والخالة والخال۔

لایثبت وجوب نفقة هولاء الأقرباء عندالحنفیة الا بالقضاء أوالرضاء حتی لوظفرأحدهم بجنس حقه قبل القضاء أوالرضاء لیس له الأخذ۔

ویشترط لوجوب نفقة هؤلاء الأقرباء،أن یكون القریب ذارحم محرم فقیرا عاجزاعن الكسب لصغرأوأنوثة أومرضی أوعمی أی فلاتقتصرهذه النفقة علی الصغیرأوالأنثی،وإنماتشمل الكبیرالعاجزعن الكسب..........ولابدمن تحقق وصف الحاجةأوالصغرأوالأنوثة أوالزمانة أوالعمی إمارة الحاجة لتحقق العجزفان كان القریب قادراعلی الكسب فلانفقة له علی قریبه،لانه غنی بكسبه فلاتجب نفقته علی أحد،بخلاف الأبوین لأنه یلحقهماتعب الكسب والولد مأموربدفع الضررعنهما،فتجب نفقتهمامع قدرتهماعلی الكسب۔

أن یكون المنفق مؤسرا:فلوكان القریب المحرم معسرالاتجب علیه النفقة لقریبه المحتاج،ولوكان قادراعلی الكسب،لأن وجوب هذه النفقةبطریق الصلة، والصلة تجب علی الغنی لاعلی الفقیر۔

بدائع میں ہے''أن نفقته ذی الرحم صلة والصلات إنماتجب علی الأغنیاء كالصدقة،وحدالغناء فی الشریعة ماتجب فیه الزكاة و ماقاله محمداوفق هوأنه إذا

کان له کسب دائم وهو غیر محتاج إلی جمیعه،فمازادعلی کفایته یجب صرفه إلی أقاربه کفضل ماله إذا کان له مال،ولا یعتبر النصاب لأن النصاب إنمایعتبرفی وجوب حقوق الله تعالی المالیة والنفقة حق العبد فلامعنی للإعتبار بالنصاب فیهاو إنمایمکن فیهاإعتبار الأداء۔

الموسوعة الفقهیه **میں اقارب کے نفقہ کے سلسلے میں ہے** ’’فمذهب الحنفیة والحنابلة أن النفقة وجب لهم فی الجملة لقوله تعالی وآت ذاالقربی حقه و قوله تعالی واعبدوا الله ولاتشرکوا به شیئاو بالوالدین إحساناو بذی القربی ‘‘فالله تعالی قدجعل حق ذی القربی بعدحق الوالدین فی الدرجةو أمربالإحسان إلیهم کماأمربه إلی الوالدین ومن الإحسان إلیهم الإنفاق علیهم،ولقوله علیه السلام فیما رواه طارق المحاربی رضی الله تعالی عنه قال قدمناالمدینة فإذارسول الله صلی الله علیه وسلم قائم علی المنبریخطب الناس وهویقول’’یدالمعطی العلیاوابدأبمن تعول أمك وأباك وأختك وأخاك ثم أدناك أدناك‘‘۔

شروط وجوب نفقة:

أن یکون المنفق علیه فقیراعاجزاعن الکسب بسبب الصغرأو الأنوثة أو الزمانة أو العمی،لأنهاإمارة الحاجة ولتحقیق العجزفان القادر علی الکسب غنی بکسبه۔أن یکون المنفق واجدامایتفق فاضلاعن نفقةنفسه وعیاله وخادمه وإن کان من أهل الحرف فهومقدربمایفضل عن نفقته ونفقة عیاله کل یوم،لأن المعتبر فی حقوق العبادو القد رةدون النصاب وهو مستغن عمازادعلی ذالك،فیصرفهاإلی أقاربه وهذاأوجه۔

ان عبارات مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ،وہ بوڑھے کہ جن کا نفقہ ان

بوڑھوں کی عدم موجودگی میں دیگر اعزاء واقارب پر واجب ہوتا ہے اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) وہ بوڑھے لوگ اگر خود مالدار ہوں تو ان کا نفقہ کسی پر واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ قاعدہ ہے۔ نفقة كل إنسان في ماله إلاالزوجةفنفقتها على زوجها۔

(۲) وہ بوڑھے لوگ اگر غریب ہوں اور قادر علی الکسب بھی ہوں اور ان کے اعزاء مالدار ہوں تو ان پر، ان بوڑھوں کا نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) وہ بوڑھے لوگ غریب ہوں؛ مگر قادر علی الکسب ہوں اور ان کے اعزاء مالدار ہوں تب بھی ان کا نفقہ ان کے اعزاء پر واجب تو نہیں ہوگا، لیکن ان کے مالدار اقرباء کو ایسے بڑھاپے کی حالت میں ان بوڑھے لوگوں کو کسب معاش پر مجبور کرنا مروت کے خلاف ہے۔

(۴) وہ بوڑھے لوگ غریب ہوں اور ان کے اعزاء بھی غریب ہوں کہ ان کے پاس اپنی ذات اور اپنے عیال کے نفقہ کے بعد کچھ بچتا نہ ہو تو ان پر بھی نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

(۵) اور اگر یہ بوڑھے لوگ مالدار ہوں اور ان کے اعزاء غریب ہوں تو بالاتفاق ان بوڑھوں کا نفقہ ان کے غریب اعزاء کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

(۲) <u>سن رسیدہ حضرات کا نفقہ وعلاج کن صورتوں میں دوسروں پر واجب ہوگا؟</u>

ماقبل میں مذکور عبارتوں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ:

سن رسیدہ حضرات کا نفقہ وعلاج اس وقت دوسروں پر واجب ہوگا جب یہ لوگ محتاج اور فقیر ہوں اور قادر علی الکسب نہ ہوں تو بالاتفاق ان کا نفقہ اور علاج دوسروں پر واجب ہوگا۔ اور اگر یہ لوگ مالدار ہوں یا قادر علی الکسب ہوں تو اس صورت میں ان کا نفقہ دوسروں پر واجب نہیں ہوگا الا یہ کہ ان کی اولاد موجود ہو تو ان کی اولاد پر ان کا نفقہ

اورعلاج واجب ہوگا؛مگر یہ کی اولاد بھی محتاج اور والدین مالدار ہوں تو اس صورت میں اولاد پر والدین کا نفقہ وعلاج واجب نہیں ہوگا۔

(۳) بوڑھے والدین یا خاندان کے وہ بڑے جن کا نفقہ ان کے چھوٹوں پر محتاجی کی صورت میں واجب ہے ،اگر وہ محتاج نہ ہوں خود صاحب ثروت ہوں تب بھی وہ اپنی اولاد سے یا ان لوگوں سے جن پر بحالتِ حاجت نفقہ واجب ہوتا ہے زیادہ سہولت کے لیے یا دوسرے لوگوں پر خرچ کرنے کے لیے یا کچھ رقم محفوظ کرنے کے لیے زائد رقم کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں عبارات فقہیہ کچھ اس طرح ہیں کہ:

نفقة القرابةفی الجملةتجب بقدرالکفایة کماتقدم،لأنهاتجب للحاجة فقدرت بالکفایة۔(الفقه الاسلامی وادلته:۱۰/۷۳۲٤)

مافی ''موسوعةالفقهیه'' إتفق الفقهاء علی أن الواجب فی نفقةالأقارب قدرالکفایة من الخبزوالأدم والکسوةوالسکنی والرضاع إن کان رضیعا لأنها وجبت للحاجة فتقدربماتندفع به الحاجة۔(۱۱/۸۱)

مافی ''البدائع الصنائع '' فصل:وأمامقدارالواجب منهافمقدارالکفایة،لأن وجوبهاللکفایة فتقدربقدرالکفایة کنفقةالأقارب۔(٤/٤٥٤)

مافی ''سنن ابی داؤد''عن عمروابن شعیب عن أبیه عن جده أن رجلا أتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال:یارسول الله إن لی مالا وولدا،وان والدی یحتاج مالی،قال أنت ومالك لوالدك ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوامن کسب اولادکم۔(ص۴۹۷)

مافی ''عون المعبود'' قال له أنت ومالك لوالدك علی معنی أنه إذاإحتاج

إلى مالك أخذ منك قدرالحاجة كماياخذ من مال نفسه، و اذالم يكن لك مال وكان لك كسب لزمك ان تكتسب و تنفق عليه۔(ص ۱۵۱۰)

مافى ''بذل المجهود''قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:إن من أطيب ما أكل الرجل من كسبه......(وولده من كسبه)فيطيب له الأكل من مال ولده وقيده الفقهاء بالحاجة،أى إذاإحتاج إليه،و أماإذالم يحتج فلايجوزله الأكل الاباذنه۔

ومافى هامشه:يجوزعنداحمدمطلقا،سواء إحتاج أم لا،بشرطين أحدهما، لايجحف ماله،الثانى:يأخذه لنفسه و لايعطيه غيره،واستدل بهذه الروايات،وخالفه الأئمة الثلاثة،وقالوالايجوزإلاأن يحتاج،فيأخذبقدرحاجته۔

كذافى المغنى(۲۷۲/۸،بذل المجهود)

عبارات بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:

بوڑھے والدین اور خاندان کے وہ بڑے جن کا نفقہ محتاجی کی صورت میں ان کے چھوٹوں پر واجب ہوتا ہے، اگر وہ خود صاحبِ ثروت ہوں تو زیادہ سہولت کے لیے یا دوسروں پر خرچ کرنے کے لیے، یا کچھ محفوظ کرنے کے لیے زیادہ رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتے، اس لیے کہ شریعت نے ان تمام لوگوں کا نفقہ ان کے چھوٹوں پر صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ حاجت ہی واجب قرار دیا ہے اور یہ صورت یہاں مفقود ہے۔

البتہ اگر اولاد بھی صاحب ثروت ہو اور والدین کا اولاد کے پیسوں کو زیادہ سہولیات کے لیے استعمال کرنا یا دوسروں پر خرچ کرنا یا ان پیسوں کو محفوظ کرنا اولاد پر گراں نہ گذرتا ہو، بل کہ اولاد، والدین کے اس طریق سے خوش ہوں تو جائز و درست ہے؛ مگر اس صورت میں بھی والدین کو اولاد کی آمدنی کا خیال رکھنا چاہئے اور بے جا اور

فضول خرچی سے اجتناب کرنا چاہئے اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔

(٤) ایک اہم مسئلہ والدین اور بزرگوں کی جسمانی خدمت، خاص کر جب انسان چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور کسی ضرورت کو پوری کرنے میں سہارے کا محتاج ہو جائے ایسی صورتِ حال میں اگر بیٹا زیادہ پیسہ کمانے کی غرض سے دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے ملک میں چلا جائے تو بوڑھوں کی دشواریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

ان حالات میں:

الف: کیا زیادہ آمدنی کے لیے لڑکوں کا اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز ہے؟

ب: اگر بہو؛ ساس سسر کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو یا اس کی ساس کو خدمت کی ضرورت ہو لیکن کوئی خدمت گار موجود نہ ہو اور بیٹیوں کو ان کے شوہروں کی طرف سے میکے میں رہنے کی اجازت نہ ہو تو اس صورت میں بہو کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور کیا اسے اس کے ساس سسر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟

ج: ماں کی خدمت صرف بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی؟ بعض اوقات بیٹیاں اپنے والدین کی مجبوری اور بے بسی کو دیکھتے ہوئے اپنے والدین کی خدمت کرنا چاہتی ہیں لیکن ان کے شوہر ان کو اس کی اجازت نہیں دیتے، کیا ان کے شوہر کو اس کا حق حاصل ہے؟

حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حدثنا آدم حدثنا شعبة ....قال سمعت عبدالله بن عمر و رضی الله عنهما يقول: جاء رجل إلى النبی صلى الله عليه وسلم فاستأذنه فی الجهاد فقال: أحیٌّ والداك؟ قال نعم. قال: ففيهما فجاهد (بخاری ٣٠٠٤)

مافی ”فتح الباری“ ”لأن برهما فرض عين عليه والجهاد فرض كفاية فإذا

تعین الجهادفلاإذن.......واستدل به على تحريم السفر بغير إذن لأن الجهادإذامنع مع فضيلة فالسفرالمباح اولى(١٧/٦)

مافی ''عمدة القاری ''إن كان أبواه يضيعان بخروجه ففرضه ساقط عنه اجماعًا۔

مافی ''تحفة الأحوذی''قوله ففيهمافجاهدای ففی الوالدين فجاهد..... ......ولفظ ''جاهد''المذكورمفسرله.........و معناه: خصصهمابالجهاد، وهذاكلام ليس ظاهره مرادًا،لأن ظاهرالجهادإيصال الضررللغير،وإنماالمرادإيصال القدرالمشترك من كلفة الجهاد، و هوبذل المال وتعب البدن فيؤوّل المعنى إلى ''أبذل لی مالك وأتعب بدنك فی رضی والديك''(٣٠٩/٥)

مذکورہ بالا حدیث اوراس کی مختلف توضیحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد پر والدین کی جسمانی خدمت بھی لازم ہے،جب کہ والدین،اولاد سے جسمانی خدمت کی محتاج بھی ہوں۔(یعنی خود سے اپنی ضرورت پوری کرنے پر قادر نہ ہوں)

(الف)......ایسی صورت حال میں اولاد کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگا کہ وہ والدین کو اس حالت میں چھوڑ کر کسی دوسری جگہ زائد پیسہ کمانے کی غرض سے جائے،اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے محتاج اور بوڑھے ہونے کی حالت میں ان کی اولاد کو جہاد جیسے عظیم فریضہ سے روک دیا تو زائد از ضرورت پیسہ کمانا تو کوئی عبادت بھی نہیں لہٰذا اس کے لیے والدین کو چھوڑنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مافی ''موسوعة الفقية ''وذهب الحنفيةإلى وجوب خدمة المرأة لزوجها ديانةلاقضاء لأن النبی صلى الله عليه وسلم قسم الأعمال بين علی وفاطمة رضی الله عنهما،فجعل عمل الداخل على فاطمةوعمل الخارج

علی علی رضی الله عنه(١٩/ ٤٤)

مافی "الهندية" قالوا ان هذه الأعمال واجبة عليهاديانة وإن كان لايجبرها القاضي۔(١/ ٥٤٨)

مافی "البحرالرائق" قوله(والسكنى فى بيت خال عن اهله وأهلها)....... أى يجب السكنى فى بيت أى الإسكان للزوجة على زوجها............فتجب لها كالنفقة..........وإذا وجبت حقالهاليس له أن يشرك غيرهافيه لأنهاتتضرربه۔

(ب)......مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:

بہو پر ساس سسر کی خدمت واجب نہیں ہے۔اس لیے کہ جب بیوی پر اپنے شوہر کی خدمت ہی قانوناً واجب نہیں بلکہ دیانۃً واجب ہے تو شوہر کے رشتہ داروں اور شوہر کے والدین کی خدمت کیسے لازم ہوگی اور علاحدہ گھر یہ بیوی کا حق ہے اپنی استطاعت کے مطابق بیوی کو علاحدہ گھر دینا ضروری ہے،لہٰذا بیوی کو ساس سسر کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ شامی میں ہے"وبيت منفردمن دارله غلق قوله......والظا هر أن المرادبالمنفردماكان مختصابهاليس فيه مايشاركهابه أحد من أهل الدار۔

اسی طرح شامی میں ایک جگہ ہے ولوأرادأن يسكنهامع ضرتهاأومع إحمائها كامه وأخته وبنته فأبت فعليه أن يسكنهافى منزل منفرد لأن أبانهادليل الأذى والضرر۔(٥/ ٢٥٥)

البتہ بہو کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ساس سسر کی بھی خدمت ایسے ہی کرے جیسے اپنے والدین کی خدمت کرتی ہے،لیکن سسر کی جسمانی خدمت نہ کرے اور ساس سسر کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی بہو کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھیں اس پر بے جا زیادتی نہ کریں۔

(ج)......مافی تنویرالابصارعلی الد رالمختار"ولایمنعهامن الخروج إلی الوالدین "فی کل جمعةإن لم یقد راعلی إتیانهاعلی ماإختاره فی "الاختیار" ولوأبوهازمنامثلا فاحتاجهافعلیهاتعاهده ولو کافراوان أبی الزوج(۵/۲۵۷)

مافی مجمع الانهر(لایمنعهامن الخروج الی الوالدین ولامن دخولهما علیهافی الجمعة)أی سبعةأیام(مرة)قیدللخروج والدخول کلیهما(و) کذالایمنع (فی)الدخول..............أو کان لهاحق علی آخراوله علیها۔(۲/۱۸۷)

مافی "خلاصة الفتاوی "للزوج أن یضرب إمرأته علی أربع خصال...... والخروج من البیت أمالایمنع من زیارة الأبوین فی کل جمعة.........وفی الفتاوی امرأة لهاأب زمن ولیس له من یقوم علیه غیرالبنت ویمنعهاالزوج من تعاهده جازلهاأن تعصی زوجهاوتطیع أباهاسواء کان الأب مسلماأو کافرا۔

وفی مجموع النوازل یجوزللزوج أن یأذن لهابالخروج إلی سبعة مواضع إذاإستأذنته،زیارة الأبوین وعیادتهماوتعزیتهماأوأحدهما...........أو کان لهاعلی اخرحق أولاخرعلیهاحق یخرج بالإذن وبغیرالإذن۔(۲/۵۳)

ماں باپ کی خدمت جس طرح بیٹوں پرواجب ہے اسی طرح بیٹیوں پر بھی واجب ہے،قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "وقضی ربك ان لاتعبدوا الاایاه وبالوالدین احسانا "(الاسراء۲۳) **اسی طرح جس جس جگہ والدین کے حقوق بیان کئے گئے ہیں تو خطاب خاص مذکر سے نہیں ہے بل کہ مطلقاً اولاد سے ہے،اوراولاد میں جس طرح مذکراولاد ہوتی ہے اسی طرح مؤنث اولاد بھی ہوتی ہے،لہٰذاوالدین کے حقوق مذکر ومؤنث دونوں اولادوں پر ہوں گے۔**

اسی طرح اگروالدین خدمت کے محتاج ہوں،بیمار ہوں اوران کی خدمت

کرنے والا کوئی بیٹا موجود نہ ہو تو بیٹی کے شوہر کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے والدین سے ملنے اور ان کی خدت کرنے سے روکے، ہاں اگر ان کی خدمت کرنے والے دوسرے لوگ موجود ہوں تب بھی بیوی کا حق ہے کہ اس کو ہفتہ میں ایک مرتبہ والدین سے ملنے کی اجازت دے، اگرچہ رات گذارنے سے منع کرسکتا ہے، لیکن جب کسی ایسی جگہ پر رہتا ہو کہ ہر ہفتہ کی ملاقات ممکن نہ ہو تو مہینہ دو مہینہ میں کچھ دن والدین کے ساتھ گذارنے کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

(۵) انسان کو جس طرح جوانی میں بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح وہ بڑھاپے میں بھی بیوی کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ اس عمر کے سرد گرم کو سہنا اس کے لیے آسان ہو جائے، ہندوستان کے معاشرہ میں عام طور پر بیٹے اور بیٹیاں اپنی والدہ کے فوت ہونے کے بعد والد کے دوسرے نکاح میں رکاوٹ بنتے ہیں، کیا ان کا یہ رکاوٹ بننا درست ہے؟ اور اگر خود والد میں اپنی بیوی کی کفالت کی استطاعت نہ ہو تو اس سلسلے میں کیا اولاد پر بھی اس نسبت سے کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

قال اللہ عز وجل ''وأنکحوا الأیامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم'' (النور۳۲)......وعن شدادبن اوس انہ قال لاھلہ ''زوجونی فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أوصانی أن لاألقی اللہ أعزب،ألاتری أن إسم الایامیٰ ینتظم الرِّجال والنساء''۔(احکام القرآن للجصاص۳/۴۱۳)

قولہ تعالیٰ ''الأیامیٰ منکم'' ای الذین لازواج لھم من الرجال والنساء۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کا والد کے دوسرے نکاح میں رکاوٹ بننا درست نہیں ہے، اس لیے کہ بعض جسمانی خدمتیں بڑھاپے میں بھی ہوتی ہیں، جس کو بیوی کے علاوہ کوئی اور اچھے طریقہ پر انجام نہیں دیتا ہے،

الأیامیٰ منکم میں جس طرح بغیر شادی شدہ لوگ شامل ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی بیویوں کا انتقال ہوگیا ہو، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی تصریح فرئی ہے، اسی طرح مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے بھی معارف القرآن میں اس بات کو بیان کیا ہے۔

مافی ردالمحتار، قوله (وعلیه نفقة زوجة أبیه) أی فی روایة وفی أخریٰ إن کان الأب مریضاً أو به زمانة یحتاج للخدمة..........وأن الوجوب مطلقاً عن روایة أبی یوسف۔(۲۷۳/۵)

مافی فتح القدیر وفی الفتاوی یجبر الإبن علی نفقة زوجة أبیه.......... وفی نفقات الحلوانی قال فیه روایتان: فی روایة کما قلنا، و فی روایة إنما تجب نفقة زوجة الأب إذا کان الأب مریضاً أو به زمانة یحتاج إلی الخدمة (۳۷۸/٤)

اگر والد میں خود اپنی بیوی کی کفالت کی استطاعت نہ ہو تو اولاد پر والد کی بیوی کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور حنفیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر باپ مریض ہو اور بیوی کی خدمت کا محتاج ہو تب اولاد پر باپ کی بیوی کا نفقہ واجب ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے ”وبالوالدین إحسانا“ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور احسان یہ ہے کہ والد کے ساتھ تو اچھا سلوک کیا ہی جائے گا بل کہ والد کے متعلق کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے گا۔

<u>(٦) بعض اوقات اولاد والد کی زندگی میں جائداد کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں اور اپنا حق سمجھتے ہیں، کیا اولاد کے لیے ایسے مطالبہ کی گنجائش ہے؟ خاص کر ایسی صورت میں جب کہ والدین کی معاشی حالت بہتر اور اولاد محتاج ہوں؟</u>

مافی البحر الرائق ”وأما بیان الوقت الذی یجری فیه الإرث..........“ و

قال مشایخ بلخ"الإرث یثبت بعد موت المورث"(۳٦٤/۹)

مافی الد رالمختار "وھل إرث الحي أم من المیت"؟......... المعتمد الثانی..........لان الترکة فی الإصطلاح ماترکه المیت من الأموال صافیاعن تعلق حق الغیربعین الأموال(۱۰/٤۰۷)

مافی ردالمحتار "وشروطه ثلا ثة موت مورث حقیقیة،أوحکما کمفقود أوتقدیر کجنین فیه غرة ووجودوإرثه عندموته حیاحقیقةأو تقدیرا کالحمل والعلم بجهة إرثه"۔

مذکورہ بالاعباراتِ فقہیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد کا والد کی زندگی میں بطورِوراثت کے جائداد کی تقسیم کا مطالبہ درست نہیں ہے، اس لیے بھی شخص کا مال وارثوں کے درمیان اس کی موت کے بعد ہی بطورِوراثت تقسیم ہوا ہے۔

لیکن اگر اولاد نادار ہو اور والدین غنی ہوتو ایسی صورت میں بطورِصلہ رحمی کے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اولاد کی مدد کرے۔

ہاں اگر اولاد معذور ہو جسمانی طور پر یا عقلی طور پر اور قادر علی لکسب نہ ہوتو اس صورت میں اولدین کے اوپر اپنی بالغ اولاد کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

وأماالولدالکبیر:فلاتجب نفقته علی الأب إلاإذاکان عاجزاعن الکسب لآفة فی عقله کالجنون والعته،أوآفة فی جسمه کالعمی والشلل وقطع الیدین والرجلین أوبسبب طلبه العلم أوبسبب إنتشارالبطالةوعدم تیسرالکسب له أوبسبب المرض المانع له من الإکتساب۔

وأوجب الحنابلةخلافاللجمهورالنفقة للولدالکبیرالفقیر،ولوکان صحیحا،کماأوجبوهاللوالدالفقیرولوکان صحیحالأنه ولدأووالدفقیرمحتاج

فـاسـتـحق النفقة على والده أوولده الغنى، كمالو كان مريضابمرض مزمن أو مـكـفـوفاويكون المبدأعندالحنابله هووجوب نفقة المولودين والوالدين دون أشتراط نقص الخلقةاونقص الاحكام المكلف بهافى ظاهرالمذهب۔

(١٠/ ٧٤١٣)

مافى ''فتـح القدير''أن يـكـون الأب غنياوالأولاد كبارافاماأناث أوذكور فالأناث عليه نفقتهن إلى أن يتزوجن إذالم يكن لهن مال و ليس له أن يؤاجرهن فى عـمـل ولاخدمة وإن كان لهن قدرة وإذاطلقت وإنقضت عدتهاعادت نفقتهاعلى الأب والـذكـورإمـاعاجزون عن الكسب لزمانةأوعمى أوشلل أوذهاب عقل فعليه نفقتهم۔(ص٤)

مافى ''الموسوعة الفقهية''أن يـكـونوافقيرالامال لهم ولاكسب يستغنون بـه عـن إنـفـاق غيـرهـم عليهم فان كانوامؤسرين بمال أوكسب فلانفقة لهم لأنها تجب على سبيل المواساة والمؤسرمستغن عن المواساة۔(٤١/٧٩)

مذکورہ بالا دلائل فقہیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد کوکوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ والدین کی زندگی میں ان کے مال پر اپنا استحقاق جتائے اوراس کا مطالبہ کرے صرف اولاد کے غریب ہونے کی صورت اورقادرعلی الکسب نہ ہونے کی صورت میں والدین پران کا نفقہ واجب ہوگا لیکن امام مالکؒ کے قول کے مطابق اولادغریب ہو خواہ تندرست ہوتب بھی مالداروالدین پراولاد کا نفقہ واجب ہوگا،جیسا کہ والدین کے قادرعلی الکسب ہونے کے باوجواولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

<u>(۷) مغربی ملکوں میں عمر دراز لوگوں کے لیے ہاسٹل بنادیئے گئے ہیں،اب ہندوستان میں بھی جگہ جگہ ایسے ہاسٹل بن رہے ہیں،جن میں نوجوان اپنے بزرگوں کوداخل کردیتے</u>

ہیں، اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ ان عمر دراز حضرات کو ایک جگہ اپنی ضرورت کی چیزیں مہیا ہو جاتی ہیں اور اپنے ہم عمر لوگ مل جاتے ہیں، دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں، عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان چاہتا ہے کہ اس کے بال بچے اس کے قریب رہیں، اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ایسے ہاسٹلوں میں ان کی یہ خواہش، ایک حسرت بن جاتی ہے، تو ایسے ہاسٹلوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟ کیا کوئی شخص اپنے بزرگوں کو ایسے ہاسٹلوں میں قیام پر مجبور کر سکتا ہے؟

قال الله تبارك وتعالىٰ "**وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا o وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا**" (الاسراء ۲۳/۲٤)۔

مافی "التفسیر الکبیر للإمام الفخر الرازی" قوله (یبلغن عندك الکبر إحدهما أو کلاهما) معناه: إنهما یبلغان إلی حالة الضعف والعجز فیصیران عندك فی آخر العمر کما کنت عندهما فی اول العمر۔

مافی "روح المعانی" ومعنی (عندك) فی کنفك و کفالتك۔ (۷۸/۹)

مافی "التفسیر المظهری" ومعنی (عندك) ای فی کنفك و کفالتك۔ (۲۷۸/۵)

مافی "الصحیح المسلم" حدثنا سعید بن منصور.......... إن عبدالله بن عمرو بن العاص........ قال: فهل من والدیك احد حی؟ قال نعم بل کلاهما قال فتبتغی الأجر من الله، قال نعم قال: فارجع الی والدیك فاحسن صحبتهما۔ (۳۱۳/۱)

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن

سلوک مطلوب ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ''إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما'' سے پتہ چلتا ہے کہ حسن سلوک اور احسان یہ ہے کہ والدین اولاد کے ساتھ ان کے گھر میں رہیں نہ کہ ہاسٹل وغیرہ میں، لہٰذا کوئی شخص بزرگوں کو ایسے ہاسٹلوں میں قیام پر مجبور نہیں کرسکتا۔

(۸) بڑھاپے کی عمر میں اگر انسان کا ہاتھ خالی ہو تو اس کی بے سہارگی اور بڑھ جاتی ہے اور اگر اس کی اولاد یا قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تب تو انسان اپنے آپ کو اس دنیا میں تنہا محسوس کرنے لگتا ہے، کیا ایسے لوگوں کی اجتماعی کفالت کے لیے خصوصی طور پر زکاۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟

مافی ''الموسوعة الفقهية'' ''لاخلاف بين الفقهاء في أن نفقة العاجز الذي لاعائل له ولاقدرة له على الكسب ولايملك مالاتجب في بيت المال لأنه معد للصرف على ذوي الحاجات والمعدين ومن هم في مثل حاله ممن لاقدرة لهم على كسب كفايتهم ولاعائل لهم تجب نفقتهم ولانهم أجازوا دفع الزكاة اليه عند عدم قدرته على التكسب أو عند عدم قدرته على تحقيق كسب يكفيه واعتبروا القدرة بغير كسب تكفي لحاجته كعدمها، لأنها حينئذ لاتكسو من عري ولاتشبع من جوع ولأنه بحاله هذا يعد فقيرا والفقير تجب كفايته من بيت المال وهذه الكفاية تشمل سائر مايحتاجه من مطعم وملبس ومسكن وأجرة خادم و نفقته إن كان في حاجة إلى خادم بأن كان مسنا أو زمنا لايستطيع القيام بخدمة نفسه وليس له من يقوم على رعايته وخدمته۔ (۴۱/۹۹،۱۰۰)

مافی ''الدر المحتار'' ''فمصرفه المشهور هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم، فيعطى منه نفقتهم وأدويتهم و كفنهم وعقل جنايتهم.........وحاصله

أن مصرفه العاجزون الفقراء۔(۲۵۶/۳)

عبارات مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ: ایسے لوگ جن کی اولاد اور قریبی رشتہ دار نہ ہوں مزید یہ کہ وہ بوڑھے اور نادار بھی ہوں تو ایسے لوگوں کی اجتماعی کفالت کے لیے زکاۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ یہ زکاۃ کا مال ان کی ضروریات میں ان پر بطور ملکیت خرچ کیا جاتا ہو۔

(۹) عمر دراز لوگوں کے لیے حکومتوں نے مختلف چیزوں میں بعض خصوصی رعایتیں رکھی ہیں جیسے ٹرین وغیرہ میں کرایہ میں تخفیف، حکومت کی طرف سے امدادی وظیفہ، ٹیکس میں رعایت وغیرہ، جولوگ ان رعایتوں کے لیے مطلوب مقررہ حد عمر کو نہ پہنچے ہوں کیا ان کے لیے ایسی رعایتوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

مافی ''السنن الترمذی ''عن ابی هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ''من غش فليس منا''۔(۲٤٥/۱)

مافی ''مشکاۃالمصابیح ''عن أنس قال کلماخطبنارسول الله صلى الله عليه وسلم إلاقال ''لاإيمان لمن لاأمانةله ولادين لمن لاعهد له''۔(۱۵/۱)

مافی ''السنن الترمذی ''عن عبدالله بن مسعودقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ''.........وإياكم والكذب فإن الكذب يهدى الى الفجور وإن الفجوريهدى إلى النار''۔(۱۸/۲)

حکومتوں کی جانب سے عمر دراز لوگوں کے لیے جو خصوصی رعایتیں ہیں، ان رعایتوں سے ایسے لوگوں کا فائدہ اٹھانا جو مطلوب مقررہ حد عمر کو نہ پہنچے ہوں، یہ ایک قسم کا دھوکہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ بحمداللہ ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امت مسلمہ کے اختلافی مسائل اور ان کا حل

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين، محمدو على آله وأصحابه أجمعين، امابعد!

اللہ رب العزت نے چوں کہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف بنائی ہیں اور ہر شخص کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے انسانوں کے درمیان اختلافِ رائے کا ہونا ایک لازمی اور لابدی امر ہے، جس سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب دو انسانوں کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے تو بشری تقاضے سے کبھی ایک دوسرے سے کچھ رنجش بھی پیدا ہو جاتی ہے، مگر انسانی اخلاق کا کمال یہ ہے کہ اس طبعی رنجش کے باوجود اپنے آپ کو بے قابو نہ ہونے دے اور نزاع وفساد سے احتراز کرے۔

صحابۂ کرام بھی چوں کہ بشر ہی تھے اور بشری لوازم سے متصف تھے اس لیے ان کے مابین بھی اختلافِ رائے رونما ہوا اور اس اختلاف کی وجہ سے ان کے مابین بھی کبھی اَن بَن ہو جاتی تھی، مگر یہ حضرات اس کے باوجود نفسیات سے گریز کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔ مثلاً:

ایک مرتبہ بنوتمیم کا ایک قافلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے پیش کی کہ ''قعقاع بن معبد'' کو امیر بنایا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں بل کہ ''اقرع بن حابس'' کو امیر بنایا جائے

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خفا ہو گئے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہہ دیا مَـا اَرَدُتَّ اِلَّا خِلَافِی کہ تمہارا منشاء صرف میری مخالفت کرنا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے، پھر دونوں حضرات میں کچھ بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یاایھا الذین آمنو الاتقد موا بین یدی اللہ و رسولہ.... الآیۃ''۔(روح المعانی، حجرات:۱/)

مگر چوں کہ یہ اختلاف نفسیاتی نہیں بل کہ طبعی تھا، یہی وجہ ہے کہ اس اختلاف رائے کے باوجود ان دونوں کے مابین قلبی تعلق اخیر زمانے تک قائم رہا چناں چہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''ما انت قائل لربك اذا سألك عن استخلا فك عمر علینا و قد تری غلظته'' کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو ان کی سختی کے معلوم ہونے کے باوجود ہمارا خلیفہ تو مقرر فرما دیا لیکن اگر آپ کے رب نے اس سلسلے میں آپ سے پوچھ لیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا'' مجھے میرے رب کے بارے میں خوف نہ دلاؤ میں تو اپنے رب سے کہہ دوں گا، اللھم استخلفت علیھم خیر أھلك ''میں نے ایسے شخص کو خلافت سونپی ہے جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔(حیاۃ الصحابہ ج۲ ص:۱۹۹/)

اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''اگر تم یہ کہتے ہو تو یقین جانو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورج، عمر سے بہتر کسی انسان پر طلوع نہیں ہوا ہے''۔ (مشکوۃ شریف: ص ۵۵۷/ ۵۵۸ باب مناقب عمرؓ، الفصل الثانی)

اس سے یہ بات واضح ہوگی کہ حضرات شیخین کے مابین جو اختلاف رائے رونما ہوا، وہ طبعی اختلاف تھا ورنہ حقیقتاً دونوں ایک دوسرے کا دل سے احترام کرتے تھے اور وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خواہشات کو کبھی مقصد نہیں بنایا تھا ان کا مقصد تو صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہوا کرتا تھا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے سلسلے میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا، وہ سب کو معلوم ہے، مگر اس کے باوجود ان دونوں کے تعلقات بھی قابل دید وتقلید ہیں، مثلاً:

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف بیان کرو، تو انہوں نے اولاً معذرت کی، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار پر جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف

بیان فرمائے اور آپؓ کے علم وتقویٰ، زہد وقناعت اور فکرِ آخرت میں رات کو رونے اور تڑپنے کو بیان کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ آپؓ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور آپؓ آستین سے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے فرمانے لگے ''کذا کان ابو الحسن'' کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے ہی تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس رونے کو دیکھ کر حاضرین بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔

یہ مثالیں تو بطور نمونہ کے بیان کردی گئیں ورنہ اس کے علاوہ سیکڑوں مثالیں ہیں کہ آپسی اختلافِ رائے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہمیشہ ایک دوسرے کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

چوں کہ صحابہ کرام نے اختلاف رائے کے باوجود ہمیشہ قلبی اتحاد واتفاق کو برقرار رکھا، اس لیے مخالف طاقتیں ان کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہوسکیں، چناں چہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلاف ہوا اور جنگ کی نوبت آگئی تو اس دوران قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ''علی نے تم کو ستا رکھا ہے، اس لیے اگر تم کہو تو میں تمہاری مدد کے لیے فوج بھیج دوں، تو حضرت معاویہؓ نے جواب لکھا ''اے نصرانی کتے! میرے اور علی کے درمیان جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟ یاد رکھ! اگر تو نے حضرت علی کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے

علی کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا''

(اسلام میں اختلاف کے اصول، آداب اور حدود ص:۷۸ر)

قلبی اتحاد و اتفاق باقی رکھنے کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ مذکورہ واقعہ سے ظاہر ہو گیا۔

مگر بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا اختلاف رائے ہمیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتا ہے کہ پھر مقابل سے کسی طرح کا تعلق رکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا، اور اس کے نام سے بھی ہمیں نفرت ہو جاتی ہے، اور اس طرح مخالف کے لیے ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا بہت سہل اور آسان ہو جاتا ہے، اور یہی وہ مذموم اختلاف ہے، جس سے اللہ رب العزت نے مؤمنین کو بچنے کی تاکید فرمائی ہے ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم (سورۂ انفال ۴۶)

کہ آپس میں تنازع اور فساد کی صورتیں نہ پیدا کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (اور مخالف تم پر آسانی سے قابو پالے گا)۔

بہرحال اتنی بات تو طے ہے کہ کوئی بھی قوم یا جماعت اس وقت تک اپنے مشن میں مکمل طور سے کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ اس قوم یا جماعت کے افراد میں اتحاد و اتفاق نہ ہو، اس لیے آج اگر ہم امت کی زبوں حالی کو سرخ روئی میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اس کو ایک نئے انقلاب کی راہ دکھلانا چاہتے ہیں، تو

سب سے پہلے ہمیں آپسی تنازعات اور تفرقہ بازیوں کو ختم کر کے
اتحاد و اتفاق کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا ہوگا، پھر اس کے بعد ہی
ہم امن اور چین کی زندگی گذار سکیں گے، اللہ رب العزت ہمارے
تنازعات اور اختلافات کو ختم فرمائے اور ہمیں ایک ڈگر پے لا کر جمع
فرمائے (آمین)

اب اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم بالترتیب سوالوں کے جوابات، اس دعاء کے ساتھ سپرد قرطاس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحیح صحیح کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال(۱) فقہی مسالک میں سے کسی ایک کو اپنانے کے لیے کیا طریقہ ہونا چاہئے اور کن حدود و آداب کا لحاظ رکھنا چاہئے، جس کے سبب امت کا اتحاد و اتفاق باقی رہے؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے فروعی مسائل میں ہونے والے اختلاف کی حقیقت پر کچھ کلام کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک بات فروعی مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کی ہے تو اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف مذموم نہیں ہے بل کہ اگر یہ اختلاف دائرۂ شریعت میں رہ کر کیا جائے تو محمود ہے، چناں چہ صحابہ کرام کے درمیان بھی یہ اختلاف پایا گیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پایا گیا، اس لیے اس اختلاف کو مذموم نہیں کہا جا سکتا۔

اور یہ بات عقل سے بھی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اصول دین اور کچھ جزئیات کو تو صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، مگر بے شمار جزئیات ایسی ہیں کہ ان کا حکم قرآن وحدیث میں صراحۃً نہیں ملتا، نیز تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسی کئی چیزیں وجود میں آتی ہیں جن کا وجود زمانۂ رسالت میں نہیں تھا، لہٰذا! اب ان جزئیات کے

احکام کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت تو یقینی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی سوچ اور سمجھ میں تفاوت ہوتا ہے، اس لیے ان جزئیات کے حکم کو تلاش کرنے میں، آراء بھی مختلف ہوسکتی ہیں لہٰذا! فروعی مسائل میں اختلاف سے خلاصی ممکن ہی نہیں۔

چناں چہ صحابہ کرام کے مابین بھی کئی مسائل میں اختلاف ہوا، بعض صحابہ ایک چیز کو جائز سمجھتے تھے جب کہ بعض اسی چیز کو ناجائز سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود کبھی ان حضرات نے ایک دوسرے کو گمراہ اور باطل قرار نہیں دیا، بل کہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین کئی مسائل میں اختلاف تھا لیکن پھر بھی یہ دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کس طرح کیا کرتے تھے اس کا نمونہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بھی تقریباً سو مسائل میں اختلاف تھا لیکن اس اختلاف کی وجہ سے انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو گمراہ، کافر اور دین سے خارج نہیں کہا بل کہ جتنا ان کے درمیان اختلاف ہوتا تھا اتنی ہی یہ ایک دوسرے کی تعظیم کیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ تھے ''إن عمر كان أعلمنا بالله و أقرأنا لكتاب الله و أفقهنا في دين الله'' کہ عمرؓ، ہم میں سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والے، کتاب اللہ کو کثرت سے پڑھنے والے، اور اللہ کے دین کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (حیاۃ الصحابہ:۴/۱۰۶)

حضرات صحابہ کرام کے بعد حضرات تابعین میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف رونما ہوا اور ان کے بعد سلف میں یہ اختلاف ہوتا رہا مگر کبھی کسی نے کسی کو گمراہ قرار نہیں دیا، چناں چہ ''اسلام میں اختلاف کے اصول، آداب اور حدود'' نامی کتاب میں اس سلسلے

میں اسلاف کا جو نظریہ بیان کیا گیا ہے یہاں پر اس کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے، وہ عبارت اس طرح ہے:

''امام ابن عبدالبر قرطبیؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں سلف کے باہمی اختلاف کا حال الفاظِ ذیل میں بیان کیا ہے

''عن یحییٰ بن سعیدقال:مابرح أهل الفتویٰ یفتون، فیحل هٰذا ویحرم هٰذا،فلا یری المحرم المحلّ هلك لتحلیله و لایری المحل أن المحرم هلك لتحریمه''۔(ص:۸۰)

یحیٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے ایک شخص (غیر منصوص احکام میں) ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔

اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کرلیں کافی ہے، کیوں کہ دونوں طرف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے۔(ص:۷۴/۲)

یہ حال تو صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کا ہے اور ان کے بعد سے آج تک کے اسلاف کا یہی حال رہا ہے کہ ان میں فروعی مسائل میں اختلاف پایا گیا اور انہوں نے اس کو گمراہی کا سبب قرار نہیں دیا اور نہ ہی کسی پر لعن طعن سے کام لیا۔

مگر آج کے مصنفین، مقررین اور واعظین کا حال یہ ہے کہ محض اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر کسی کو گمراہ اور دین سے خارج قرار دے دیتے ہیں، ہم ایسے واعظین و مقررین سے یہ نہیں کہتے کہ آپ نے ہم سے فروعی مسائل میں اختلاف کیوں کیا اور ہمارے نظریہ کی تردید کیوں کی، بل کہ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف زمانۂ صحابہ سے چلا آرہا ہے، مگر اب تک کسی نے کسی کو گمراہ نہیں کہا پھر کیا وجہ ہے کہ آپ فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں؟

فروعی مسائل میں ہونے والے اختلاف کے بارے میں اسلاف کا جو نظریہ ابھی پیش کیا گیا، اس کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ غور و فکر کرنا ہے کہ یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو گمراہ کہہ دیا جائے کیوں کہ صحابہ و تابعین میں سے کسی نے کسی کو گمراہ نہیں کہا ہے۔

بہر حال اجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہونا مذموم نہیں ہے اب جاننا یہ ہے کہ جن مسالک میں فروعی مسائل کا اختلاف ہے ان میں سے کسی ایک کو اپنانے والے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے آپسی تنازع اور تفرقہ بازی کی صورتیں پیدا نہ ہوں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آدمی اس مسلک کی پیروی کو لازم سمجھے جس کے بارے میں اسے قرآن وسنت سے قریب ہونے کا اطمینان ہو اور پھر دوسرے مذاہب و مسالک کے سلسلے میں درج ذیل چند امور کا لحاظ رکھے:

(۱) اپنے مسلک کے علاوہ دیگر مسالک کو گمراہ اور باطل خیال نہ کرے، بل کہ یہ اعتقاد رکھے کہ دوسرے مسالک بھی برحق ہیں کیوں کے سب کا مقصود تلاشِ حق ہے۔ اب جس کا مذہب اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہوگا اسے دوہرا اجر ملے گا یعنی ایک اجتہاد کا

اور دوسرا، صواب اور صحیح کو حاصل کر لینے کا، جس کی رسائی اجتہاد کے بعد بھی صواب و صحیح تک نہیں ہو پائے گی اسے ایک اجر اجتہاد کا ملے گا اور اس پر صواب و صحیح تک نہ پہنچ پانے کی وجہ سے کوئی ملامت نہیں ہوگی کیوں کہ اس نے اپنی سوچ کے مطابق جو کچھ سمجھا ہے وہ اس پر عمل کرنے میں معذور ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر عام و خاص کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے کہ جسے قرآن وحدیث سے جو بات سمجھ میں آئے وہ اس پر عمل کرے اور غلطی میں وہ معذور ہے نہیں بل کہ اجتہاد کے لیے خاص شرائط ہیں جن کے بغیر کسی شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیوں کہ قرآن وسنت میں بہت سے احکام ایسے دقیق ہوتے ہیں کہ ہر شخص انہیں براہِ راست قرآن وحدیث سے نہیں سمجھ سکتا اور اگر اس طرح ہر شخص کو قرآن وحدیث سے براہِ راست مسائل اخذ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین ایک کھیل بن کر رہ جائے گا اور ہوا پرستی عام ہو جائے گی لہٰذا ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۲) دوسرے اس بات کو یاد رکھے کہ فروعی مسائل میں جو اختلاف ہے وہ حق اور باطل کا اختلاف نہیں، نیز فروعی مسائل میں اکثر و بیشتر افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے نہ کہ جواز وعدمِ جواز کا، مثلاً رفعِ یدین کے سلسلے میں صرف اس کے افضل ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے نہ کہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے میں، اسی لیے جن کے نزدیک رفعِ یدین افضل نہیں ہے انہوں نے بھی کبھی اس کو بدعت نہیں کہا ہے۔

جب یہ اختلاف حق وضلالت کا نہیں ہے اور اس میں اکثر مسائل افضل اور غیر افضل کے سلسلے میں ہیں، تو پھر اس میں تشدد سے کام لینا مناسب نہیں ہے، ہاں ہر فریق کو اتنی اجازت تو ہے کہ وہ اپنے مذہب کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین

قائم کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک فریق دوسرے فریق کو گمراہ اور دین سے خارج ہی قرار دینے لگے کہ یہ صحابہ، تابعین اور اسلاف کے نظریہ کے بھی خلاف ہے اور اس سے امت کا شیرازہ منتشر ہوجائے گا اس لیے فروعی مسائل میں اختلاف کو تشدد کی صورت نہیں دینی چاہیے۔

یہاں پر ضمناً اس بات کو ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں، جن میں ایک ہی مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء کے مابین بھی استحباب وعدم استحباب کا اختلاف ہوتا ہے، ایسے اختلافی مسائل بیان کرنے میں بھی تشدد سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مثلاً:

آب زم زم کے سلسلے میں بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پینا ثابت ہے تو اسے کھڑے ہوکر ہی پینا افضل ہے اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے، جب کہ دیگر بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کھڑے ہوکر پینے کا ثبوت ملتا ہے وہ کسی عذر کی بناء پر تھا، لہٰذا اس کے لیے ایسا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو تو آب زم زم پینے کے لیے کھڑا ہوجائے، ہاں اگر اتباع سنت کی نیت سے کبھی کھڑے ہوکر پی لیا جائے تو یہ باعث ثواب ہوگا۔

اب جب کہ علمائے احناف ہی کے دو الگ الگ نظریات اس سلسلے میں موجود ہیں اور یہ دونوں نظریے صرف استحباب اور عدم استحباب کے بارے میں ہیں تو اس کو بیان کرنے میں تشدد اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ تشدد بسا اوقات انتشار کی صورت بھی پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو شخص جس نظریے پر عمل کر رہا ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

(۳) تیسرے اس بات کو ملحوظ رکھے کہ فروعی مسائل کی وجہ سے جھگڑا اور فساد پیدا کرنے سے مکمل طور پر پرہیز کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑے کو بہت ناپسند فرمایا ہے، ابن ماجہ شریف کی روایت ہے ’’ماضل قوم بعدھدی کانو اعلیہ الاأو توا الجدل ‘‘ کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ جھگڑے میں مبتلا ہوگئی۔(ص:٦ باب اجتناب البدع و الجدل) لہٰذا جھگڑے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ چند امور ہیں جن کا لحاظ کیا جائے تو فروعی مسائل میں پایا جانے والا اختلاف انتشار کی صورت اختیار نہیں کرے گا (واللہ ھو الموفق والمعین)

☆☆

سوال (۲) یہ ہے کہ جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدہ سے ہے، ان میں مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے، جس سے باہمی منافرت پیدا نہ ہو اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے؟

اس سوال کے جواب سے پہلے عقائد کے سلسلے میں پائے جانے والے اختلاف کی نوعیت اور حقیقت کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے:

عقائد اور نظریات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلاف فروعی مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کی طرح محمود نہیں ہے بل کہ مذموم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس اختلاف کی پیش گوئی فرمادی تھی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ’’بنو اسرائیل ۷۲؍فرقوں میں بٹے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی یہ سب کے سب سوائے ایک کے جہنم میں جائیں

گے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے فرمایا ما انا علیه و اصحابی جو لوگ اس راستے پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نظریاتی اختلاف محمود نہیں نیز جن جماعتوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں سے صرف ایک جماعت ہی حق پر ہے اور وہ جماعت وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کے طریق پر قائم ہو، اس لیے سب سے پہلے تو جن جماعتوں میں عقائد کا اختلاف پایا جاتا ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ اتباع حق کو اپنا مقصد بنائیں اور ان ہی نظریات کو اپنائیں جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں، محض اتباع ہویٰ اور دنیوی مقاصد کی خاطر مذہب حق سے روگردانی نہ کریں، کہ یہ بہت بڑے خسارے کی بات ہے اور اس کا انجام جہنم ہے۔ ''اعاذنا الله من النار'' (ماخوذ از: اختلاف امت اور صراط مستقیم ص:۱۲/۱۳)

نیز اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''یا یها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط و لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا O اعدلوا هو اقرب للتقویٰ'' اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کو چھوڑ بیٹھو (بلکہ) انصاف سے کام لو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (مائدہ:۸)

لہٰذا کسی کی دشمنی کی بنیاد پر اتباع حق سے روگردانی کرنا بڑی نادانی کی بات ہے۔

اب عقائد میں پائے جانے والے اختلاف کی نوعیت وحقیقت کو جان لینے کے بعد ہم اصل سوال کی طرف آتے ہیں کہ جن جماعتوں میں یہ اختلاف ہے وہ مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کس طرح کریں کہ نزاع اور منافرت کی صورت پیدا نہ ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتنی اجازت تو ہر فریق کو ہے کہ اپنے نظریہ کی صحت کے لیے دلائل فراہم کرے مگر پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مقصد صرف اتباع حق ہو، دنیوی اغراض کے پیش نظر قرآن وحدیث کی ایسی غلط سلط تاویلیں نہ کی جائیں کہ وہ بجائے تاویل کے تحریف معلوم ہوتی ہوں، یہاں پر تاویل کی تعریف، اقسام اور ان کے احکام کو مختصراً عرض کر دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس طرح کی تاویل کرنے کی اجازت ہے اور کون سی تاویل ناجائز ہے۔

تاویل کی سادہ زبان میں یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ ''کسی لفظ یا جملہ سے جو ظاہری معنی سمجھ میں آرہے ہوں اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیے جائیں'' اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **تاویل قریب**: لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا جو ادنیٰ تامل سے سمجھ میں آجائیں اور اس میں غور وفکر کی ضرورت نہ پڑے، مثلاً ان الذین یأکلون اموال الیتٰمی ظلما انما یأکلون فی بطونهم نارا و سیصلون سعیرا (النساء:۱۰) کے ظاہر سے اکلِ مالِ یتیم کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ اتلافِ مالِ یتیم کی حرمت کو بھی مراد لیا جائے گا اور حرمت اکل کے ساتھ جو حرمت اتلاف مراد لی گئی ہے وہ ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آجاتی ہے، لہٰذا یہ تاویل قریب ہے۔

(۲) **تاویل بعید**: لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا جس کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت پڑے، بشرطیکہ اس لفظ یا جملے میں اس معنی کا احتمال بھی

ہو، مثلاً: ’’ومن يشاقق الرسول من بعدماتبين له الهدى ويتبع غيرسبيل المؤمنين الى اٰخر الاٰية‘‘ (النساء:۱۱۵) سے امام شافعیؒ کا اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کرنا۔

(۳) تاویل مستبعد: لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا کہ اس پر لفظ کی کوئی دلالت ہی نہ ہو مثلاً ’’عن النبأ العظيم ‘‘میں نبأعظیم سے حضرت علیؓ کو مراد لینا۔(ادب الاختلاف فی الاسلام ص:۳۷/۳۸)

تاویل کی ان تینوں قسموں میں سے تاویل قریب اور بعید میں چوں کہ لفظ سے ایسے معنی مراد لیے جاتے ہیں جس پر لفظ کی دلالت ہوتی ہے، اس لیے اگر آثار صحابہ اور اقوال سلف صالحین کی روشنی میں تاویل قریب وبعید سے کام لیا جائے تو اس کی تو اجازت ہوگی، مگر تاویل مستبعد کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں کیوں کہ وہ تاویل نہیں بل کہ تحریف ہے۔

بہرحال ہر گروہ اور فریق اپنے عقائد کی صحت کے لیے دلائل وبراہین کو فراہم تو کرسکتا ہے، مگر اسے قرآن وحدیث کے صریح معنی اور مطلب کی مخالفت کی قطعاً اجازت نہ ہوگی، ورنہ مقصد اتباع حق نہیں رہے گا، بل کہ اتباع ہویٰ ہو جائے گا، جو کہ ظالموں کا شیوہ ہے ’’بل اتبع الذين ظلموا أهوائهم بغيرعلم‘‘ (الروم:۲۹)۔

نیز نظریات میں پائے جانے والے اختلاف میں تبادلۂ خیال کے اصول و آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے نظریات اور عقائد کی تائید وتوثیق میں دلائل فراہم کرتے وقت حتی الامکان نرم رویے سے کام لیا جائے، کیوں کہ یہی طریقہ عموماً نصیحت کے اثر انداز ہونے میں معین ہوتا ہے اسی طرح مناظروں سے بھی حتی الامکان بچنا چاہیے، کیوں کہ آج کل جو مناظرے ہوتے ہیں وہ عموماً شرائط کو ملحوظ رکھے بغیر ہوتے ہیں اور مقصد اس میں عامۃً اپنے مقابل کو ذلیل کرنا ہوتا ہے، جب کہ مناظرے کا مقصد تو

صرف اور صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونا چاہئے نہ یہ کہ محض جذبات کو ٹھنڈا کرنے لیے مقابل کو ذلیل کیا جائے لیکن اگر کبھی مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے لیے اس کی شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مناظرہ ایسے مسئلہ کے متعلق ہو جو کہ دین میں مقصود بھی ہو۔

(۲) دل سے یہ مقصد ہو کہ اگر حق واضح ہو جائے گا تو اسے فوراً قبول کر لیں گے، یہ نیت نہ ہو کہ ہر بات کو رد کریں گے گو کہ سمجھ میں آجائے۔

(۳) مخالف پر شفقت ہو۔

(۴) اگر وہ شفقت کے قابل نہ ہو تو صبر اور معدلت (انصاف) کے ساتھ مقابلہ کرے۔

(۵) اگر قرائن سے عناد مشاہد ہو تو مناظرے سے معافی کی درخواست کر کے ترک کر دے۔

(۶) تمام صورتوں میں واجب ہے کہ الفاظ اور مضمون نرم ہو، متانت اور تہذیب کے خلاف نہ ہو، اگر دوسرا درشتی (سختی، بے ادبی) بھی کرے تو صبر افضل ہے۔

(۷) جو بات معلوم نہ ہو، نہ جاننے کا اقرار کرنے سے عار نہ کرے، وغیر ذالک۔

جہاں یہ شرائط نہ ہوں گے جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے، وہاں مناظرہ نافع ہونے کے بجائے بالیقین مضر ہوگا۔ (مناظرے کے اصول واحکام ص:۱۹)

یہ ہیں مناظرے کے جواز کے شرائط اور ظاہر ہے کہ آج کل ان شرطوں کا لحاظ نہیں ہو پاتا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ مناظرہ کرنے سے پرہیز کرے، اور احقاق حق کے لیے دوسری کوئی بہتر صورت اختیار کرے، اگر ان چند امور کا لحاظ کیا گیا تو ان شاء اللہ باہمی منافرت پیدا نہیں ہوگی اور اس طریقے کو اپنانے میں مقابل کی اصلاح کی بھی قوی توقع ہے، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (البقرۃ:۲۱۳)۔

اب آخر میں دوسرے سوال کا جواب بطور خلاصہ پیش کر دیا جاتا ہے کہ عقائد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس میں ہر شخص اتباع حق کو اپنا مقصد بنائے، اور دنیوی اغراض سے مکمل اجتناب کرے، اپنی بات پر جمے رہنے کے لیے قرآن وسنت کی غلط سلط تاویل نہ کرے، نیز احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے دلائل قائم کرنے میں نرمی اختیار کرے اور مناظروں سے حتی الامکان پرہیز کرے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال(۳) یہ ہے کہ جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو مگر اس کی وجہ سے تکفیر کا قائل نہ ہو، اور جس فکر کے بارے کوئی شخص تکفیر کا قائل ہو، ان دونوں فکروں پر تنقید کرنے میں شرعی لحاظ سے کوئی فرق ہے؟ اور اس پر تنقید کے حدود وآداب کیا ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فکر یا عقیدے کو گمراہی یا کفر سمجھتا ہو تو اس کے لیے اس فکر یا عقیدے کے گمراہی یا کفر ہونے کو واضح کرنے کا نہ صرف یہ کہ اختیار ہے بل کہ ارشاد نبوی ''من رأى منكم منكرا... الخ '' کی بناء پر اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی وضاحت کرے۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ منکر جس طرح کا ہو اس پر نکیر بھی اسی انداز سے کی جاتی ہے یعنی اگر منکر خفیف درجہ کا ہو تو نکیر بھی خفیف ہوتی ہے، یعنی نرمی سے ہوتی ہے اور اگر منکر شدید درجہ کا ہو تو اس پر نکیر بھی شدید ہوتی ہے، اس لیے جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص صرف گمراہی سمجھتا ہو اور اس کی وجہ سے تکفیر کا قائل نہ ہو اور جس فکر یا عقیدے کو کفر سمجھتا ہو دونوں پر تنقید کرنے میں فرق تو ہوگا مگر چوں کہ یہ دونوں ہی باتیں شدید ترقبیح

ہیں اس لیے دونوں پر وضاحت کے ساتھ تنقید کی جائے گی مگر تنقید میں بھی اس کے حدود وآداب کا لحاظ رکھنا تو بہر حال ضروری ہے، خاص کر تکفیر کے سلسلے میں، کہ یہ بڑا سنگین امر ہے، اس لیے اس میں مکمل احتیاط سے کام لینا بھی ضروری ہے۔

کسی فکر یا عقیدہ کو گمراہی یا کفر قرار دینے میں درج ذیل چند امور کا لحاظ رکھا جائے:

(۱) مقصد صرف اور صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہو ورنہ محض اغراض نفسانیہ کے لیے کسی شخص یا فرقے کو گمراہ یا کافر قرار دینا بڑی خطرناک بات ہے، اور جب کوئی شخص اغراض نفسانیہ کو ہی اپنا مقصد بنالیتا ہے تو پھر حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کسی کی طرف گمراہی کی نسبت کرنے میں پوری احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۲) کسی کی تکفیر کرنے میں مکمل احتیاط سے کام لیا جائے اور حتی الامکان اس کے کلام کی کوئی بہتر تاویل کرنے کی کوشش کی جائے، تکفیر کے سلسلے میں بلاسوچے سمجھے اقدام کرنا بڑے خطرے کی بات ہے، امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے "لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ویرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذالك "جو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرتا ہے تو وہ فسق اور کفر خود اسی کی طرف لوٹ آتا ہے اگر اس کا ساتھی (دوسرا شخص) اس کا مستحق نہ ہو"۔

(فتح الباری، رقم الحدیث:٦٠٤٥/باب ماینهی عن السباب و اللعن)

(۳) تنبیہ و تنقید کرنے میں مقابل کی اصلاح مقصود ہو، اس کو ذلیل کرنا ہرگز مقصود نہ ہو۔

(۴) فاسق و گمراہ شخص سے اس کے فسق و فجور کی بناء پر اگر چہ ترک تعلق محمود و مستحسن ہے لیکن اگر ایسا کرنے میں اس کی اصلاح کی توقع باقی نہ رہتی ہو اور اس کے ضد پر اڑ

جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی اصلاح کی نیت سے اور موقع بہ موقع اس کو حق کی ترغیب دلانے کی نیت سے اس سے تعلقات کو باقی رکھنا بہتر اور مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اصل مقصود اصلاح ہے نہ کہ کسی کو فاسق یا گمراہ قرار دینا، مگر یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے ساتھ تعلقات باقی رکھنے میں خود اپنے نظریات کے متأثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ اس سے ترک تعلق ہی لازم ہوگا۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم شرابی کو سلام کرنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں ''خواہ کوئی بھی مسلمان سلام کرے اگر جواب دینے میں کوئی عذر نہ ہو تو جواب دینا واجب ہے، جہاں تک سلام کرنے کی بات ہے تو جو شخص علانیہ شراب پیتا ہو اور اپنی اس برائی کو چھپاتا نہ ہو تو اسے واقعی سلام نہ کرنا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص علانیہ فسق کے کام کرتا ہو اسے سلام کرنا مکروہ ہے (ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا)''۔ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ ترک سلام کی وجہ سے عداوت بڑھ جائے گی اور اصلاح کا راستہ مسدود ہو جائے گا اور سلام کا تعلق رکھنے کی وجہ سے موانست بڑھے گی یا شراب چھوڑنے کی دعوت دینے کا موقع باقی رہے گا تو بہتر ہے کہ اسے سلام کرے، کیوں کہ اصل مقصد اصلاح ہے نہ کہ اہانت اور نہی عن المنکر ہے نہ کہ ضد و عناد۔

(کتاب الفتاویٰ: ۱۲۲/۶)

کسی کی گمراہی یا کفر پر تنقید کرنے کے یہ چند حدود و آداب ہیں، جن کا لحاظ کرنا نہایت ضروری ہے، اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال(۴) یہ ہے کہ ہم جن لوگوں کو ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام قرار دیتے ہیں، کیا انہیں بے دریغ قتل کرنے اور ان کے مذہبی اداروں اور مذہبی

شخصیات کو مارڈالنے کی اسلام اجازت دیتا ہے؟ جیسا کہ آج امت مسلمہ کا یہ حال ہو چکا ہے اور دشمنانِ اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر تباہی مچا رکھی ہے، اور ایسی حالت میں علماء، اصحاب فکر و دانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

جہاں تک اس سوال کے پہلے جزو کی بات ہے کہ اسلام کسی فرقے کو اس کے بعض عقائد کی بنا پر بے دریغ قتل کرنے اور ان کے مذہبی شخصیات کو مارڈالنے کی اجازت دیتا ہے؟ تو اس کا جواب تو ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کسی کی گمراہی کی بناء پر اس کو عام حالات میں یوں ہی قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ اسلام نے تو جنگ کے موقع پر بھی حدود قائم کیے ہیں جن سے تجاوز کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، چناں چہ تمام انسانیت کے محسن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر عورتوں، بچوں اور کمزور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح کسی کے کان ناک کاٹ دینے یا اسے آگ میں جلا دینے سے بھی منع کیا ہے۔

جب اسلام میں جنگ کے موقع پر بھی اس کی ممانعت ہے تو اس بات کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے کہ ایک شخص یا جماعت کو یونہی عام حالات میں بے دردی سے مار دیا جائے اور اس کے گھر بار کو جلا دیا جائے اور عصبیت کا ایسا ناچ ناچا جائے کہ بچوں تک کو مار کر ہلاک کر دیا جائے، اس طرح کی قتل وغارت گری اسلامی تعلیمات کے صریح مخالف ہے، اس لیے اسلام کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو ایسی حرکتوں سے باز رہنا ضروری ہے۔

اب رہ گیا سوال کا دوسرا جزو کہ ایسی حالت میں علماء، اصحاب فکر و دانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو عوام وخواص کو اپنی ذمہ داری اور ایسے طرز عمل کی طرف دعوت دیتا ہے جس کی وجہ سے امت کی موجودہ زبوں

حالی سرخ روئی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔اس کے لیے سب سے پہلے ہر عام وخاص پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنا تعلق اپنے رب سے مضبوط کرے اور دنیوی دھوکہ سے اپنے آپ کو نکال کر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کی طرف دوڑنے کے لیے تیار ہوجائے، چند دنوں کی دنیا کی خاطر اپنے مالک اور خالق کی ناراضگی کو مول نہ لے اور آج ہی سچی توبہ کرکے اپنے رب سے مضبوط رشتہ قائم کرلے کہ اس کے بغیر امت مسلمہ، اپنے مشن میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتی، آج سے پہلے جب کبھی مسلمانوں نے کامیابی کی راہیں طے کی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے رب سے رشتہ کو مضبوط بنایا تھا صحابہ کرام نے اقلیت کے باوجود کامیابی کی منزلیں طے کیں، کیوں کہ یہ حضرات اپنے رب کے سامنے رونے اور گڑگڑانے والے تھے، اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دشمنان اسلام کی سازشوں کا ڈھنڈورا تو پیٹتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ یہ ساری مصیبتیں اس لیے آئی ہیں کہ ہم نے اپنے رب سے رشتہ مضبوط نہیں بنایا ہے اور اس کے سامنے رونا اور گڑگڑانا چھوڑ دیا ہے۔

اگر غیر ہمارے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے اندر کیا کمزوریاں ہیں، کیوں کہ غیروں کی سازشیں اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہیں جب کہ مسلمان دین کے لحاظ سے کمزور ہوگئے ہوں، اور انہوں نے صلاح وتقویٰ کا لباس اتار دیا ہو، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا'' (آل عمران:۱۲۰) یعنی اگر تم صبر اور تقویٰ کو لازم پکڑلو گے تو پھر تمہاری مخالف طاقتیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہونچاسکیں گی، لہٰذا اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں تو سب سے پہلے صبر اور تقویٰ کو لازم پکڑنا ہوگا اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شیوہ بنالینا ہوگا، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہمیں حاصل نہیں ہوسکتی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے حالات سے بہت پہلے ہی مطلع فرمادیا تھا، اور اس دور میں مسلمانوں کی جو ذمہ داریاں بنتی ہیں انہیں بھی بیان فرمادیا تھا، امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت نقل کی ہے ''حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ اس کی وجہ سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل کانپ اٹھے، ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہمیں کس بات کا عہد فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور امیر کی بات سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہو، کیوں کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تو تم میرے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے پر جمے رہنا اور اس کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینا اور دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچنا، کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(ابوداؤد ۲/ ۶۳۵ کتاب السنة، باب فی لزوم السنة)

مذکورہ روایت سے اختلافات کے موقع پر ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ معلوم ہوگئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور دین میں کسی بھی قسم کی نئی بات پیدا کرنے سے بچا جائے کیونکہ دین میں نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے جو کہ گمراہی کا سبب ہے۔

یہ تمام ذمہ داریاں تو ہر عام وخاص پر عائد ہوتی ہیں کہ اللہ رب العزت کی اطاعت کو مقصد بنایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، وغیرہ۔ مگر علماء اور اصحاب فکر ودانش پر اس کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو ان باتوں کی تلقین کریں،

اتباعِ حق پر انہیں آمادہ کریں اور اختلافات سے بچنے کی تاکید کریں، یہی امت مسلمہ کی حالت بے زار کو تبدیل کرنے کا واحد علاج ہے، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی حالت پر رحم فرما کر اختلاف وانتشار کو ختم فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال (۵) پانچواں اور آخری سوال یہ ہے کہ بہت سے ممالک میں سنی اور شیعہ کی مشترک آبادیاں موجود ہیں تو کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) آپس میں پُر امن زندگی نہیں گذار سکتے؟ اگر شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک یا ایک علاقے میں رہ سکتے ہیں تو اس کے شریعت میں کیا اصول وآداب ہیں؟ اور آپسی جنگ وجدال کو روکنے کے لیے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے اتنی بات تو پہلے سے مقدر ہو چکی ہے کہ یہ امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو کر رہے گی جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اب جب کہ امت کا فرقوں میں تقسیم ہونا طے ہے تو اب ایسے حالات میں ہمیں شارع علیہ السلام کی طرف سے جو حکم ملا ہے ہم پر اسی کی اتباع لازم ہوگی اور یہ بات پہلے بھی حدیث کی روشنی میں ذکر کی جا چکی ہے کہ ان اختلافات کے موقع پر ہم اس بات کے مامور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اور رہی بات دوسرے فرقے کی تو اس سے لڑنے جھگڑنے اور فساد مچانے کی ضرورت نہیں، بل کہ اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے، تب ہی دونوں فرقوں کے لوگ پُر امن زندگی گذار سکیں گے، ورنہ اگر ایک فرقہ کو گمراہ یا کافر قرار دے کر یو نہی قتل وغارت گری شروع کر دی جائے اور فریق مخالف کو ملک یا علاقے سے

نکلنے پر مجبور کیا جائے تو ساری امت منتشر ہو کر رہ جائے گی، اور اس کے نتیجے میں امت مسلمہ سنگین حالات میں مبتلاء ہو جائے گی، لہٰذا ایسے حالات میں ہم پر یہی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم اتباع حق کو لازم پکڑ کر فریق مخالف کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اللہ رب العزت کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمان ہے:

''ان الذین فرقوادینهم و کانوا شیعالست منهم فی شئ انماامرهم الی الله ثم ینبئهم بما کانوا یفعلون'' (الانعام:۱۶۰)

ترجمہ: بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق ڈالی اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، پھر وہی ان کو ان کے کاموں سے آگاہ کرے گا۔

پس معلوم ہوا کہ اسلام کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ تفرقہ بازی اور خلف وانتشار سے بچتے رہیں اور وہ دوسرے فرقوں کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں، پُر امن اور کامیاب زندگی گذارنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اب آخر میں دونوں فرقوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مذہب سے تعلق رکھنے والے عوام کو خلف وانتشار سے بچتے رہنے کی تاکید کریں اور اپنی دعاؤں میں امت مسلمہ کو فراموش نہ کریں، اللہ رب العزت امت مسلمہ کی حالت پر رحم فرمائے اور خلف وانتشار سے اس کی حفاظت فرمائے۔

اللهم ارحم أمةمحمد صلی الله علیه وسلم

واصلح أمةمحمدصلی الله علیه وسلم۔(آمین)

۳رمحرم الحرام ر۷ ۱۴۳ھ مطابق: ۲۴ر اکتوبر ۲۰۱۵ء

بروز سنیچر، بعد نماز ظہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوالی اللہ

کلمات افتتاحیہ واستقبالیہ

مع

کامیاب تدریس وانتظام کے کلیدی وبنیادی خطوط

برموقع:

سہ روزہ تعلیمی وتربیتی کیمپ برائے اساتذۂ فروعات جامعہ

منعقدہ

۱،۲،۳رمئی ۲۰۰۷ء مطابق: ۱۲،۱۳،۱۴ر ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

بروز: منگل/ بدھ/ جمعرات

حسب ایماء

خادم القرآن والمساجد رئیس الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ

زیرنگرانی

نائب رئیس الجامعہ حضرت الحاج الحافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ

داعی ومحرک

عزیزم مولانا حذیفہ سلمہ، ناظم تعلیمات جامعہ اکل کوا

مرتب

جناب مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی، استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا

98

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين۔ وبعد!

إهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم۔

کلمات تشکر وامتنان:

سب سے پہلے ہم سب رب کریم کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیقِ ارزانی فرمائی اور اسلام کی حفاظت، صیانت، اشاعت اور علوم اسلامیہ کی تعلیم تبلیغ وترویج کے مراکز اور دین مبین کے روشن میناروں یعنی مدارس اسلامیہ کی خدمت کی سعادت بخشی، اور ان ہی مدارس ومراکز اور تعلیم گاہوں کے محاسن و مسائل پر باہمی تبادلۂ خیال اور غور وخوض کے سلسلہ میں ہم سب کو اپنے محبوب مرکز میں جمع ہونے کا موقع میسر فرمایا، آج کے اس سنہرے اور پر مسرت موقع پر بندہ، رئیس جامعہ اور جمعیتِ اساتذہ، بالخصوص عزیزم مولوی حذیفہ سلمہٗ کی جانب سے صمیم قلب سے خیر مقدم کرتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے جذباتِ شکر پیش کرتا ہے کہ اپنے مرکز کی طرف سے ایک اعلان اور آواز پر ہمہ تن گوش ہوکر اپنی تعطیلات کو قیمتی بنانے کے لئے وقت کو فارغ کیا اور زحمت سفر برداشت کر کے جامعہ تشریف لائے اور اپنے آپ کو اتحاد کی مضبوط لڑی میں پرونے کی بہترین پیش رفت فرمائی، فجزاکم الله احسن الجزاء۔

بانی ورئیس جامعہ کے جذبات واحساسات:

اللہ جل جلالہ کا بے پناہ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھے اور آپ کو ایک وسیع النظر، وسیع الظرف، وسیع الفکر، بزرگانِ دین کے منظورِ نظر، ہم عصروں میں محبوب اور اپنے چھوٹوں میں مشفق، ایسی ہمہ جہت شخصیتِ عظمیٰ کا ظلِ عاطفت اور گھنا سایہ عطا کیا، جس کی

آغوشِ تربیت میں رہ کر اور عظیم جامعہ سے وابستہ ہوکر اپنے لمحاتِ حیات کو باوقار باعزت اور باعافیت محسوس کررہے ہیں۔ بل کہ اگر ہم وستانوی اور وستانوی تحریک سے جدا ہوکر اپنی پیمائش کریں، تو ہماری حیثیت اس صفر کی سی ہے جو بغیر عدد کے مکتوب ہو، اسی لئے یہ شعرورد زباں کرکے استحضار شکر کرنا چاہئے کہ

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالبؔ تیری آبرو کیا تھی؟

ہر نعمت کا شکر اس کے شایانِ شان ہونا چاہئے، جب جامعہ نے اپنی فروعات میں جگہ دے کر بہترین خدمت کے مواقع فراہم کئے ہیں، تو رئیس جامعہ اور ذمہ دارانِ جامعہ کے منشاء کے مطابق اپنے آپ کو اُتارنا اور ان کے مزاج میں اپنے آپ کو اطاعت امیر کے جذبہ میں ڈھالنا یہی مقتضائے تشکر ہے۔

منظر پس منظر:

آج اور ابھی کی افتتاحی مجلس میں سب سے پہلے یہ وضاحت اور استحضار ضروری ہے کہ ہم سب یہاں کیوں جمع ہیں؟ اس کا باعث اور اس کی غرض وغایت کیا ہے؟

ہوا یہ کہ جامعہ کی ششماہی تعطیلات کے فوراً بعد حضرت رئیس جامعہ نے عزیزم مولوی حذیفہ سلمہ کو حکم دیا کہ فروعاتِ جامعہ کا ایک دورہ کرلو، چناں چہ انہوں نے بتعمیل حکم میں مہاراشٹر کے تقریباً تمام ہی مراکز کا دورہ کیا، جس میں خوبیاں، اچھائیاں اور محاسن بھی سامنے آئے اور کچھ ایسے پہلو بھی جس میں مزید بہتری لانے کی ضرورت محسوس ہوئی، حضرت رئیس جامعہ سے مذاکرہ ہوا اس کے دوران یہ طے ہوا کہ ایک سہ روزہ تدریسی وتربیتی کیمپ لگایا جائے اور اس میں ضروری پہلو پر گفتگو اور مذاکرہ ہو، چنانچہ آج کا تربیتی کیمپ رئیس جامعہ کے اسی خواب کی تعبیر ہے، یہ تو ہوا پس منظر۔

اب یہ کہ اس انداز کے تربیتی کیمپ کے اغراض ومقاصد کیا ہوتے ہیں؟ ہمارے

اکابر اور ہم مشرب مشائخ کا یہ طریقہ اور وطیرہ رہا ہے کہ یکسانیت اور وحدت کو پیدا کرنے کے لیے مختلف انداز و اسلوب اختیار کرتے ہیں، جیسے حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی طالب صادق پہنچتا تو اسے نورانی قاعدہ اور تصحیح قرآن کی رغبت دلاتے، گو شیخ الحدیث ہو، یا اساتذۂ فقہ وحدیث یا اساتذۂ منطق وفلسفہ سب میں یکسانیت پیدا کرنے کرانے کے لیے اور ایک لڑی میں سب کو پرونے کے لیے سب سے نورانی قاعدہ پڑھواتے۔

گویا پہلا مقصد تو یہ کہ رضائے الٰہی کے ساتھ مرکز اور فروعات کے درمیان یکسانیت پیدا کرنا چاہئے، وہ یکسانیت نظامِ تعلیم وتربیت کی ہو یا نظامِ مطبخ وتعمیرات کی یا یکسانیت شعبۂ حفظ کی ہو یا دینیات کی، یا یکسانیت اندازِ درس وتدریس کی ہو یا بود باش کی یا نظامِ امتحان کی، بہر حال مقصدِ اول حصولِ یکسانیت ہے۔

دوسرا مقصد انتقالِ محاسن، مشہور مقولہ کے مطابق ''خذما صفا ودع ما کدر'' اللہ نے ہر ایک کو کسی نہ کسی خوبی سے آراستہ کیا ہے، دانشمند اور دور اندیش کا کام یہ ہے کہ وہ ہر ایک کی خوبی پر نظر کر کے اُسے اخذ کرے، اسی سے انسان میں کمال پیدا ہوتا ہے، بہر حال دوسری غرض انتقالِ محاسن ہے۔

تیسری غرض یہ کہ احساسِ کمزوری ''الانسان مرکب من الخطأ والنسیان'' کے بموجب سمجھدار انسان کو چاہئے کے اپنے اندر کی جو کمزوری ہے اسے محسوس کر کے اس کا ازالہ کرے اور اپنے آپ کو مجموعۂ محاسن بنائے، بہر حال آج کی اس محفل کی غرض وغایت سب کو یکسانیت کی لڑی میں پرونا، انتقالِ محاسن کا جذبہ پیدا کرنا اور کمزوری کا احساس کر کے ازالہ کی کوشش کرنا ہے۔

ان تمہیدی اور ابتدائی کلمات کے بعد آیئے چند رہنما خطوط بطور مذاکرہ کے

گوش گذار کرتے چلیں، جو ہمارے مقصود و مطلوب میں مشعلِ راہ کا کام کریں۔

(۱) سب سے پہلا امر یہ کہ ہم اپنے مقام علم کا استحضار کریں کہ اللہ نے ہم کو انبیاء کا وارث بنایا ہے "العلماء ورثة الأنبياء" (ابو داؤد)

(۲) دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا جو مرتبہ دیا ہمیں بھی وہی مرتبہ نصیب فرمایا کہ معلم کا درجہ عطا فرمایا "انما بعثت معلما"۔

(المسندالمستخرج علی صحیح الامام مسلم)

(۳) زیورِ علم سے آراستہ ہونا ایک طاقت ہے، جس کے ذریعہ ہر ذرہ کو آفتاب بننے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں "يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجت" (المجادلة ۱۱) اس کو باقی رکھنے کے لیے اور مزید فضلِ رب حاصل کرنے کے لیے چند آدابِ معلمیت سے واقفیت ضروری ہے۔

کامیاب معلم کے زرین اصول وآداب:

(۱) پہلا ادب: جذبۂ خلوص کے ساتھ ساتھ علم سکھانے میں طلبِ دنیا اور اجر کا خواہاں نہ ہو۔

(۲) استاذ کو چاہئے کہ اپنے شاگردوں پر مشفق رہے اور شاگردوں کو اولاد کا سا پیار دے، جس میں شفقت کے ساتھ تادیبِ شرعی کی آمیزش بھی ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور فرمان ربی کہ "انما انا لك مثل الوالد لولده (ابن ماجه) ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك" (ال عمران ۱۵۹)۔

(۳) استاذ کو چاہئے کہ طلباء کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رہے۔

(۴) استاذ کو چاہئے کہ سبق کا اہتمام کرے۔

(۵) استاذ صرف معلّمی کارنامہ انجام نہ دے، بل کہ اخلاق حمیدہ کی بھی تلقین کرے۔

(۶) استاذ کو چاہئے کہ اسباق کی ترتیب شاگرد کے اوقات کے مطابق ترتیب دے۔

(۷) استاذ کو چاہئے کہ جو فن اور کتاب پڑھا رہا ہے اس کی اہمیت وافادیت تو بیان کرے، مگر دوسرے علوم وفنون اور دیگر اساتذہ سے تقابل وتنافس نہ کرے۔

(۸) استاذ کو چاہئے کہ درس وتدریس کے موقع پر ''کلموا الناس علی قد رعقولھم'' کا استحضار رکھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

''جو علوم ومباحث منتہی طلباء کے مناسب ہیں انہیں مبتدی طلباء کے سامنے بیان نہ کرے، بل کہ بڑے دقیق مباحث سے پہلے چھوٹی موٹی عام فہم باتوں کو بیان کرے''۔

(۹) حالات کی مجبوری کی بناء پر طالب علم ایک درس گاہ سے دوسری درس گاہ میں منتقل ہونا چاہے اور انتظامیہ کا منشا اور مصلحت بھی طالب علم کے موافق ہو تو اسے دوسری درس گاہ میں جانے کی بخوشی اجازت دینی چاہئے، مگر انتظامیہ معمولی معمولی باتوں پر طلباء کی وقتی خوشی حاصل کرنے کے لیے اپنے ادارہ میں ایسا ماحول نہ بنائے۔

(۱۰) اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ اللّٰھم انی اعوذ بك من علم لاینفع۔

مدرسین انتظامیہ کے ساتھ کیسے رہیں؟

یہ ایک وسیع عنوان ہے جس کے سلسلہ میں احاطہ سر دست مقصود نہیں ہے، صرف فہرست کے انداز میں چند پہلو پیش نظر رہیں۔

☆ انتظامیہ کا احترام اخلاص کیے ساتھ کرے۔

☆ انتظامیہ کے ساتھ وفاداری اور وفاشعاری کو اپنی طبیعت بنائے۔

☆ اپنے آپ کو نوکر ومزدور بنانے کے بجائے خادم بنائے۔

☆ اپنی ہر ترقی کو اپنے اساتذہ اور انتظامیہ کی طرف منسوب کرے۔

☆ دو چیزوں کا مطالبہ نہ کرے، ایک اضافۂ حق الخدمت اور دوسرے کتابوں کی

ترقی، یہی چیزیں مدارس میں آپسی حسد وفساد کی بنیاد ہیں۔

☆ اپنی تقریر وتحریر میں اپنے مادرِ علمی اور اپنے ادارے کی بھرپور ترجمانی کرے۔

☆ ''المعونة تأتي على قدر المؤنة'' کے تحت ادارہ کی طرف سے جتنی اور جب، جو ذمہ داری عائد ہو، اسے تو کلاً علی اللہ قبول کرلے، پھر دیکھئے خدا کی مدد کیسی اور کتنی آتی ہے۔

☆ اپنے شاگردوں اور تلامذہ میں انتظامیہ کا وقار بڑھائیں، وقتاً فوقتاً حسنِ انتظام اور حسنِ سلوک وکردار کا تذکرہ کریں۔

☆ انتظامیہ سے کوئی چوک یا تسامح ہو رہا ہو اور اس پہلو پر ان کی نظر نہ جارہی ہو، تو دائرۂ ادب میں رہ کر اس کی تذکیر وتلقین تو کردے، مگر اس پر اصرار یا ہٹ دھرمی نہ کرے۔

☆ حضرت وستانوی کا ایک ملفوظ جو تجرباتی بھی ہے اور تربیتی بھی، آبِ زر سے لوحِ دل پر لکھنے کے قابل ہے کہ ''مدرس اپنی فکر اور سوچ یہ بنائے کہ میری ذات سے ادارہ کو کیسے مادی مفادات حاصل ہو؟۔

مدرس کی کامیاب تدریس کے رہنما خطوط :

(۱) مدرس اپنے تلامذہ کو اپنے سے مانوس تو کرے مرعوب نہ کرے۔

(۲) مدرس اپنے طلبہ کو ایسا پڑھائے کہ گویا گھول کر پلادیا جائے۔ (ملفوظ وستانوی)

(۳) کامیاب مدرس اصول ومتون کی کتابوں میں طلباء کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل چیزوں کا خوب اہتمام کیا کرتا ہے:

☆ تلخیص برائے تسہیل ☆ توضیح وتبیین برائے تفہیم ☆ انطباقِ نسخ مع العبارۃ۔

حفظ مصطلحات: تمرینی، انشائی اور ادبی کتب میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ ہوں:

☆ اجرائے قواعد۔

☆ یومیہ مخصوص مقدار میں انشاء پردازی کا مکلّف بنایا جائے۔

☆ مشہور اُدباء کے ادبی شہ پاروں سے اقتباس دیا جائے۔

☆ مشہور شعراء کے منتخب اشعار یاد کرائے جائیں۔

معقولی اور منطقی کتب میں مندرجہ ذیل امور کا پاس ہو:

☆ فنی اصطلاحات کو از بر کرانا۔

☆ قدیم تعبیرات کو جدید انداز میں پیش کرنا۔

☆ معقول کو محسوس بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرنا، جنس، نوع، فصل کو عام بول چال میں منطبق کرنا، مثلاً: اتحاد کی طاقت مضبوط ہے، مضبوط طاقت امن پیدا کرتی ہے، اتحاد کی طاقت امن پیدا کرتی ہے۔

کتب نقلیہ میں:

☆......کتبِ تفسیر یہ میں وجوہِ مقدرات، کسی مشہور قاری سے رجوع کر کے قراءاتِ مختلفہ متواترہ کی وجوہات۔ نحوِ قرآنی، بلاغتِ قرآنی اور احکاماتِ مستنبطہ بالآیات کا اہتمام ہو۔

☆......کتبِ احادیث میں مذاہب ائمہ و دلائل کو بقدر ضرورت ذکر کر کے طلباء میں اپنے مسلک کی بصیرت پیدا کی جائے، مگر مزاج میں تعصب نہ ہو کہ کسی امام کی تردید میں توہینِ کلامِ رسول کی بو آنے لگے۔

☆......کتاب الآداب، کتاب الزہد والرقاق، اشراط الساعۃ، اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے کی روایات کو حفظ یاد کرنے کی ترغیب وتشویق کی جائے۔

☆......دلوں میں تعظیمِ محدثین پیدا ہو، صحابہ کا بلند مقام اجاگر ہو، محبتِ نبویہ قلوب میں آباد ہو جائے، عشقِ رسول جاگ اٹھے اور ہر مخاطب زبانِ قال وحال سے یہ بول اٹھے کہ ؎

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر　　ادائیں لاکھ ہیں بے تاب دل ایک

مدرس کے مقبول بننے کے راز ھائے سر بستہ:

☆ ''انما الاعمال بالنیات ''اس سے اعمال روحانی اور نورانی بنتے ہیں اور مقبولیت کی خشیتِ اول ہے۔

☆ جمال و منال تو وہبی اور عطائی ہیں، جب کہ کمال کسبی ہے، اسی لیے تو کہا گیا کہ:

ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

☆ ایک ہے نام اور ایک ہے کام، ان دونوں کی مطابقت سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے جسے کہتے ہیں مقام۔

کامیاب ناظم اپنے ماتحتوں سے کیسا سلوک کرے:

(۱)......اپنے ماتحتوں کو اپنا معین و رفیق کار سمجھے اپنا نوکر اور مزدور تصور نہ کرے۔

(۲)......اس کی خوشی غمی کے مواقع پر مقدور پر مخلصانہ مگر معتدلانہ دلچسپی لیں۔

(۳)......آدمی بنے بنائے ملتے نہیں، اس لیے افراد سازی کا مزاج بنا کر ماتحتوں کو مشغول رکھے اور ہر ایک کو ذرے سے آفتاب بنانے کا حوصلہ رکھے پھر دیکھئے وہ آپ کے کیسے شیدائی اور فدائی بنتے ہیں۔

(۴)......اپنے مدرس کی ضرورت کو محسوس کرے، وہ زبانی یا تحریری اپنے جذبات کا اظہار کرے یا درخواست دے، اس سے پہلے آپ اس کی ضرورت کی فکر کریں، وہ ادارے کی ہر ضرورت پر اپنے آپ کو نچھاور کر دے گا۔ الغرض منتظم کا ہمدرد ہونا ضروری ہے۔

(۵)......منتظم اپنے آپ کو جس قدر سادگی پسند بنائے گا اُسی قدر اس کی شخصیت پرکشش بنے گی اور یہی مزاج ماتحتوں میں منتقل ہوگا اور محمود بنے گا اور ''البذاذة من الایمان'' ایمان کا مصداق بنے گا۔

(۶)......ہر منتظم حضرت رئیس جامعہ کا تجرباتی ملفوظ گرہ کرلے کہ ''سہ قسمی انتظامات کی

02

درستگی پورے ادارے کی انتظامی درستگی اور استحکام کا باعث ہے'':

☆ نظامِ تعلیم: کیوں کہ اس کے ذریعہ مقصد حصول تعلیم کے جذبے کو تسکین ملتی ہے۔

☆ نظامِ مسجد: کیوں کہ اس کے ذریعہ تربیتی روحانی غذا فراہم ہوتی ہے۔

☆ نظامِ مطبخ: کیوں کہ اس کے ذریعہ جسمانی اور مادی غذا فراہم ہوتی ہے۔

(۷)...... یہ بھی حضرت وستانوی کا ملفوظ ہے جو نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے کہ ''مجرم کو چھوڑا نہ جائے اور غیر مجرم کو چھیڑا نہ جائے''۔

(۸)...... یہ قیمتی جواہر پارہ بھی اپنی کشکولِ انتظامی میں محفوظ کرلیں کہ ہر کام کرنے والے کی قدر کی جائے، نہ کرنے والے کی فکر کی جائے۔یہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب تربیت ہے۔(جیسا کہ واقعۂ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۹)...... کسی ماتحت سے عدم موافقت کی بنیاد پر اس کی کردار کُشی نہ کی جائے، کیوں کہ کردار کُشی کا گناہ خود کُشی سے بڑھ کر ہے۔

(۱۰)...... یہ دور؛ قحط الرجال کا ہے، نیز ہر آدمی اپنی عزتِ نفس کی حفاظت چاہتا ہے،اس لیے ہر صاحب صلاحیت سے کام لیا جائے،صرف ایک متعین فرد سے کام نہ لیا جائے۔

ہمارے حضرت کا ذوق اور نظریہ یہ ہے کہ کام کرنے والوں سے محاسبۂ اعمال تو کیا جائے کمزوری اور ضعف کے ازالہ کے مواقع فراہم کئے جائیں مگر آدمی ٹوٹنے نہ پائے یہی راز ہے کہ تقریباً ہزاروں علماء کا قائد اللہ نے آپ کو بنا رکھا ہے۔(الحمد للہ علی ذالک)

(۱۱)......اجتماعی کاموں کی کامیابی کے تین بنیادی اصول ہیں، جسے ہر ناظم اپنے مدرسین کے درمیان بار بار مذاکرہ کرکے عملی جامہ پہنائے:

(۱) اتحادِ قلوب؛ جس سے نفاق سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۲) اتحادِ فکر؛ جس سے فکری یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) اتحادِ عمل؛ جس سے ٹیم ایک جوش اور ولولہ سے کام کرتی ہے۔

ہر مدرس ومنتظم کو ولی بنانے کے اساسی اصول:

ہماری تدریس وتصنیف اور تقریر وتحریر میں جان پیدا کرنے کیلئے تعلق مع اللہ اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتا ہے:

(۱) تعلق مع اللہ لمحاتِ مسرت میں تقویت کا سامان ہے، اتراہٹ اور عجب سے بچاتا ہے اور لمحات آمائش وابتلاء میں دافعِ ہموم وغموم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہر موقع ومحل کے لیے ہے ''لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین'' (القصص ۷۶)

تو کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''لاتحزن ان اللہ معنا'' (التوبۃ ۴۰) اسی کو بہادر شاہ ظفر نے یوں کہا ہے ؎

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا بھی صاحب فہم وذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

(۲) حضرت مولانا میاں صاحب نے کسی موقع پر بڑا ہی عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ ''ہر کجا باش باخدا باش''۔ (جہاں کہیں رہو خدا کو حاضر جانو!)

(۳) حضرت الاستاذ سید ابرار احمد دھولیوی رحمۃ اللہ علیہ سے تاثیرِ خطابت اور مقبولیتِ درس کا راز دریافت کیا گیا، جواباً ارشاد فرمایا کہ ''دل سے رجوع الی اللہ اور اپنے اکابرین اساتذہ اور محسنین ومصنفین کو ایصالِ ثواب کا اہتمام''۔

(۴) بہر حال صالح بننا اور اس سے ترقی کر کے ولی بننا ہماری اپنی ضرورت ہے، چناں چہ جنیدِ وقت حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے بڑے سادہ انداز میں حصولِ ولایت کے چند بنیادی اصول ارشاد فرمائے ہیں:

☆ نماز با جماعت کا اہتمام۔ ☆ قرآن پاک کی تلاوت۔

☆ تھوڑی دیر ذکر۔ ☆ تمام بڑوں کا احترام۔
☆ اتباع سنت کا اہتمام۔ ☆ تہجد کی پابندی۔
☆ غیبت سے پرہیز۔

نیز حضرت شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ "کمال انسانیت کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے: تقویٰ، تواضع اور اختلاط سے کامل احتیاط۔

اِن سطور کی روشنی میں ہمیں بھی دل کی کدورت کو دور کرنا چاہئے، کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہو، تو ان کی تعلیمات کے مطابق راہ سلوک طے کرنا چاہئے اور اگر ہم ابھی بھی شترِ بے مہار ہیں، تو کسی اللہ والے سے وابستہ ہو کر اپنی زندگی نیا پار لگانا چاہئے، فضلاء اور وابستگان جامعہ کے لئے حضرت رئیس جامعہ سے رجوع ہو کر اپنی اصلاح کرانا زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔

<u>ہر آدمی کی چاہت ہوتی ہے کہ اسے عزت ملے مقام ملے وہ کیسے؟</u>

بڑا بنانے والے اصول:

(۱) اللھم اجعلنی فی عینی صغیرًا و فی اعین الناس کبیرًا (مسند البزار) کا نفس نفس استحضار۔

(۲) کسی کو بڑا بنا کر اور کسی کی عزت کر کے تو بڑا بن سکتا ہے لیکن کسی کو گرا کر بڑا نہیں بنا جاسکتا۔

پلا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اپنے بڑوں کی عزت و توقیر اور ادب تو آسان ہے، مگر اپنے ہم عصروں اور چھوٹوں کی عزت تواضع اور انکساری ہے۔

(۳) حِلُم: بردباری۔ (۴) اَنَاۃُ: انجام بینی۔

(۵) جذبۂ خدمت کو طبیعتِ ثانیہ بنا کر اپنی ذات کو انفع للناس بنانا، کیوں کہ خدمت سے خالق کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے اور مخلوق کی خوشنودی بھی حصہ میں آتی ہے۔

مدرسین، طلباء، اور منتظمین کا دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہونا کتنا مفید ہے؟

مجددِ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ملفوظ ہے کہ دین پر ہونے والی جتنی محنتیں اور چلت پھرت ہے اس کا احترام کر، یعنی مدارس، مکاتب، خانقاہوں کی افادیت کا اقرار کرتے ہوئے ہم اپنے کام میں لگیں گے، تو ہماری کامیابی ہے، اس لئے دعوت وتبلیغ سے وابستگی اعتدال کے ساتھ مطلوب بھی ہے اور محمود بھی۔

حضرت وستانوی کا ملفوظ: مدارس بھی دین ہے، دعوت وتبلیغ بھی دین ہے، خانقاہ بھی دین ہے۔ خانقاہ ہی دین ہے، دعوت ہی دین ہے یہ غلط فکر ہے، ''ہی اور بھی'' میں فرق ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ وسلم اپنی کتاب ''مہمانِ رسول'' میں صفحہ ۱۱ر پر قوتِ تاثیر کے عنوان سے افادیت مدارس کے سلسلہ میں بڑی عجیب بات کہی ہے ''اسی درس گاہ کا ایک سپوت ''الیاس'' نام کا خدا کے دین کے لئے تڑپا، امت کے لئے بے چین ہوا، لوگوں کی غفلت بھری زندگی دیکھ کر کانپنے لگا، جنگل جیسے علاقہ میں ایک آہ بھری، ایک نعرۂ مستانہ لگایا، تو دنیا نے دیکھ لیا کہ سارے عالم کو بیدار کر دیا، عالم کی کایا پلٹی، دورِ نبوت کے اعمال لوگوں میں پیدا ہوئے، ہاتھوں میں تسبیح آئی، قدم جانبِ مسجد اٹھے، لباس بدلا، سر پر ٹوپی آئی، ان شاء اللہ، ماشاء اللہ اور سبحان اللہ جیسے کلمات ہر طبقہ کی زبان پر چڑھ گئے۔

دعوت وتبلیغ کی افادیت:

علماء: اگر صحیح اصولوں کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، تو اس کے چند بہت بڑے بڑے فوائد ہیں (بشرطیکہ دعوت وتبلیغ تعلیم وتعلم کی مشغولیت کے

ساتھ کی جاوے) مثلاً:

(۱) مردم شناسی کا جوہر پیدا ہوتا ہے۔

(۲) مزاج شناسی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) موقع و محل یعنی مقتضائے حال کے مطابق گفتگو کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ دینی کام کس کے لئے کرنا ہے؟

(۵) دینی کام کر کے اجر کس سے لینا ہے؟

(۶) اپنی انفرادی خصوصیت ختم کر کے گمنامی اور عمومی زندگی گذارنا پسند کرتا ہے۔

(۷) نصوص (قرآن وسنت) کو عملی جامہ پہنانے کا ذوق بنتا ہے۔

شعبہ دینیات کے سلسلہ میں چند امور:

(۱) بچہ کی ذہنی تربیت خصوصاً عقیدہ کی درستگی کا اہتمام ہو۔

(۲) ’’عَلَّمَ بِالْقَلَمْ‘‘ جو جامعہ میں رائج ہے اُسے جامعہ کی ہر شاخ میں رائج کرے۔

(۳) دیگر شعبہ جات کی طرح دینیات کی تجوید بھی مستقل ہونی چاہئے۔

(۴) اساتذہ صحتِ تلفظ، اردو محاورات اور روانیٔ تلاوت کے سلسلہ میں تمام طلباء پر یکساں محنت کریں۔

(۵) جماعت بندی جو جامعہ کا امتیاز ہے اس کا اہتمام ہو۔

(۶) اساتذۂ دینیات کا تقرر شعبۂ دینیات کے صدر کی تصویب کے بغیر نہ کیا جائے۔

درجاتِ حفظ کے سلسلے میں چند گذارشات:

(۱) جامعہ کے شعبۂ حفظ کو مکمل طور پر فروعات جامعہ میں نافذ کیا جائے۔

(۲) جامعہ میں دوپہر کے کھانے کے بعد اور رات عشاء بعد جو عمومی نورانی فضا رہتی ہے، اسے جامعہ کی ہر شاخ میں رائج کیا جائے۔

(۳) اردو تحریر، اردو خوانی، مسائل اور عقائد کی تعلیم کے نظام کو دیگر مدارس نے جامعہ کی اتباع کرتے ہوئے جاری کیا ہے نیز اس کی افادیت کا اقرار بھی کیا ہے، لہٰذا ہماری تمام شاخوں میں بھی رائج ہونا چاہئے۔

(۴) حفظ کے سلسلہ میں رئیس جامعہ کا خواب شرمندۂ تعبیر کیا جائے (یعنی با قاعدہ بھی اور حفظ کا ہر مدرس بھی تجوید کا لحاظ کر کے قرآن سنے)۔

(۵) رات میں ایک مرتبہ مدرس اپنے طلباء کا سبق سننے کی کوشش کرے (یعنی رات میں بعد مغرب ایک مرتبہ کچا پکا سن لیوے)۔

(٦) اوقاف کی رعایت، رکوع اور آیات کے استحضار کے ساتھ محنت کرائی جائے۔

شعبہ تجوید کے سلسلہ میں قابل توجہ امور:

(۱) تجوید کا استاذ حسین الصوت ہو۔

(۲) کتبِ تجوید میں تفہیم کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۳) اپنا فن طلباء میں منتقل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

درجات عربی کتب کے سلسلہ میں معروضات:

(۱) نصاب کی یکسانیت کو لانا بہت ضروری ہے، ہر شاخ میں جامعہ کا ہی نصاب رائج ہونا چاہئے۔

(۲) اجرائے قواعد نحویہ وصرفیہ فی القرآن۔

(۳) ترجمۂ قرآن کو اہتمام سے سنا جائے، چاہے چند طلباء سے ہو۔

(۴) عربی سوم تک دو تین طلباء سے ضرور سبق سننا چاہئے۔

(۵) نمازِ فجر سے قبل ایک طالب علم کی تلاوت مع ترجمہ، حدیث اور دعاء کا اہتمام جامعہ میں ہے ایسے ہی ہر جگہ ہونا چاہئے۔

(۶) نظامِ امتحان جتنا منظّم ہو ویسی ہی تعلیم بھی ٹھوس اور مستحکم ہو، تا کہ طلباء کا مستقبل روشن تر ہو۔

(۷) مسابقاتِ تفسیر یہ، نحو یہ، حفظِ حدیث اور خطابیہ وغیرہ اساتذہ کی نگرانی میں کرایا جائے۔

(۸) اردو انجمن ''اصلاح الکلام'' اساتذہ کی نگرانی میں ہو۔

حفظ ما تقدم کے طور پر چند ضروری امور:

مدارس و دینی تحریکات کے خلاف چہار قسمی سازشیں ہو رہی ہیں:

(۱) مدارس کے وجود کو امنِ عامہ کے لیے خطرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور ہر حادثہ کو مدارس سے جوڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(۲) علماء مشائخ اور طلباء کی کردار کشی کی جا رہی ہے تا کہ ان کی عظمت پامال ہو جائے۔

(۳) مدارس کا مالی استحکام جو استقلالِ مدارس کا ذریعہ ہے اس پر ہر ممکن روک لگائی جا رہی ہے (یعنی ہر ایسی تنظیم اور افراد کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہے جو مدارس کا تعاون کرتے ہیں)۔

(۴) نظام مدارس کی ہر مہذب چیز کو غیر مفید بتا کر اہمیتِ مدارس پر ضرب کاری ہو رہی ہے۔

(۵) علماء اور عوام کے تعلقات کو حتی الامکان ختم کرنے کی منصوبہ بند کوششیں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مدارس، علماء، مشائخ اور ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔

ان مسائل سے نمٹنے کے لیے اقدامی کاروائی نہ کی جائے، مگر دفاعی اور حفاظتی ذہن سازی ضروری ہے۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

……پیغامِ اخوت برائے برادرانِ ملت……

ارشاد ربانی ہے کہ ”یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت“ (المجادلۃ ۱۱) علم ایک روشنی ہے تو جہالت تاریکی، جہاں علم آتا ہے تاریکی مٹتی اور ختم ہوتی چلی جاتی ہے، علم کی بدولت بدتہذیبی تہذیب سے بدلتی جاتی ہے، حقوق کی پامالی کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، برادری ووطنیت کا تعصب اپنی موت مرجاتا ہے، اور سب سے اہم اور اعظم فائدہ خصوصاً علوم دینیہ ربانیہ کا یہ ہے کہ انسان خداترس خداشناس بن کر معرفت ربانی حاصل کرتا ہے، ارشاد باری ہے کہ ”إنما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤ“ شیخ سعدی کا یہ شعر کس قدر علم کی افادیت پر مشتمل ہے کہ

چوں شمع از پے علم باید گداخت　　کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے　　بجز اس کے نہیں پہچان سکتے ہم خدا کیا ہے

اللہ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے ہم کو زیورِ علم سے آراستہ کیا اور زمرۂ علماء میں شامل کیا، اللہ ہم سب کو علم سے وابستگی کی قدر عطا فرمائے اور اس سلسلہ میں ہمارے جتنے مدرس، اساتذہ، مشائخ اور معاون بطور وسیلہ کے ہیں ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے، مجھے اس وقت نہایت حیرت مگر مسرت آمیز جذبات کے ساتھ جنبشِ قلم دینے اور جذباتِ دروں کے اظہار کا موقع مل رہا ہے اور بالخصوص ”ملت برادری“ کو یہ پیغام اخوت دینے کا سنہرا موقع فراہم ہورہا ہے کہ سرزمین مہاراشٹر پر آباد شہر مالیگاؤں جو تقریباً ڈیڑھ صدی قبل ایک معمولی غیر معروف قصبہ کی صورت میں ۱۵۰۰۰ رکی آبادی پر مشتمل تھا، دینی عصری علم وعمل سے بیگانہ افراد کا ہجوم تھا، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی حیثیت سے کم تھا، کسی کو کیا توقع یا امید رہی ہوگی کہ ایسے چھوٹے سے قصبے سے

دینی وعصری علوم کے چشمے جاری ہو کر انہیں آبادی وشادابی سے ہم کنار کر کے اطراف واکناف اور پورے مہاراشٹر کو فیض یاب اور علمی کرنوں سے منور کریں گے، خصوصاً ہمارا یہ مردم ساز ادارہ جسے ہم ''معہد ملت'' کے پیارے اور پر کشش نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں، اس ادارہ نے شہر مالیگاؤں اور اس کے قرب وجوار میں وہ ملی خدمات انجام دی ہے کہ جس کے ذکر خیر کے بغیر تاریخ مالیگاؤں بل کہ تاریخ مہاراشٹر تشنہ وناقص نظر آئے گی، مثلاً: مہاراشٹر میں دینی تعلیم خصوصاً ابتدائی عربی تعلیم کا قدیم ادارہ جس کو دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء ہر دو سے گہرا ربط اور جس کی کفالت نے مہاراشٹر کے مدارس میں ایک خشتِ اول کی حیثیت اختیار کی، صوبۂ مہاراشٹر میں ائمہ ودُعاۃ کو مبعوث کر کے عوام اور ناخواندہ طبقہ کو گمراہی سے بچایا، صوبہ میں جابجا بالخصوص شہر مالیگاؤں میں محکمۂ شرعیہ قائم کر کے مسلم عوام کو کورٹ اور کچہری کے چکر سے بچایا۔

وقت اور ضرورت کے مطابق یہاں کے علماء نے پرمغز خطابات کے ذریعہ وقت کی کامیاب رہنمائی فرمائی جس میں جناب مولانا محمد حنیف ملی قاسمی، قاضی عبدالاحد ازہری اور مولانا محمد زبیر ملی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کرنٹ اور حساس موضوع پر رسائل، کتابوں اور پمفلیٹ کے ذریعہ امت وبرادری کا کام بھی اس ادارے نے انجام دیا جس میں ماہ نامہ گلشن، نیز نقوش چین، فیوض اربعین، دینی تقاریب کا گلشن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بہر حال یہ تو مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر معہد ملت کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف ہے، ورنہ اس شہر کی ترقی پذیر دینی درس گاہ جو اپنی نصف صدی سے زائد خدماتِ ملیہ میں معروف ہے، اس پیغامی تحریر میں اس کا کیسے احاطہ کیا جاسکتا ہے۔

بس اہلیانِ مالیگاؤں اور وابستگانِ معہد ملت کو اس ایک شعر کے ذریعہ آج کے اس حسین موقع پر مبارک باد وتہنیت پیش کرتا ہوں، کہ ؎

اپنی قسمت پر تو مالیگاؤں بے حد ناز کر
خاک سے اٹھے ہیں تیری کیسے فخرِ روزگار

ملت کے ابنائے قدیم وجدید آج کی تاریخی وسنہری تقریب میں جمع ہیں، تو اپنے ہم نسبت بھائیوں سے ''الدین النصیحۃ'' کے طور پر چند گذارشات پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ ابنائے ملت خصوصا اور علماء امت عمو مادل کی آنکھوں سے پڑھ کر عملی جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش کریں گے۔

(۱) ماہرین تعلیم کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ خوش حال معاشرہ کی تشکیل کا تصور بغیر معلم کے ممکن نہیں، اس لیے ہمیں اپنے آپ کو باکردار معلم بنانا چاہئے۔

(۲) معلم کا مقام معمارِ قوم کا ہے، وہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تربیت کرتا ہے، اس لیے معلم، مربی اور رہنما ہونا چاہئے۔

(۳) اپنے زیرِ تربیت طلباء کو نعمتِ خداوندی سمجھیں اور یہ تصور کریں کہ یہ ہمارے لئے ذریعۂ معاد بھی ہیں۔

(۴) طلباء سے معاملہ: مشفقانہ اور مصلحانہ ہونا چاہئے، ارشاد نبوی ہے کہ ''انما انا لکم مثل الوالد لولدہ'' (نسائی) جو شفقت کرتا ہے، اس کا فیض عام ہوتا ہے۔

(۵) عالمِ دین کا امت سے خیر خواہی کا کوئی موقع نہ چوکے، مثلاً: مواقعِ مسرت میں مبارک بادی، مواقعِ غمی میں دلسوزی، ہمدردی وتعزیت وغیرہ۔

(۶) جن ادارے اور جن اساتذہ سے فیض یاب ہوں ان سے مربوط رہ کر اپنی زندگی گذاریں، اُن کا ذکرِ خیر کرتے رہیں، اُن کی ترقی کے لئے دعا وکوشش کرتے رہیں۔

(۷) جس ادارے میں کام کریں، اس سے محبت اور وفاداری کا معاملہ کریں، اس لئے کہ وہ ہمارا محسن اور صلاحیتوں کو نکھارنے کا وسیلہ ہے۔

(۸) استاذ اور معلم کو وصفِ حلم و بربادی سے آراستہ ہونا چاہئے، کیوں کہ مشہور مقولہ ہے، کہ ''الحلم زینة العلم''۔

(۹) بزرگوں کا ارشاد ہے کہ والدین اولاد کو خدا سے عرش سے مانگ کر فرش پر لانے کا ذریعہ ہیں، اور اساتذہ نونہالانِ امت کو روحانی ترقی دے کر فرش سے عرش پر پہونچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

(۱۰) اپنے باطن کی فکر کریں، ذکر کی مجلسیں قائم کریں، مشائخ حقہ سے منسلک رہیں۔ کسی نے بہت بہتر کہا ہے کہ:............... ہر کجا باش با خدا باش۔

بہر حال یہ دس نکاتی پروگرام اپنے برادرانِ ملت کے نام اس وقت پیش خدمت ہے، میں ملت کے فضلاء، علماء، طلبا، معاونین اور متعلقین کے لئے دل سے دعا گو ہوں، کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ظاہری، باطنی، دینی اور دنیوی ترقیات سے مالا مال فرمائے، ہر قسم کی ذلت و خواری سے حفاظت فرمائے، آپ کا یہ پروگرام ہر طرح کامیاب ہو۔

قدم بڑھاؤ ترقی کرو ضرور ولے — رہے نبی کے قدم پر نظر خدا کے لئے

......کلام منظوم......

آؤ کہ نفرتوں کو محبت میں ڈھال دیں — فرقہ پرستیوں کا جنازہ نکال دیں
پونہ میں آؤ بیٹھ کے یہ عہد ہم کریں — چھوڑیں گناہ، اپنے پرائے کا غم کریں
تعلیم و غم گساری کا نعرہ لگائیں ہم — ذاتوں کے بھید بھاؤ کو دل سے مٹائیں ہم
وشوناتھ جی کے کیمپ میں خواجہ کا دم بھریں — راضی خدائے پاک کو دھرتی پہ ہم کریں
اپنا مشن جہاں میں ہو توحید و اتحاد — ہو الفت و خلوص کی بنیاد زندہ باد
عیسائی، سکھ، و ہندو مسلماں ہوں ساتھ ساتھ — یکتا کے گیت گا کے بھلائیں گے ذات پات
اپنے وطن کی مل کے بڑھائیں گے آبرو — نعرہ یہی فلاحیؔ کا گونجے کا چارسو

جادو وہ جو سر چڑھ بولے......

وابستگانِ جامعہ نیز بہی خواہانِ جامعہ کے لیے یہ مژدہ یقیناً جانفزا اور مسرت بخش ثابت ہوگا کہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندربار کے استاذ حدیث وتفسیر وفقہ جناب مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستی پوری جو پچھلے سات سال سے جامعہ میں کامیاب تدریسی مشغلہ سے وابستہ ہیں، انہیں ہندوستان کی جانی مانی، مشہور ومعروف، کثیر الخدمات، وسیع الافکار ساہتیہ اکاڈمی ''بھارتی ساہتیہ کارسنسد'' کی جانب سے ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بلاغت کے موضوع پر لکھی گئی، انوکھی اور البیلی کتاب ''دبستان بلاغت'' جو ادبیت ومذہبیت کا سنگم ہے اور قرآن پاک کے اعلیٰ معیار بلاغت اجاگر کرتی ہے اور شیخ طریقت حضرت اقدس مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کے دعائیہ کلمات، جامعہ کے رئیس حضرت مولانا غلام وستانوی صاحب حفظہ اللہ کے وقیع اور پر مغز پیش لفظ نیز شعر وادب کے جانے مانے خوش اسلوب، خوش تعبیر، شاعر وادیب جناب ڈاکٹر کلیم عاجز صاحبؒ کے قیمتی مقدمہ اور احقر کے تعارفی مضمون سے آراستہ ہے، ان کی اس فنی کتاب پر مذکورہ اکاڈمی کی طرف سے ''امیر خسرو راشٹریہ شیکھر ساہتیہ سمان''

(Ameer Khusru Rashtriya Shikher Sahitya Samman)

کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

یوں تو آج کی رواجی دنیا میں اپنوں کو ہی نوازتے ہیں کوئی ایوارڈ دے، دلاکر وقتی طور پر کوئی، کسی کو خوش کرتا ہے؛ مگر یہ ایوارڈ ایسا ہے کہ اس کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ واقعی مصنف کی اس کاوش کو غیر کی طرف سے ایوارڈ کے لیے من جانب اللہ ہی منتخب کیا گیا تھا۔

08

مذکورہ اکاڈمی ہندوستان کی وہ غیر جانب دار فعال اکاڈمی ہے جس کی بنیاد ۱۹۹۵ء میں ادبی خدمات کو بام عروج پر لانے کے لیے ڈالی گئی تھی، جس کے حالیہ صدر ''جناب ڈاکٹر ہری ونش ترون'' (Dr Harivansh Taroon) اسے مزید پروان چڑھانے میں کوشاں ہیں، اس اکاڈمی کی طرف سے سماجی، علمی وادبی موضوعات پر مختلف اہم کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں ''دلت کہاں جائیں؟، غزل کیسے لکھیں؟'' اور اردو، ہندی وانگلش کی جامع ڈکشنری بڑی مشہور ہیں نیز ''اچھر گندھا'' نامی ہندی میگزین ہر ماہ پابندی سے جاری ہے، کسی بھی زبان کے شاعر وادیب نیز وطن اور اہل وطن کی مخلصانہ خدمت فرمانے والی باکمال ہستیوں کی خدمات کو سراہتے ہوئے اس اکاڈمی سراہتی رہتی ہے، چناں چہ گذشتہ سال ۲۰۰۴ء میں صدر جمہوریہ ہند اے، پی، جے ڈاکٹر عبدالکلام کو ان کی سائنسی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ اکاڈمی نے معزز ایوارڈ سے سرفراز کیا ہے اور اس طرح اکاڈمی کی وسیع خدمات کی بنیاد پر اس کی شہرت ہندوستان کے باہر بھی مختلف ممالک میں پھیل گئی ہے۔

ہمارے جامعہ کے مؤقر استاذ حضرت مولانا افتخار احمد صاحب قاسمی بستی پوری کو مذکورہ اکاڈمی کی طرف سے ۱۹؍ مارچ ۲۰۰۵ء کو ہندوستان کی تقریباً پندرہ ریاستوں کے مختلف مذاہب وافکار کے اسکالروں اور دانشوروں کی موجودگی میں ''امیر خسرو ایوارڈ'' سے سرفراز کیا گیا، جو جامعہ اور متعلقین جامعہ کے لیے بڑے فخر کی بات ہے، پروگرام میں شریک سرکاری اسکالروں، دانشوروں، مصنفین اور محققین نے صوبۂ مہاراشٹر میں تعلیمی بیداری کا تذکرہ کرتے ہوئے وسعت ظرفی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا کہ مہاراشٹر کی تعلیمی کایاپلٹ میں جامعہ اکل کوا کا کردار اہم اور اول ہے۔

الفضل ماشهدت به الاعدآء